

U 14368

Date 5-12-85

File TALAKIRAH GULSHAN-E-IBRAHEEM MAY TALAKIRAH
GULSHAN-E-HIND.

Created - Ali Ibraheem Khan Khaleel Ans Mirza Ali
Luty; Musattib Saqeeq Moti Uddin Dastgir
Yes.

Published - Matha Muslim University Aligarh (Aligarh).

Date - 1934

Pages - 296.

Subjects - Tarkis, Shase -- Urdu; Gulshan Ibraheem --
Tanzim; Gulshan Hind -- Tanzim.

(سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۷۲)

تذکرہ گلزارِ ابراہیم

(مؤلفہ علی ابراہیم خان طلیس)

مع

تذکرہ گلشنِ مہند

(مؤلفہ مرزا علی لطیف)

مرتبہ

ڈاکٹر سید محی الدین قادری ذوق

ام لے۔ پی ایچ ڈی (لندن)

پروفیسر اردو کتب خانہ عثمانیہ

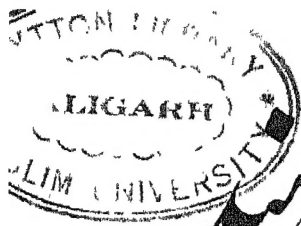
انجمن ترقی اردو کے لئے

باہتمام محمد تقی علی شادانی

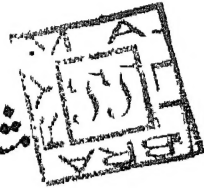
۳/۳

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا
۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء

تعداد ایک ہزار



گلشنِ مبارک



مشہور شعرائے اردو کا ایک تذکرہ

جس کو
میرزا علی متخلص لطف

نے، بعد مارکوس آوفیلزنی گورنر جنرل ہند اردو کے مشہور سرپرست مسٹر جان گلکرسٹ کی فرائض سے
علی براہیم خاں کے فارسی تذکرہ گلزارِ ابراہیم سے مع اضافوں کے اردو زبان میں
جو آج سے ایک سو پانچ برس پیشتر کی سادہ اردو نثر کا ایک عمدہ نمونہ ہے

۱۸۰۱ء

میں تصنیف کیا اور

۱۹۰۶ء

میں

شمس العلماء مولوی شبلی کی تصحیح و تفسیر اور مولوی عبدالحق صوابی کے

کے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ، اردو زبان کی خدمت کے لئے
عبدالحق خاں نے حیدرآباد دکن سے شائع کیا

دارالاشاعت پنجاب کے

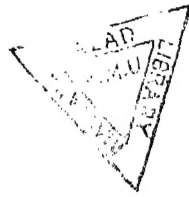
رفاعہ امیم پریس لاہور میں چھپا

(بلا حقوق بذریعہ حبیبی محفوظ ہیں)

UDDI TEXT BOOK

1897

X



CHECKED-2002
M.A. Lib.

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U14968

پیشتر کی التماس

۱۳۲۰ء ہجری کے موسمِ برسات میں پائے تخت حیدر آباد کی مشہور ندی میں جو جھاڑ بکھرے نیچے بہتی چلی گئی تھی۔ ایک عظیم الشان سیلاب آیا۔ اس سیلاب سے لاکھوں روپے کا نقصان ہوا اور کچھ لوگوں کو بہ مصداق ”چوں خراب شود خانہ خدا گردد“ فائدہ بھی پہنچا۔ لیکن اس طوفان کی سب سے بڑی اور مفید یادگار یہ تذکرہ ہے جو پبلک میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر سیلاب نہ آتا تو اس منجمد زمین سے اس علمی حشیشے کا بہنا ممکن نہ تھا۔ یہ سیلاب جہاں اور نہاروں چیزوں کو اپنے ساتھ لایا، وہاں کسی آفت زدہ کا ایک کتب خانہ بھی بہا لایا، اور اُس میں یہ تذکرہ بھی تھا جو پبلک میں یہ آبِ آور دکھائیں گے دہائیوں کے داموں بکیں اور یہ تذکرہ ہمارے کرم فرما مولوی غلام محمد صاحب مددگار کینیٹ کو نسلِ دولتِ آصفیہ کے ہاتھ لگا۔ انھوں نے علامہ شبلی کو دکھایا۔ علامہ موصوف نے اس کو بدرجہ غایت پسند کیا اور انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کرنے کا قصد کیا، لیکن انجمن اپنی پیچ در پیچ طرزِ عمل کی وجہ سے اس کو نہ چھاپ سکی اور علامہ موصوف نے ہم کو اُس کے شائع کرنے کی رائے دی اور خود اس کے ارڈر کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ علامہ موصوف نے اس کی تصحیح بھی کی اور اس پر کچھ نوٹ بھی لگائے، جو مجسبہ چھاپ دیئے گئے ہیں۔

اس تذکرے کی معنوی خوبیاں اور تاریخی حیثیت سے اُس کی اہمیت اُس مقدمے سے ظاہر ہوگی جو ہمارے کرم فرما مولوی عبدالحق صاحب بی اے پرنسپل مدرسہ آصفیہ حیدر آباد نے ہماری فرمائش سے اس تذکرے پر لکھا ہے جس میں انھوں نے اردو زبان کے نشوونما کی تاریخ اور اُس کی قدیم تصانیف کا بیان اور تذکرہ ہذا کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے مولوی عبدالحق

صاحب کو پری فیس لکھنے میں جو خاص ملکہ ہے۔ اُس کو تمام اُردو داں پبلک جانتی ہے کہ وہ کس خوبی سے اس اہم کام کو انجام دیتے ہیں اس لئے ہم بجز شکریہ کے اور زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہمیں مولوی غلام محمد صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اپنی علمی قیاضی سے یہ کتاب ہم کو چھاپنے کے لئے دی اور کئی سال تک ہمارے پاس رہی علامہ شبلی بھی خاص شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی غایت سے اُس کی تصحیح اور بخشی میں اپنا وقت صرف کیا۔ اس کتاب کے چھپانے میں خاص اہتمام کیا گیا ہے اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کا ایک حرف بھی چھوٹنے نہ پائے؛ البتہ صرف اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ میرا سودا ورو اور مصنف کا نمونہ کلام جو اس تذکرے میں نہایت کثرت کے ساتھ درج تھا اُس میں سے صرف عمدہ نمونہ چن لیا گیا ہے اور اس خدمت کو بھی مولوی عبدالحق صاحب کے ذوقِ سلیم نے انجام دیا ہے۔ اس کے سوا اس میں اور کوئی تصرف نہیں کیا گیا بلکہ مقدمے اور نوٹوں سے اس کو اور زیادہ مخزنِ معلومات بنایا گیا ہے جس کی قدر دانی کی پبلک سے اُمید کی جاتی ہے؛ اگر پبلک نے اس کی قدر دانی کی تو یہ بہت جلد اور مفید علمی کتابوں کے شائع کرنے کے قابل ہونیکس گئے جو انگریزی اور عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔

کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن {
۱۶ نومبر ۱۹۰۶ء

عبد اللہ خاں

فہرست تذکرہ گلزار ابراہیم

مقدمہ الف
 ویباجہ ا

نمبر صفحہ	ردیف الف	بیچہ
۳	شاہ عالم بادشاہ	۱ آفتاب -
۹	نواب آصف الدولہ	۲ آصف -
۱۳	عمدۃ الملک میرخان	۳ انجام -
۱۵	قزلباش خان	۴ امید -
۲۰	سراج الدین علی خان	۵ آرزو -
۲۳	ولی اللہ سرہندی	۶ اشتیاق -
۲۵	شاہ نجم الدین	۷ آبرو -
۲۸	محمد فضل	۸ انفض -
۳۰	گجراتی	۹ احمد -
۳۹	.	۱۰ امجد -
۳۱	.	۱۱ انصاف -
۳۲	.	۱۲ اشرف -
۳۳	محمد اشرف	۱۳ اشرف -
۳۴	خواجہ زین العابدین	۱۴ آزاد -
۳۵	میر مظفر علی دہلوی	۱۵ آزاد -

شماره	موضوع	صفحه
۱۴	افصح - شاه فصیح	۱۴
۱۵	آشی - خواجه برهان الدین دهلوی	۱۵
۱۸	انسان - اسد یار خان دهلوی	۱۸
۱۹	احسن - احسن الله	۱۹
۲۰	احسن - مرزا احسن علی	۲۰
۲۱	آشنا - میرزین العابدین	۲۱
۲۲	آشنا -	۲۲
۲۳	الهام - فضائل بیگ	۲۳
۲۴	الهام - شیخ شرف الدین	۲۴
۲۵	آگاه - محمد صلاح دهلوی	۲۵
۲۶	آگاه - نور حسن	۲۶
۲۷	افغان - الف خان	۲۷
۲۸	افکار - میر حیون	۲۸
۲۹	امیر - محمد یار خان	۲۹
۳۰	اکرم - خواجه محمد اکرم دهلوی	۳۰
۳۱	اسد - میرامانی دهلوی	۳۱
۳۲	اولاد - میر اولاد علی	۳۲
۳۳	اثر - محمد میسر دهلوی	۳۳
۳۴	الم - صاحب میر دهلوی	۳۴
۳۵	انور - غلام علی	۳۵
۳۶	اجل - شاه محمد اجل آبادی	۳۶

۴۱	میرزا شمس الدین خاں	انتشار	۴۷
۴۲	محمد اعظم لکھنوی	اعظم	۴۸
۴۳	میرزا علی دہلوی	علی علی	۴۹
۴۴	میرزا مانی دہلوی	امانی	۵۰
۴۵	میر غلام علی دہلوی	اعظم	۵۱
۴۶	خواجہ امام بخش عظیم آبادی	امامی	۵۲
۴۷	میرزا دیا ہمانی	اولیا	۵۳
۴۸	شیخ احمد وارث	احمدی	۵۴
۴۹	علی نقی خاں دہلوی	انتظار	۵۵
۵۰	خواجہ امین الدین عظیم آبادی	امین	۵۶
۵۱	میر شیر علی	افسوس	۵۷
۵۲	میرزا رضا قلی	آشفته	۵۸
۵۳	میرزا ہمدی دہلوی	آہ	۵۹
۵۴	میرزا شمس الدین	حسن	۶۰

حرف (ب)

۶۳	میرزا عبد القادر	بیدل	۵۱
۶۴	ٹیک چند دہلوی	ہمار	۵۲
۶۵	شاہ بیچا دہلوی	بیچا	۵۳
۶۶	سید فضل علی خاں دہلوی	بے قید	۵۴

۵۶	بیان	حسن اللہ	۴۵
۵۷	پیام	شرف الدین علی خاں دہلوی	۴۸
۵۸	بکھاری	بکھاری نعل دہلوی	۴۹
۵۹	بیزنگ	دلاور خاں	۵۰
۶۰	بیگل	سید عبدالوہاب دولت آبادی	۵۱
۶۱	بتیاب	محمد اسماعیل دہلوی	۵۲
۶۲	بتیاب	سنو کھ رائے	۵۳
۶۳	بتیاب	محمد علیم اللہ آبادی	۵۴
۶۴	پاکباز	میر صلاح الدین	۵۵
۶۵	بقا	بقا اللہ	۵۶
۶۶	بیدار	میر محمدی	۵۷
۶۷	پروانہ	سید پروان علی مراد آبادی	۵۸
۶۸	پروانہ	راجہ حبوت سنگھ	۵۹
۶۹	بسمل		۶۰
۷۰	بسمل	گدا علی بیگ	۶۱
۷۱	بسمل	سید جبار علی	۶۲

حرف رت

۷۲	تانا شاہ	ابوالحسن	۷۳
۷۳	تاباں	میر عبدالحی	۷۴
۷۴	تمکین	میر صلاح الدین دہلوی	۷۵

۸۶	سید محمد تقی دہلوی	تقی -	۷۵
//		تصور	۷۶
//	شاہ جواد علی مرشد آبادی	تصویر	۷۷
۸۷	خواجہ محمد علی عظیم آبادی	تمت	۷۸

حرف (ث)

۸۷	- - -	شہاب الدین دہلوی	ثاقب -	۷۹
//	- - -	شجاعت اللہ خاں	ثابت -	۸۰
//	- - -	اصالت خاں	ثابت -	۸۱

حرف (ج)

۸۸	مرزا جوان نخت	جہاندار -	۸۲
۹۰	یحییٰ اماں قلندر بخش	جرات	۸۳
۹۳	کاظم علی دہلوی	جوان	۸۴
//	شیخ محمد روشن	جوشش	۸۵
۹۹	مرزا احمد علی دہلوی	جوہر	۸۶
//	ہر دیرام مرشد آبادی	جودت	۸۷
۱۰۰	میر شیر علی	جرات	۸۸
//	میر رمضان علی	جولان	۸۹
//	میاں جگنو	جگنو	۹۰
۱۰۱			جان عالم	۹۱

۹۲	جنون	دہلوی	-	-	۱۰۱
۹۳	جنون	شیخ غلام مرتضیٰ آبادی	-	-	//
حرف (ح)					
۹۴	حاتم -	شیخ ظہور الدین دہلوی	-	-	۱۰۲
۹۵	حشت	میر مختتم علی خاں	-	-	۱۰۳
۹۶	حشت	محمد علی	-	-	۱۰۴
۹۷	حنین	میر محمد باقر دہلوی	-	-	//
۹۸	حیدر	غلام حیدر	-	-	۱۰۶
۹۹	حیدر	میر حیدر علی شاہ دکنی	-	-	//
۱۰۰	حبیب اللہ		-	-	//
۱۰۱	حیرت	مراد علی مراد آبادی	-	-	۱۰۷
۱۰۲	حسرت	مرزا جعفر علی دہلوی	-	-	//
۱۰۳	حیران	میر حیدر علی دہلوی	-	-	۱۰۹
۱۰۴	حیدری	غلام علی دہلوی	-	-	۱۱۰
۱۰۵	میر حامد		-	-	//
۱۰۶	حضور -	دہلوی	-	-	۱۱۱
۱۰۷	حسرت	ہدیت قلی خاں عظیم آبادی	-	-	//
۱۰۸	حضور	شیخ غلام یحییٰ	-	-	۱۱۴
۱۰۹	حسن	میر محمد حسن دہلوی	-	-	۱۱۵
۱۱۰	حسن	میر محمد حسن	-	-	//

۱۱۵	خواجہ حسن دہلوی	حسن	۱۱۱
۱۱۸	غلام حسن دہلوی	حسن	۱۱۲
۱۲۳	موتی العسل	حیف	۱۱۳

حرف (خ)

۱۲۴	محمد یار خاں دہلوی	خاکر	۱۱۴
۱۲۵	مرزا ظہور علی دہلوی	خلیق	۱۱۵
۱۲۶	خادم حسین خاں عظیم آبادی	خادم	۱۱۶

حرف (د)

۱۲۷	خواجہ میر دہلوی	درد	۱۱۷
۱۲۸	شیخ فضل علی شاہ وانا دہلوی	دانا	۱۱۸
۱۲۹	میر کرم اللہ خاں	درد	۱۱۹
۱۳۰	فقیر صاحب	دردمند	۱۲۰
۱۳۱	غلام محمد ہبیری	دوست	۱۲۱
۱۳۲	شیخ محمد عابد عظیم آبادی	دل	۱۲۲
۱۳۳	راے سرب سنگھ	دیوانہ	۱۲۳
۱۳۴	داؤد بیگ	داؤد	۱۲۴
۱۳۵	شاہ فتح محمد	دل	۱۲۵
۱۳۶	منگو بیگ	درخشاں	۱۲۶

صفحہ

نمبر

حرف (ذ)

۱۳۴	"	"	"	میر مستعد	ذہین	۱۲۷
//	"	"	"	حسین دوست مراد آبادی	ذاکر	۱۲۸

حرف (ر)

۱۳۵	"	"	"	شاہ حمزہ علی دہلوی	رند	۱۲۹
//	"	"	"	محمد جعفر خاں دہلوی	راغب	۱۳۰
۱۳۶	"	"	"	شیخ محمد رفیع	رفت	۱۳۱
//	"	"	"	مہتاب رائے	رسوا	۱۳۲
//	"	"	"	"	رساے	۱۳۳
۱۳۷	"	"	"	محمد جاوید	رخشاں	۱۳۴
//	"	"	"	میر محمد رضا عظیم آبادی	رضا	۱۳۵
//	"	"	"	مرزا علی رضا	رضا	۱۳۶
//	"	"	"	"	رضا	۱۳۷
//	"	"	"	بندربان	راقم	۱۳۸
۱۳۸	"	"	"	"	رنگین	۱۳۹
//	"	"	"	مرزا امان بیگ	رنگین	۱۴۰
//	"	"	"	"	رشید	۱۴۱
//	"	"	"	سید رضی خاں	رضی	۱۴۲
//	"	"	"	رستم علی خاں احتشام الدولہ دہلوی	رستم	۱۴۳

نمبر شمار	رخصت	میر قدرت اللہ خاں دہلوی	نمبر شمار
۱۴۴	رند	قمران خاں	۱۴۵
حرف (ز)			
۱۴۶	زکی	جعفر علی خاں دہلوی	۱۴۰
۱۴۷	زار	مغل بیگ	۱۴۱
۱۴۸	زار	میر منظر علی دہلوی	۱۴۲
حرف (س)			
۱۴۹	سودا	مرزا محمد رفیع	۱۴۱
۱۵۰	سوز	سید محمد دہلوی	۱۵۱
۱۵۱	سوزاں	احمد علی خاں شوکت جنگ	۱۵۸
۱۵۲	سجاد	میر سجاد اکبر آبادی	۱۵۹
۱۵۳	سراج	میر سراج الدین اورنگ آبادی	۱۶۰
۱۵۴	سیلمان	میر ناصر جون پوری	۱۶۱
۱۵۵	سامان	میر سعادت علی خاں اہروہوی	۱۶۲
۱۵۶	سعادت	میر امام الدین دہلوی	۱۶۳
۱۵۷	سید	میر یادگار علی	۱۶۴
۱۵۸	سید	میر حسین علی	۱۶۵
۱۵۹	ساقی	خلیفہ سکندر	۱۶۶

۱۶۲	میر محمد سلیم عظیم آبادی	سلیم	۱۶۱
			حرف (ش)		
۱۶۳	شاہ قلی خاں دکنی	شاہی	۱۶۲
..	محمد شاکر	شاکر	۱۶۳
..	میر شاہ علی خاں دہلوی	میر شاہ علی	۱۶۴
۱۶۴	میر غلام حسین عظیم آبادی	شورش	۱۶۵
۱۶۵	حکیم یار علی	شفاف	۱۶۶
..	میر گلکو	شاعر	۱۶۷
..	میر فتح علی	شیدا	۱۶۸
۱۶۶	حسین حسن علی	شوق	۱۶۹
..	لالہ خوشوقت رائے	شاراب	۱۷۰
..	میرزا محمد علی دہلوی	شہرت	۱۷۱
..	امین الدین خاں جہان آبادی	شافی	۱۷۲
..	غلام حسین غازی پوری	شہید	۱۷۳
..	میر محمدی	شریف	۱۷۴
۱۶۷	میر محمد شفیع	شفیع	۱۷۵
			حرف (ص)		
۶۷	خانہ وران خواجہ محمد عالم	صمصام الدولہ	۱۷۶
..	مغل خاں	صنعت	۱۷۷

۱۶۸	حیدر آبادی	صفدری	۱۶۸
//	"	"	"	میر جعفر خاں دہلوی	صادق	۱۶۹
//	"	"	"	میر محمد علی فیض آبادی	صبر	۱۸۰
//	"	"	"	نظام الدین احمد بکرامی	صانع	۱۸۱
حرف (ض)						
۱۶۰	..	"	"	سید ہدایت علی خاں دہلوی	ضمیر	۱۸۲
۱۶۱	..	"	"	میر ضیاء الدین دہلوی	ضیاء	۱۸۳
۱۶۲	..	"	"	میر غلام حسین دہلوی	ضاحک	۱۸۴
حرف (ط)						
۱۶۲	..	"	"	دہلوی	طیش	۱۸۵
//	"	"	"	شمس الدین	طالع	۱۸۶
//	"	"	"	گردہاری نعل	طرز	۱۸۷
حرف (ظ)						
۱۶۳	..	"	"	خواجہ محمد خاں	ظاہر	۱۸۸
//	"	"	"	لالہ شیونگہ دہلوی	ظہور	۱۸۹
حرف (ع)						
۱۶۳	..	"	"	سید عبدالولی سورتی	عزت	۱۹۰

۱۶۶	"	"	"	محمد عارف اکبر آبادی	عارف	۱۹۱
"	"	"	"	شاہ رکن الدین دہلوی	عشق	۱۹۲
۱۶۸	"	"	"	سیتا رام کشمیری	عمدہ	۱۹۳
۱۶۹	"	"	"	نور محمد برہان پوری	عاصی	۱۹۴
"	"	"	"	عارف علی خاں اکبر آبادی	عاجز	۱۹۵
"	"	"	"	معتبر خاں دکنی	عمر	۱۹۶
"	"	"	"	مرزا محمد عسکری	عیش	۱۹۷
۱۸۰	"	"	"	بھکاری داس	غزیر	۱۹۸
"	"	"	"	محمد عظیم	عظیم	۱۹۹
۱۸۱	"	"	"	میر محمد سخی	عاشق	۲۰۰
"	"	"	"	علی اعظم خاں	عاشق	۲۰۱
"	"	"	"	میر برہان الدین	عاشق	۲۰۲
"	"	"	"	نشتی عجائب راے	عاشق	۲۰۳

حرف (غ)

۱۸۱	"	"	"	سردار اللہ خاں دہلوی	غالب	۲۰۴
۱۸۲	"	"	"	میر تقی دہلوی	غریب	۲۰۵

حرف (ف)

۱۸۲	"	"	"	میر شمس الدین دہلوی	فقیر	۲۰۶
۸۲	"	"	"	اشرف علی خاں دہلوی	فناں	۲۰۷

نمبر	صفحہ	نمبر	صفحہ
۱۸۵	۲۰۸	فارغ دہلوی	۲۰۸
۱۸۶	۲۰۹	شاہ فضل علی دکنی	۲۰۹
۱۸۷	۲۱۰	افضل الدین صاحب دکنی	۲۱۰
۱۸۸	۲۱۱	شیخ فرحت اللہ	۲۱۱
۱۸۹	۲۱۲	میر فرخ دہلوی	۲۱۲
۱۹۰	۲۱۳	میر مرتضیٰ علی خاں دکنی	۲۱۳
۱۹۱	۲۱۴	میاں شنار اللہ خاں دکنی	۲۱۴
۱۹۲	۲۱۵	سید امام الدین دہلوی	۲۱۵
۱۹۳	۲۱۶	مرزا الف بیگ الہ آبادی	۲۱۶
۱۹۴	۲۱۷	مرزا محمد علی دہلوی	۲۱۷
۱۹۵	۲۱۸	لاہوری	۲۱۸
۱۹۶	۲۱۹	میر فتح الدین	۲۱۹
۱۹۷	۲۲۰	میر علی اکبر	۲۲۰
۱۹۸	۲۲۱	میر فیض علی دہلوی	۲۲۱
۱۹۹	۲۲۲	لالہ صاحب رائے	۲۲۲
حرف (ق)			
۱۹۱	۲۲۳	شیخ محمد قائم	۲۲۳
۱۹۲	۲۲۴	عبد الغنی بیگ	۲۲۴
۱۹۳	۲۲۵	محمد قدر دہلوی	۲۲۵
۱۹۴	۲۲۶	قسمت	۲۲۶

۱۹۶	لالہ بدہ سنگہ	۲۲۷	قلندہ
..	میر جبین	۲۲۸	قربان
..	مرزا محمد بیگ لاہوری	۲۲۹	قناعت
۱۹۸	شاہ قدرت اللہ دہلوی	۲۳۰	قدرت

حرف (ک)

۲۰۵	شیخ محمد حسین دہلوی	۲۳۱	کلیم
۲۰۶	دہلوی	۲۳۲	کترین
۲۰۷	دہلوی	۲۳۳	شاہ کامل -
..	میر علی نقی دہلوی	۲۳۴	کافر -
..	میر علی امجد دہلوی	۲۳۵	گرایاں
..	نذر علی خان دہلوی	۲۳۶	گمان

حرف (ل)

۲۰۸	۲۳۷	لطفی - دکھنی
..	میر کلیم اللہ	۲۳۸	سان

حرف (م)

۲۰۸	میر محمد تقی	۲۳۹	میر
۲۱۶	جان جانان	۲۴۰	منظہر
۲۱۸	دکھنی	۲۴۱	محقق

۲۱۸	محمد مرزئی	مرزئی	۲۲۲
۱۱	رائے انند رام	مخلص	۲۲۳
۱۱	راجہ رام نراین عظیم آبادی	موزوں	۲۲۴
۲۱۹	..	منعم	۲۲۵
۱۱	..	میسرہ مدوالہ	۲۲۶
۱۱	شیخ شرف الدین	مضمون -	۲۲۷
۲۲۱	سید محمد حسین	مخزوں	۲۲۸
۱۱	محمد حسن اکبر آبادی	محسن	۲۲۹
۲۲۲	دہلوی	مستند -	۲۵۰
۱۱	مخلص علی خاں مرشد آبادی	مخلص	۲۵۱
۲۲۵	محمدی، دہلوی	مائل	۲۵۲
۱۱	میر ہدایت علی عظیم آبادی	مائل	۲۵۳
۱۱	لالہ بخت مل عظیم آبادی	مکین	۲۵۴
۱۱	خواجہ بخش اللہ آبادی	منتظر	۲۵۵
۲۲۶	محمد علی خاں	مرزائی	۲۵۶
۱۱	بریل الزماں خاں	مخلص	۲۵۷
۱۱	کشمیری	مخشبہ	۲۵۸
۱۱	کاکھم علی آبادی	منقون	۲۵۹
۱۱	مرزا غلام حیدر دہلوی	مجزوب	۲۶۰
۲۲۷	خواجہ محمد محترم دہلوی	محتسم	۲۶۱
۱۱	سید امام الدین خاں	مضمون	۲۶۲

نمبر صفحه			نمبر شمار	مصحفی
۲۲۶	۲۶۳	شیخ غلام بهرانی
۲۲۸	۲۶۴	شیخ ولی الله دهلوی
=	۲۶۵	غلام امجد
۲۲۹	۲۶۶	نشی ارغشن چند
=	۲۶۷	مرزا حسین علی بیگ دهلوی
=	۲۶۸	سببلی
=	۲۶۹	نواب محبت خاں
۲۳۲	۲۷۰	نواب مرزا دهلوی
=	۲۷۱	مرزا علی رضا دهلوی
۲۳۵	۲۷۲	شاه مجنون
=	۲۷۳	حمایت علی
=	۲۷۴	شیخ معین الدین بدایونی
=	۲۷۵	میر عوض علی دهلوی
۲۳۶	۲۷۶	میر بنی خان
=	۲۷۷	شاه غلام قطب الدین الہ آبادی
=	۲۷۸	حافظ فضل علی دهلوی
=	۲۷۹	میر حسن دهلوی
۲۳۷	۲۸۰	محمد قلی خاں عظیم آبادی
=	۲۸۱	میر قمر الدین دهلوی
۲۴۰	۲۸۲	رام جس
۲۴۱	-	..	۲۸۳	حروف (ن) محمد شاکر

۲۸۴	نظام	نواب عماد الملک غازی الدین خاں	۲۸۴
۲۸۵	نقیم	نقیم اللہ دہلوی	۲۸۵
۲۸۶	میر غلام نبی بگرامی	..	۲۸۶
۲۸۷	نشار	میر عبدالرسول اکبر آبادی	۲۸۷
۲۸۸	نشار	سدا سکھ دہلوی	۲۸۸
۲۸۹	نقیم	شیخ علی قلی دہلوی	۲۸۹
۲۹۰	نادر	دہلوی	۲۹۰
۲۹۱	نالاں	میر احمد علی دہلوی	۲۹۱
۲۹۲	نالاں	میر وارث علی عظیم آبادی	۲۹۲
۲۹۳	نجات	شیخ حسن رضا دہلوی	۲۹۳
۲۹۴	نزارہ	خواجہ محمد اکرم	۲۹۴
۲۹۵	نالاں	محمد عسکر علی خاں دہلوی	۲۹۵
حرف (و)			
۲۹۶	ولی	شاہ ولی اللہ دکنی	۲۹۶
۲۹۷	ولایت	میر ولایت اللہ خاں دہلوی	۲۹۷
۲۹۸	وارث	محمد وارث الہ آبادی	۲۹۸
۲۹۹	ولی	مرزا محمد ولی دہلوی	۲۹۹
۳۰۰	وفا	لالہ نزل راے	۳۰۰
۳۰۱	وحشت	میر ابو الحسن دہلوی	۳۰۱
۳۰۲	وحشت	میر بہادر علی	۳۰۲

۲۵۲	شاه واقف دهلوی	واقف	۳۰۳
۲۵۳	مرزا اسحاق	وصل	۳۰۴
//	میر محمد علی	دہم	۳۰۵
//	میر مبارک علی دهلوی	والد	۳۰۶

حرف (۵)

۲۵۴	شیخ ہدایت اللہ دهلوی	ہدایت	۳۰۷
۲۵۸	دہلوی	ہادی	۳۰۸
//	میر محمد اعظم	ہویدا	۳۰۹
۲۵۹	ہدایت علی	ہدایت	۳۱۰
//	عظیم آبادی	ہمد	۳۱۱
//	دہلوی	میر ہنگام	۳۱۲
//	مرزا محمد	ہاتف	۳۱۳

حرف (۶)

۲۵۹	انعام اللہ خاں دهلوی	یقین	۳۱۴
۲۶۱	مصطفیٰ قلی خاں دهلوی	یک رنگ	۳۱۵
۲۶۲	حکیم یونس	یونس	۳۱۶
//	عبدالوہاب	یکرو	۳۱۷
۲۶۳	میر احمد دهلوی	یار	۳۱۸
//	حسن علی خاں	یاس	۳۱۹
//	خضر دهلوی	ابوالحسن	۳۲۰

مقدمہ

بر تذکرہ گلشن ہند

(از مولوی عبدالحق صاحب بی اے پرنسپل مدرستہ اصفیہ حیدرآباد دکن)

—•—•—•—

یہ کتاب شعراء اردو کا قابل قدر و نایاب تذکرہ ہے اتفاق زمانہ سے ایک ایسے نیک نسل اور باہمت شخص کے ہاتھ لگ گیا جس نے باوجود بے بضاعتی کے چھپوانے کا تہیہ کیا اور مجھ سے کتاب پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی۔ میں خود بے بضاعت تاہم اس فرمائش کو جو انھوں نے دلی شوق سے کی تھی ٹال نہ سکا اور بسر و چشم قبول کیا۔

حقیقت اس کتاب کی یہ ہر کہ نواب وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاہ کے عہد اور

امیر الممالک لارڈ وارن ہیس ٹنگز، گورنر جنرل کے زمانے میں، علی ابراہیم خاں نے ایک تذکرہ شعرائے ہند کا فارسی میں لکھا، اور اس کا نام گلزار ابراہیم رکھا تھا۔ کہہ کی بارہ برس کی محنت میں ۱۱۹۵ھ ہجری مطابق ۱۷۸۲ء عیسوی میں جا کر ختم ہوا۔ اتفاق سے یہ تذکرہ اردو کے بڑے قدر دان اور محسن مسٹر گلگرسٹ کی نظر سے گزرا۔ انہوں نے مولف تذکرہ ہذا سے فرمائش کی کہ اگر اس کا ترجمہ سلیس اردو میں ہو جائے تو بہت خوب ہو۔ ان کا منشا اس سے یہ تھا کہ انگریزی سے پڑھ سکیں اور ان میں اردو زبان اور شاعری کا ذوق پیدا ہو جائے۔ اس طرح یہ کتاب اردو میں لکھی گئی۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ تراجم ہے بلکہ مترجم نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے حالات میں بھی اور کلام میں بھی جس سے بالکل نئی صورت پیدا ہو گئی ہے اور ایک تالیف کی حیثیت ہو گئی ہے۔

یہ تالیف اس زمانے میں ہوئی جب کہ دلی میں شاہ عالم بادشاہ اور لکھنؤ میں نواب سبھا علی خاں رونق بخش مندر حکومت تھے۔ بادشاہ تو ایک بے بسی اور بے کسی کی حالت میں تھے اور نام کے

علی ابراہیم خاں متخلص بہ علی، مشہور راویب اور مورخ ہیں۔ پٹنہ کے رہنے والے تھے اور بعد گورنر جنرل لارڈ کارنوالس بنارس میں چیف مجسٹریٹ اور بعد ازاں گورنر رہے اور شاہ ۱۱۹۵ھ ہجری میں دہلی انتقال کیا ان کی مشہور تصانیف: (۱) گلزار ابراہیم، تذکرہ شعرائے اردو جو شاہ عالم کی بادشاہت آصف الدولہ کی وزارت اور داران میں ٹنگز گورنر جنرل دہلی ۱۱۹۵ھ میں لکھا، اور جس پر میرزا علی لطف نے اپنے اس تذکرہ گلشن ہند کی بنیاد رکھی۔

(۲) خلاصۃ الکلام اور محف ابراہیم۔ یہ دونوں فارسی شعرا کے تذکرے ہیں۔

(۳) وقائع جنگ مرہٹہ۔ یہ کتاب بعد لارڈ کارنوالس سنہ ۱۱۹۵ھ ہجری میں لکھی گئی۔ اس میں سنہ ۱۱۹۳ھ تک کے حالات درج ہیں۔ میرزا نے انگریزی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں بڑی خوبی سے مرہٹوں کے حالات لکھے گئے ہیں اور اپنی ہی جنگ کا حال ایک ایسے شخص سے لے کر لکھا گیا جس نے اپنی آنکھوں پر جنگ دیکھی تھی۔

(۴) ایک کتاب میں رجحیت ننگوالی بنارس کے بغاوت کے حالات لکھے ہیں۔ یہ واقعہ خود مصنف کے زمانے کا ہے مگر جو کہ اس کتاب کے شروع میں ہی یہ فقرہ لکھا ہے کہ ”من کہ علی ابراہیم خاں کیے از خیر خواہان کہنی انگریز ام“ لہذا کسی قدر بر گمانی ہوتی ہے۔

(۵) خطوط، جو برٹش میوزیم کی لائبریری میں محفوظ ہیں اور جس سے اس زمانے کے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

بادشاہ رہ گئے تھے، البتہ پورب کی طرف سے ایک جھلکی دکھائی دی۔ دلی کے اہل کمال اپنے وطن سے منہ موڑا اسی طرف ہوئے۔ یہ قدر دانی کے بھوکے تھے، قدر ہوتے جو دیکھی تو وہیں کے ہو رہے۔ سب سے زیادہ شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔ بچہ بچہ شاعری کا دم بھرتا تھا۔ ادھر کے اساتذہ جو پہنچے تو انہوں نے وہ رنگ بجایا کہ سب رنگ پھیکے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ نواب سعادت علی خاں جیسا عالی دماغ، متین، منتظم اور کام کرنے والا شخص بھی اس کے اثر سے نہ بچا۔ باوجود اس کے انشاء اللہ خاں نے جو ہزار پھلڑوں کا ایک پھلڑا تھا، آخر انھیں اپنی گوں نہ دیکھ کر کہہ ہی دیا یہ ”میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہر قطع میرا تیرا میں نہیں“

کہتے ہیں کہ یہ اردو شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔ بے شک لیکن یہ ایک ایسا عروج تھا جس کے ایک رخ پر عروج اور دوسرے رخ پر زوال کی تصویر نظر آتی تھی۔ عروج تو اس لئے کہ زبان روز بروز منہ جھتی جاتی تھی اور صاف اور شستہ ہوتی جاتی تھی اور زوال اس لئے کہ فن شاعری میں صرف فارسی والوں کی تقلید کی جاتی تھی اور تقلید بھی ناقص۔ اس کے بعد اور لوگ جو پیدا ہوئے وہ بھی اسی ڈگر پر ہوئے۔ شاعری بس اسی کا نام رہ گیا تھا کہ بندش چست ہے، قافئے کو اچھی طرح نباہ دیا، ایک آدھ محاورہ آگیا، کسی نئی یا سنگلاخ زمین میں غزل کہہ دی، کبھی کبھار ڈرتے ڈرتے سال دو سال میں کسی نئی تشبیہ یا استعارے کا استعمال ہو گیا۔ رہا مضمون، سودا کے فضل سے اس میں برکت ہی برکت تھی، اور اب بھی وہی حال ہے۔ مضمون تو مضمون تشبیہات تک مقررہ ہیں اور اب تک وہی استعمال ہوتی چلی آتی ہیں کسی نئی تشبیہ کا لکھنا بڑی بہادری اور جرأت کا کام ہے، کیوں کہ ہمارے نکتہ سنج شاعر اس کے لئے سزا طلب کرتے ہیں۔ جیسے کوئی قافون داں کسی فوجداری جرم میں تغریات ہند کی دفعہ تلاش کرتا ہے اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ان شعرا کی محنت سے زبان صاف ہو گئی، لیکن اپنی شاعری کی طرح

ٹھہر کے رہ گئی اور جو حصار کہ ہمارے نعر گو شعر نے اس کے گرد باندھ دیا تھا اس سے آگے قدم نہ رکھ سکی۔ اس سے بڑھ کر محمد و دہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ شاعری کا دعویٰ ہزاروں کے استاد ہیں مگر خط و کتابت فارسی میں کرتے ہیں، دیوان اُردو ہے، مگر مقدمہ فارسی میں لکھا ہے۔ کوئی معاملہ اُڑا اٹھا مطلب فارسی میں ہوتا ہے اُردو میں نہیں، کسی طبیب کے پاس جائے نسخہ فارسی میں ہے (اور یہ اب تک رائج ہے) سرکاری دفاتر میں فارسی رائج ہے، یہاں تک کہ خط کی مشق کے لئے بھی شعر لکھے جاتے ہیں تو فارسی، اب اُردو کو وسعت ہو تو کیوں کر۔

لیکن ایک قوم جو سات سمندر پار سے آئی تھی اور جس کا تسلط اس وقت ہندوستان پر اس طرح بڑھتا چلا جاتا تھا، جیسے ساون بھادوں کی گھٹا آسمان پر چھا جاتی ہے، اس نے اُردو کی دستگیری کی اور وہ اس لئے کہ ہندوستان سے واقف ہونے اور یہاں کی مہذب و سوسائٹی میں ملنے جلنے کے لئے اس کا جانا ضروری تھا۔ دوسرے یہ زبان ریاست کی گود میں ملی تھی جہاں جہاں اُس وقت بھی مغلیہ حکومت کے آثار تھے، اسی کا دور دورہ تھا۔ علاوہ اس کے ہندوستان کی جدید زبانوں میں سب سے زیادہ ہونا نظر آئی۔ اس لئے انھوں نے اس کی سرپرستی کی بڑا احسان ڈاکٹر جان گلکریسٹ کا ہے جس نے انیسویں صدی کے شروع میں، بمقام فورٹ ولیم کالج اس کا ایک محکمہ قائم کیا، جس کا ابتدائی اور اصلی مقصد یہ تھا کہ جو انگریز یہاں ملازمت اختیار کرتے ہیں ان کی تعلیم کے لئے اُردو کی مناسب اور مفید کتابیں تالیف کرائی جائیں اور غالباً اسی شخص کا احسان ہے کہ بجائے فارسی کے اُردو زبان دفتر کی زبان قرار پائی۔ یہ عجیب واقعہ ہے اور یاد رکھنے کی بات ہے کہ فارسی جو مسلمان فاتحوں کی چھٹی زبان تھی، ایک ہندو راجہ ٹوڈرمل کی کوشش سے دفاتر میں اہل ہوئی، اور دوسرے دو میں اُردو نے ایک انگریز کی وساطت سے دربار سرکار میں رسائی پائی۔ اس شخص نے اس وقت کے قابل قابل لوگ ہم بچپائے اور مختلف کتابیں لکھوانا شروع کیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اردو نثر کا لکھنا اسی وقت سے شروع ہوا، اور بلا مبالغہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو احسان قرنی نے اردو نظم پر کیا تھا، اس سے زیادہ نہیں تو اسی قدر احسان جان گلبرسٹ نے اردو نثر پر کیا ہے۔

چوں کہ یہ تذکرہ بھی اسی نامور اور قابل شخص کی تحریک سے لکھا گیا تھا، لہذا اس مقام پر مختصراً یہ بیان کرنا کہ اس کی نگارانی میں یا اور انگریزوں کی سعی سے کیا کیا کام ہوا، اور اردو زبان میں کس قدر اضافہ ہوا، نامناسب نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں سب سے اول سید محمد حیدر بخش حیدری قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے ۱۸۷۱ء میں توڑا کہانی لکھی، جو اصل میں انھوں نے طوطی نامہ کو اپنی زبان میں لکھا ہے۔ طوطی نامہ ابنی طوطی عبداللہ قطب علی شاہ کے زمانے میں، دکنی زبان میں لکھا تھا، مگر فاذا اس کا ایک سنسکرت کتاب ہے۔ آرائش محفل یعنی مشہور قصہ حاتم بھی جواب تک عوام میں دل چسپی سے پڑھا جاتا ہے، انھیں کا لکھا ہوا ہے۔ ایک کتاب گل مغفرت یا دہ مجلس مسلمانوں کے اولیاء اللہ کے حالات میں بھی لکھی ہے۔ فارسی کی مشہور کتاب بہار دانش کا بھی اردو ترجمہ کیا ہے۔ جس کا نام گلزار دانش ہے۔ ایک اور کتاب تاریخ نادری اردو میں لکھی، یہ کسی فارسی تاریخ کا ترجمہ ہے۔

دوسرے صاحب میر بہادر علی حسینی ہیں انھوں نے میر حسن دہلوی کی مشہور و معروف مثنوی سحرالبیان (قصہ بدر منیر و بے نظیر) کو اردو نثر میں کیا ہے اور اس کا نام نثر بے نظیر رکھا ہے اور ایک کتاب اخلاق ہندی کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب کا ماخذ فارسی کتاب فخر العقول ہے جو اصل میں سنسکرت سے لی گئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ۱۸۷۲ء میں لکھی گئی تھیں۔

میرامن دہلوی سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ احمد شاہ درانی کے زمانے میں جو دلی پرافت تویہ وطن کو چھوڑ کر بیٹن میں آ رہے، یہاں سے ۱۸۷۱ء میں گلکٹہ پہنچے۔ بلغ و بہار کی وجہ سے

ان کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہ کتاب ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی ہے اور انیسویں صدی کے آغاز میں دہلی کی جو زبان تھی اس کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کتاب کا ماخذ امیر خسرو کی چار درویش ہے۔ میرامن نے امیر خسرو کی تصنیف سے ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اس سے بیشتر ایک صاحب تحسین نامی ساکن آٹاؤں نے اسے امیر خسرو کی کتاب سے ترجمہ کیا تھا اور اس کا نام نو طرز مرصع رکھا تھا۔ میرامن نے اخلاق محسنی کے متن میں ایک کتاب گنج خوبی بھی اسی زمانے میں لکھی۔ حفیظ الدین احمد نو طرز ویم کالج میں پروفیسر تھے۔ ۱۸۷۱ء میں انھوں نے علامی ابو الفضل کی کتاب عیار دانش کا ترجمہ اردو میں کیا اور غرور افروز اس کا نام رکھا۔ اصل کتاب سنسکرت میں ہے اور عربی میں کلیا دمنہ نام سے مشہور ہے۔

میر شیر علی افسوس بھی اسی سلسلے میں ممتاز شخص ہیں۔ پہلی کے رہنے والے تھے۔ گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے بہت سے انقلابات کے بعد نواب سالار جنگ اور پھر ان کے بیٹے نوازش علی خاں کے ہاں ملازم رہے اور جب یہ شیرازہ بکھر گیا تو صاحب عالم عالمیاں مرزا جو ان بخت جہاں نر شاہ کے متوس ہو گئے۔ مگر جب شہزادہ عالم کا کو بیج شاہ جہاں آباد کی طرف ہوا تو یہ ساتھ نہ جاسکے اور نواب سرفراز الدولہ بہادر کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرنے لگے۔ تلذذ ان کو میر حیدر علی حیراں سے ہے اور بعض کا قول ہے کہ میر درد اور میر سوز کے شاگرد ہیں۔ اتنے میں صاحب عالی شان۔ بارلو صاحب نے مسٹر گلکرسٹ کے مشورے سے زبان انان ریختہ کو لکھنے سے طلب فرمایا، چنانچہ لکھنے کے ریڈنٹ مسٹر اسکاٹ نے میر شیر علی افسوس کو انتخاب کیا اور دو سو روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کر کے پانسہ روپے خرچ زاد دیا اور کلکتہ روانہ کیا۔ ۱۸۷۱ء میں کلکتہ پہنچے اور نو برس بعد انتقال کر گئے۔ یہاں انھوں نے ایک قابل قدر کتاب آرائش محفل لکھی، جس میں ہندوستان کے مختلف حالات درج ہیں۔ اس کتاب کا ماخذ

سبحانِ رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ ہر اور مرے سے سال بھر پہلے یعنی سنہ ۸۰۸ء میں سعدی کی گلستان کا ترجمہ بارغِ اردو کے نام سے اردو میں کیا۔

نہال چند نے سنہ ۸۰۸ء میں مثنوی گل بکاولی کو اردو نثر میں لکھا اور نام اس کا مذہب عشق رکھا۔ کاظم علی جوان بھی دہلی کے تھے، بعد ازاں لکھنؤ میں آئے، اور وہاں سے سنہ ۱۸۰۷ء میں کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں آئے۔ انھوں نے سنہ ۱۸۰۷ء میں شکنتلا کا قصہ اردو میں لکھا۔ نوار کیسین نے جو بیج بھاکا میں (سنہ ۱۸۰۶ء) شکنتلا کی کہانی لکھی تھی، اس کا یہ ترجمہ ہے۔ انھوں نے ایک بارہ ما بھی لکھا ہے اور اس میں ہندو مسلمانوں کے توبہ کاروں کا ذکر ہے، جس کا نام دستور ہند ہے اور جو سنہ ۱۸۱۲ء میں چھپا۔

اکرام علی نے سنہ ۱۸۰۸ء میں رسائلِ اخوانِ اصفاء میں سے ایک رسالے کا ترجمہ عربی سے اردو میں کیا، جس میں شاہ اجنہ کے سامنے انسان و حیوان کا جھگڑا پیش ہے کہ ہم دونوں میں کون افضل ہے۔ یہ من جملہ اُن رسائل کے ہے جو بغداد کی مشہور سو سائٹی اخوانِ اصفاء کے اہتمام سے لکھے گئے تھے۔

سری لالو گجرات کا برہمن تھا جو شمالی ہند میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس نے فورٹ ولیم کالج کی نگرائی میں ہندی کی بعض کتابیں مثلاً پریم ساگر، راج منتی و لطائفِ ہندی ترجمہ کیا تاہم کیں سنگھاسن سبسی، سری لالو اور جوان نے مل کر سنہ ۱۸۰۸ء میں لکھی جو آدھی اردو آدھی ہندی ہے۔

منظمر علی ولانے بنیاں پچھپی لکھی، جو مضمون اور زبان کے لحاظ سے سنگھاسن سبسی کے مثل ہے۔ اور نیز دلا کی مدد سے قصہ مادھونال کو بیج بھاکا سے اردو میں ترجمہ کیا۔

علاوہ اس کے خود گلگرسٹ نے سنہ ۱۸۰۸ء میں اردو کی ایک لغت لکھی۔ زبان کے بعض

قواعد لکھے اور مختلف طرح سے اردو زبان کی خدمت کی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر گلکرسٹ سے
 اول بھی ایک شخص ڈرگن نامی نے اردو کی ایک لغت لکھی تھی جو لندن میں ۱۷۳۳ء میں طبع ہوئی
 مگر چونکہ وہ بالکل ناکافی تھی، جنرل ولیم کرک پیٹرک نے ایک ڈکشنری لکھنے کا ارادہ کیا،
 جس کے انھوں نے تین حصے کئے، مگر اس کا ایک ہی حصہ طبع ہونے پایا۔ اس حصے میں انھوں نے
 وہ الفاظ لئے ہیں جو عربی فارسی سے ہندی میں آگئے ہیں۔ باقی دو حصوں کے طبع کرنے کے لئے
 انھیں ناگہری ٹائپ کا انتظار تھا وہ جلد تیار نہ ہو سکا اور کتاب ناقص رہ گئی۔ یہ ایک حصہ لندن
 میں ۱۷۳۸ء میں طبع ہوا۔ لندن سے جب یہ واپس آئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر گلکرسٹ بھی اسی کام میں
 لگے ہوئے ہیں، تو چاہا کہ دونوں مل کر اسے انجام دیں، مگر چونکہ ان کو اور بہت سے کام
 کرنے تھے، اس لئے تھوڑے دنوں کے بعد وہ الگ ہو گئے اور ڈاکٹر گلکرسٹ تنہا یہ کام کرتے رہے۔
 ڈاکٹر صاحب نے ایک حصہ انگریزی ہندوستانی لغت کا تیار کر کے ۱۷۹۸ء میں چھاپ دیا۔
 مگر دوسری جلد ہندوستانی انگریزی لغت ختم نہ کر سکے علاوہ ان تمام وقتوں کے جن سے وہ
 گھبرا گئے تھے، ایک دقت یہ بھی تھی کہ خریدار ہم نہ پہنچے۔ صرف شرعاجوں نے خریداری منظور کی۔
 حالانکہ خرچ کا اندازہ کم سے کم چالیس ہزار روپیہ کا کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو
 نہایت حسرت کے ساتھ خیر باد کہا۔ اس کے بعد بحر دیو ڈائمن رچرڈسن سپرنٹنڈنٹ وکٹوریٹ
 ملٹری ایکاڈمی نے اردو لغت لکھنے شروع کی، مگر افسوس کہ اس کا بھی وہی حشر ہوا اور طبع
 ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اس کے بعد ۱۸۷۸ء میں ڈاکٹر ٹیلر نے ایک ہندوستانی انگریزی لغت
 طبع کرائی۔ اسی کتاب کو پھر ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے فورٹ ولیم کالج کے ایسی ادیبوں کی امداد سے
 نظر ثانی کر کے چھپوایا۔

گیلڈون نے ایک لغت فارسی اور ہندوستانی زبان کی دو جلدوں میں لکھی، جو کلکتہ

میں ۱۸۷۱ء میں چھپی ہسٹر جان کیسپیر نے ایک اردو لغت ۱۸۷۱ء میں طبع کرائی، یہ کتاب زیادہ تر ٹیلر کی لغت سے ماخوذ ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسی کتاب کو دوسرے قالب میں پیش کیا گیا ہے۔
 فوہس کی لغت ۱۸۷۲ء میں لندن میں چھپی، ایک فرانسیسی برٹریڈ نے بھی ایک لغت لکھی جو پیرس میں ۱۸۷۳ء میں طبع ہوئی۔ برائس کی لغت ۱۸۷۴ء میں لندن میں چھپی پلیٹ نے بھی ایک لغت لکھی ہے جس کے طبع ہونے کا سن مجھے معلوم نہیں ہوا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر فیلن نے اردو کی کئی لغات لکھیں، ان کی ہندوستانی انگریزی لغت و حقیقت سب سے بہتر ہے، یہاں تک کہ اہل زبان نے بھی جو دو ایک لغت لکھے ہیں ان میں بھی زیادہ تر فیلن کا نتیجہ کیا گیا ہے، بلکہ اسی سے ماخوذ ہیں۔

اس مقدمے میں جو انگریزوں کے احسان کا ذکر کیا گیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس تذکرے سے بھی بعض باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اس زبان سے خاص دل چسپی تھی اور اس کی ترقی دینے میں انھوں نے حتی الامکان کوشش کی۔ میر شیر علی افسوس کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے، اور وہ ہم نے اسی تذکرے سے لیا ہے میر کے حال میں لکھا ہے:-

”جن ایام میں کہ در خواست صاحبان عالی شان کی زبان دانان ریختہ کے مقدمہ میں
 کلمتہ سے لکھو گئی تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے سامنے تقریب میر کی ہوئی لیکن عت پر
 سے یہ بیچارے بھول کے محمول ہوئے، اور جو انان نوشق مرہی گری سے وقت بربتی کے
 مقبول ہوئے۔ زمانہ خوش طبعوں سے کبھی نہیں خالی ہے اکثر اہل لکھنؤ پکارتے تھے کہ کلمتہ
 میں شاعری کی جادو خواست جمالی ہے“

غالباً اس جگہ کے لئے میر شیر علی افسوس کا انتخاب ہوا، کاشش میر صاحب کا انتخاب ہوتا!

چوں کہ ان کی نظم میں انتہا درجے کی فصاحت و شیرینی اور سلاست اور گھلاوٹ موجود ہے، اس لئے ممکن تھا کہ وہ فورٹ ولیم کالج میں جا کر نثر میں کوئی ایسی یادگار چھوڑ جائے کہ اہل زبان ان کی نظم کی طرح لے سرائوں آنکھوں پر رکھتے، اور آراء و زبان میں ایک عجیب اور قابل قدر اضافہ ہوتا۔

نواب محبت خاں محبت، خلف ارشد، نواب حافظ الملیک حافظہ رحمت خاں کے ذکر میں لکھا ہو کہ :-

” انھوں نے نواب ممتاز یاد ولد مسٹر جاسین کی فرمائش سے قصہ سسی پنوں کا اردو

میں نظم کیا اور نام اس کا اسرار محبت رکھا“

میر تقی الدین کے حال میں درج ہو کہ :-

” انھوں نے میر فتح حسین، فرنگی لقب کے توسل سے ممتاز ولد مسٹر جاسین کی مرگ

میں توسل حاصل کیا، اور ان کی رفاقت میں لکنا، اگر خدا، اردو، گورنر مسٹر ہشٹن، برٹشنگم

جلادت جنگ بہادر کی اعان سے پیچھا، نظامت سو بہنگ سے ملک الشعراء کا خطاب لیا۔

اس زمانے میں علاوہ ڈاکٹر فیملین کے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہو، کرنل ہن رائٹ سابق

ڈائریکٹر ریشہ تعلیم پنجاب نے بھی اردو زبان کی ترقی میں پیش ہمارے دی سلسلہ تعلیم

کے لئے عمدہ عمدہ کتابیں لکھوائیں، انگریزی سے بھی بعض چیزیں ترجمہ کرائیں اور ان میں

تعمید اور تیکہ مشورہ دیا۔ کتابت اور چھپائی میں بھی خاص اہتمام کیا، اور ان میں کا آئینہ ملک

گئیں، اور سب بڑا کام یہ کیا کہ لاہور میں ایک انجمن قائم کی جس میں خیسوں مضامین پر عمدہ

عمدہ نظمیں لکھوائیں، شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی، اور شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد

کی بعض نظمیں انھیں کی تحریک سے لکھی گئیں اور وہیں پڑھی گئیں۔ کرنل ہن رائٹ کا یہ کام بہت

قابلِ قدر اور قابلِ تعریف ہو، اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”اردو نثر کی طرح آریہ و غیر آریہ کی بنا بھی ایک حد تک انگریزوں ہی کے ہاتھوں رکھی گئی۔ آج کل مسٹر بل ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن پنجاب نے جو انجمن ترقی اردو کی صدارت قبول فرما کر اردو کی سرپرستی فرمائی ہے وہ بڑی کچھ قابلِ شکر یہ نہیں۔ اسی سلسلے میں جو ایک اور قابلِ قدر کام انگریزوں کے ہاتھوں ہوا ہے اور جس کا ذکر میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ سب سے اول اردو کتابیں بھی انھوں ہی نے چھپوائیں، اول اول فورٹ ولیم کالج ہی کے پریس میں اردو کتابیں ٹائپ میں طبع ہوئیں اور پتی کتابیں کہ ڈاکٹر گلکرسٹ اور اس کے جانشینوں کی نگرانی اور مشورے سے تیار ہوتی تھیں وہیں چھپتی تھیں اس کے بعد لٹھو گراف پریس سب سے پہلے دہلی میں ۱۸۳۷ء میں استعمال ہوا اور اس کے بعد سے روز بروز کتابوں کے چھپنے میں ترقی ہوتی رہی۔

وہ انگریز حاکم جس نے اس ملک میں بیٹھ کر جو اردو کا جنم بھوم اور وطن مالوہ ہوا، وہ فائز سے نکال کر ذلیل کرنا چاہتا تھا، وہ سخت غلطی پر تھا۔ اگر وہ اس زبان کی تائید سے واقف ہوتا اور یہ جانتا کہ اس کے واجب التحکم بزرگوں نے اس کے حاصل کرنے اور اسے وسعت دینے میں کیسی کیسی شقتیں جھیلی ہیں اور اس عجیبے غریب سلطنت کی بنیاد کے ساتھ ہی اس عجیبے زبان کی بنیاد بھی مستحکم کی ہے، تو ضرور اپنی حرکت پر نادم ہوتا۔ یہ زبان کسی خاص فرقے یا کسی خاص ملت کی نہیں ہے۔ اس پر دنیا کی تین بڑی قوموں نے عرق ریزی کی ہے، ہندو اس کی ماں ہیں، مسلمان اس کے باپ ہیں اور انگریز اس کے گاڈ فادر ہیں جو لوگ اس کے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں وہ گویا اس نشانی کو مٹانا چاہتے ہیں، جو تینوں کے اتحاد کی یادگار ہے۔ وہ غلطی پر ہیں، جب تک ہندو اور مسلمان اور انگریز دنیا میں قائم ہیں، کم از کم اس وقت تک یہ زبان ضرور قائم رہے گی۔

انفوس ہو کہ صاحب تذکرہ نے اپنے حالات کچھ نہیں لکھے، دیباچے میں تو ذکر ہی نہیں، شعرا کے سلسلے میں جہاں اپنا حال لکھا ہو وہ بھی برائے نام ہو، بلکہ دوسرے شعرا کے مقابلے میں بالکل کم اور ناکافی ہے، البتہ اپنا کلام بڑے شوق سے نقل کیا ہے اور شاید اس موقع کو غنیمت سمجھ کر سب کا سب درج تذکرہ کر دیا ہے۔ لہذا ہم نے کچھ ان کے کلام سے اور کچھ ادھر ادھر سے تھوڑا بہت حال ہم پہنچایا ہے۔

نام میرزا علی تخلص لطف تھا، ان کے والد کاظم بیگ خاں اسطر آباد کے رہنے والے تھے، ۱۱۵۲ھ ہجری میں نادر شاہ کے ساتھ شاہ جہان آباد تشریف لائے اور ابو المنصور خاں صفدر جنگ کی وساطت سے دربار شاہی میں رسوخ پایا، فارسی کے شاعر تھے اور ہجری تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں میرزا علی لطف باپ ہی کے شاگرد تھے۔ میرزا لطف دیباچے میں لکھتے ہیں: ”میرا ارادہ سیر حیدر آباد کا تھا مگر چوں کہ مٹر گلارٹ نے بڑے اخلاق اور تپاک کے ساتھ مجھ سے اس تذکرے کے لکھنے کی خواہش کی لہذا میں نے اسے بسر و چشم قبول کیا۔“ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:-

”آج کے دن تک کہ ۱۲۱۵ھ ہجری اور ۱۸۰۰ء کے ہیں، عہد سلطنت قائم ہو، اسی

بادشاہ روشن دل خدا پرست سے...“

پھر اس کے بعد نواب سعادت علی خاں بہادر کا ذکر کیا ہے اور بعد ازاں مارکو لیس فی دہلی کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:-

”موافق حکم اس صاحب الامتاق کے کہ نام نامی اور اسم گرامی اس کا اور پند کوہر

ہو اسے اس ہیچمدان نے یہ تذکرہ لکھا۔“

سطح ڈاکٹر جان گلارٹ ۱۲

اس سے صاف ظاہر ہو کہ یہ تذکرہ مؤلف نے سنہ ۱۸ء میں ترتیب دیا؛ اس کے ماوہ تاریخ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب سنہ ۱۲۱۵ء ہجری میں لکھی گئی۔



”جس میں پھر ہیں بے سرو پا بہن اور دے

تاریخ اس کی جب اسے کہ شاکستہ ہے

۱۲-۱۲۲۴ = سنہ ۱۲۱۵ء ہجری

اور غالباً ہی سال اختتام تذکرہ کا بھی ہو۔

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس فرمائش کے بعد نہیں، تو اول ضرور حیدر آباد میں تشریف رکھتے تھے، کیوں کہ ان کے کلام میں وہ قصائد درج ہیں جو انھوں نے اعظم الامرا ارسطو جاہ اور میر عالم کی طرح میں لکھے تھے۔ اعظم الامرا مرہٹوں کی قید سے نجات پانے کے بعد دوبارہ سنہ ۱۸۹۷ء میں وزیر مقرر ہوئے اور مئی سنہ ۱۸۹۷ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد اسی سال میر عالم وزیر ہوئے، اور سنہ ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف اس زمانے میں حیدر آباد چلے گئے تھے۔ چون کہ ان کو زیادہ تر یا تو انگریزوں سے سابقہ رہا یا اہل حیدر آباد سے، اس لئے انھوں نے ایک شعریں اس تعلق کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے کہتے ہیں :-

”ہوا آوارہ ہندستان سے لطف لگے خدا جانے

دکن کے سانٹوں نے مارا یا انگلی کے گوروں نے“

جو قصیدہ انھوں نے اعظم الامرا ارسطو جاہ کی طرح میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی وہ فرنگ بال اور خوش حال تھے اور دکن میں جا کر ارسطو جاہ کے ہاں دیکھ سہ روپیہ ماہانہ کے ملازم ہو گئے تھے، مگر اس تنخواہ سے خوش نہیں تھے، اضافے کی درخواست کرتے ہیں اور بڑے انداز سے کرتے ہیں :-

رسک ہی کی بات ہو، یہ مسافر وطن میں تھا
 شکر خدا کہ آج بیک بینی و دو گوش
 ہر خندہ ہر تری ہی عنایت سے یہ سکوں
 اس سامعہ خراشی سے مجھ کو جو ہر غرض
 سرکار سے تری جہز را و قضاات
 ہر خندہ جائے شکریہ پر عرض کیا کروں
 بے گفتگو چپاس تو ان ڈیڑھ سو میں سے
 خلق خدا کا بار اٹھاتی ہے پاکی
 باقی جو تنور ہے کئی دن میں باں پھر
 تجھ سے ہو قدر دان نکات اور نیکہ تیغ
 فضل و مہر جو مجھ میں ہو وہ سب بیک طرف
 ہے بہت بلند کا تیسری جو اقتضا
 از بس کہ کم دماغ ہوں ضیق معاش سے
 لیکن نہ وہ اضافہ جو ہو وے برائے نام
 تضعیف اصل چاہتا ہے تجھ سے یہ ضعیف
 غالب ہو تجھ پہ شاق نہ ہوں میرے تین
 جو شکیات شاعر نے انیر شعوش کی ہو، معلوم ہوتا ہو کہ وہ یہاں قدیم سے چلی آرہی ہو اور
 اب تک باقی ہو۔

اس قصیدے میں شاعر نے تعالیٰ کی ہو اور ناصر علی کا ذکر کیا ہو کہ وہ انفقار خاں کی

”مح میں اس نے قصیدہ کہا اور صرف اس کے اس مطلع پر :
 ”اے شانِ حیدری ز جبین تو آشکار
 نام تو در بسر و کند کار و لغت“

امیرالامرا نے زروسیم نثار کیا۔ پھر اس مطلع کو پڑھ کر کہتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے :-
 ”جز لفظ ذوالفقار نہیں اس میں کوئی بات ایسی کہ ڈال دیوں سپر جس کے آگے یا
 آئینِ قدر دانی میں لیکن برائے نام لازم ہی ہے کہ گیا جو خانِ باوقار“
 اور پھر خود اس مطلع کا جواب لکھتا ہے :

”کتنی ہی فارسی میں مجھے طبعِ مطلعے ہاں در جوابِ مطلعِ ناصر علی بیار
 اے ذرا ز نام تو خورشید اعتبار تاثیر اسمِ عظم از اسم تو آشکار
 کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس میں بھی سوائے لفظِ عظم کے اور کیا رکھا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ
 باوجود اس کے یہ مطلع ناصر علی کے مطلع کو نہیں پہنچتا۔

میر عالم بہادر کی مح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں بھی یہی رونما رویا ہے :
 ”پرستی عرض اے حاجت روائے خلقِ ہر تہ سے کہ میں خواہاں نہیں کچھ ملک کوں و طبل و شکر کا
 توجہ اتنی فرما تو کہ مایحتاج کی رود سے نہ ہوں محتاج عندالوقت سیم و زر و گوہر کا“
 نوایبِ مصطفیٰ خاں مشیقہ اپنے تذکرہ شہرا گلشنِ بنجار میں لکھتے ہیں کہ :-
 ”میرزا لطف کچھ دنوں نواحِ عظیم آباد میں بھی رہے ہیں اور نسبت شاکر دی
 میر تقی سے رکھتے ہیں“

لیکن خود میرزا لطف اپنے حال میں یہ لکھتے ہیں :

”اور مشورہ ریختہ کا فقط اپنی ہی طبعِ ناصواب سے ہے“

اور اسی کو صحیح سمجھنا چاہیے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ میر تقی کے بہت بڑے تلامذہ اور ماننے والے ہیں اور غالباً اسی وجہ سے وہ ان کی شاگردی سے منسوب کر دیئے گئے ہیں۔
 لطف ایک معمولی شاعر ہیں، غزل و قصیدہ و مثنوی سب کچھ لکھا ہے، مگر کلام میں ہلکے نہیں۔ البتہ یہ تذکرہ اُن کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو اردو زبان میں قابلِ یادگار ہے۔ چونکہ ایک انگریز با اقتدار کی فرمائش سے لکھا ہے، زبان صاف اور سادہ ہے، تاہم قافیے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ تذکرے اگرچہ اور بھی لکھے گئے ہیں مگر اس میں بعض خصوصیات ایسی ہیں کہ جس سے یہ حقیقت قابلِ قدر ہے۔

۱۔ اول تو سو برس پہلے کی زبان ہے، جس سے زبان کے متعلق بہت کچھ بتا لگ سکتا ہے اور محقق علم اللسان کو اور نیز اُن لوگوں کو جنہیں زبان کا چرکا ہے بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک ظاہر بات جو ہمیں عام طور پر اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوئی، وہ یہ ہے کہ دکن کی زبان میں بعض الفاظ جو روزمرہ بول چال میں آتے ہیں اور ہندوستانیوں کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں، وہ حقیقت پرانی زبان کی یادگار ہیں۔ مثلاً: ”کر کے“ کا خاص استعمال جو ہم یہاں ہر روز سنتے ہیں، اس تذکرے میں بھی جا بجا پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:۔
 ”سوریش تخلص، ستوطن عظیم آباد کے، مشہور میر بیٹا، کر کے، تھے۔“
 اسی طرح میر قمر الدین منت کے حال میں لکھا ہے:۔

”چنانچہ مشہور ستان کر کے، ایک نسخہ اس شیریں مثال کا بطور تحفہ اس کے مشہور ہے“
 دکن میں بعض لوگ ”بعد میں“ کی جگہ ”بعد از“ بولتے ہیں، سوز نے ایک شعر میں
 یہی لفظ لکھا ہے:۔

ہے جیتے جی تو مجھے کوئے یار میں رونا رہے گامرگ کے بعد از فرار میں رونا۔

فعل کے بعض استعمال بھی بعض اوقات بالکل ایسے ہیں جو ہم حیدر آباد میں اکثر سنتے ہیں۔ مثلاً:۔ فعل متعدی میں فعل بہ لحاظ مفعول کے آتا ہے، مگر اس کتاب میں بعض جگہ فاعل کے لحاظ سے آیا ہے۔ دکن میں عموماً اسی طرح بولتے ہیں۔ ضیا کے حال میں لکھا ہے:۔
 ”دلی سے جبا کہ لکھنؤ میں آئے تو طور سکونت کا وہیں ٹھہرائے“
 فقیر کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

”بیشتر دکن بطور سیاحت کے دیکھے، اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پھرے“
 دکن میں عام طور پر ”کما“ بولتے ہیں، قائم کہتے ہیں:۔
 ”میں کما، عہ کیا کیا تھا رات،
 ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں“

۲۔ دوسرے علاوہ اس کے کہ مؤلف ایسے زمانے میں تھا جب کہ اردو زبان عروج پر تھی اور بڑے بڑے اساتذہ زندہ تھے، مؤلف ان کا ہم عصر تھا اور ان میں سے اکثر سے ان کی شناسائی اور دوستی تھی اور اس لئے جس دثوق اور صحت کے ساتھ اُن کے حالات یہ لکھ سکتا ہے دوسرا نہیں لکھ سکتا۔ اور بعض حالات تو ایسے لکھے ہیں جو کہیں دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔ مثلاً:۔ رزیدنٹ لکھنؤ کا میر تقی کو فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زبان رنجیت میں تالیف تصنیف کے لئے طلب کرنا اور بوجہ پیرانہ سالی اُن کا منتخب نہ ہونا۔ یا میر صاحب ہنسی کے حال میں ایک ایسا فقرہ لکھا ہے جس کا دل پر بہت اثر ہوتا ہے، اور جو صرف اس تذکرے کا مؤلف ہی لکھ سکتا تھا، کیوں کہ وہ ان کا دیکھنے والا تھا اور خاص ارادت رکھتا تھا۔ علاوہ اس کے اس سے میر صاحب کی اس خاص وضع اور طبیعت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، جو انھوں نے عمر بھر نبایا۔ وہ لکھتا ہے:۔

”نماقد رانی سے اغیا کی اور نا سمجھی سے اہل دنیا کی، اب باز سخن سازی اس درجہ کا سد ہو اور ہوائے شہرستان معنی طراز اس مرتبہ فاسد کہ ہر سا شاعر جو کہ سحر کاری سخن میں طلسم ساز ہو خیال کا، اور جادو طرازی بیان میں معانی پر دانہ ہر مقال کا، وہ نان شبینہ کا محتاج ہو اور بات کوئی نہیں پوچھا اُس کی آج ہو“

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنی کتاب آب حیات میں لکھتے ہیں کہ :-

”جب میر صاحب لکھنؤ آئے تو نواب آصف الدولہ نے دوسو روپیہ عینہ کر دیا۔ مگر چوں کہ مزاج انتہا درجے کے تھے نواب سے بگاڑ کر لیا اور گھوٹ بیٹھ رہے اور زندگی فقر و فاقے میں گزار دی“

مگر اس تذکرے کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ :-

”نواب آصف الدولہ مرحوم نے روز ملازمت خلعت فاخرہ دیا اور تین سو روپیہ مشاہرہ مقرر کر کے تحین علی خاں ناظر کے سپرد کر دیا، اگرچہ گرفتہ مزاجی سے ان کی روز بروز صحبت نواب مرحوم سے بگڑتی گئی، لیکن تنخواہ میں کبھی قصور نہ ہوا اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد میں آج کے دن تک کہ سلسلہ ہجری میں وہی حال ہی جو اوپر مذکور ہوا“

مگر صاحب تذکرہ کا چند سطر اوپر یہ لکھنا کہ وہ نان شبینہ کا محتاج ہی یا تو مبالغہ کر دیا یہ ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں اُن کے کمال کی پوری قدر نہ ہوئی۔ غرض یہ کہ بعض باتیں اس میں نئی نظر آتی ہیں۔

۳۔ تیسرے صاحب تذکرہ نے ایک یہ کام بھی بہت اچھا کیا ہے کہ جن لوگوں کو قصور ٹرایا بہت یا کسی قدر تعلق سلطنت سے رہا ہے، ان کے تذکرے میں تاریخی حالات بھی خوب خوب

لکھے ہیں چنانچہ شاہ عالم المتخلص بہ آفتاب کے حال میں ان کا زمانہ مولیٰ عباسی عماد الملک کے
خون سے دل چھوڑنا، باپ کا دھوکے سے قیروز شاہ کے کوسٹلے میں قتل ہونا اور ان کا
میں تخت نشین ہونا، رام تران سے جنگ، دلیر خاں کی دلیری اور جاں نثاری فتح و نصرت کا
چاہل ہونا وغیرہ وغیرہ بالتفصیل لکھا ہے اور اخیر میں کورنگ سنگل غلام قادر خاں روہیہ
در دناک واقعہ بھی درج کیا ہے؛ اور بادشاہ کی دردناک غزل بھی نقل کر دی ہے جس میں
یہ واقعہ منطوم ہے اور خود اردو نظم میں ترجمہ کر کے متن میں درج کی ہے اس لئے کہ تذکرہ
اردو ناول اور اصل غزل عاشق پر لکھ دی ہے البتہ اتنا تکلف کیا ہے۔ اسی طرح تانا شاہ، اولیہ
اور مرزا محمد رضا امید کے حالات میں اکثر تاریخی واقعات اور قصص لکھے ہیں خصوصاً میرزا
محمد رضا امید کے تذکرے میں، امیر الامرا حسین علی خاں اور ان کے بھائی کے حالات بڑی
خوبی سے تحریر کئے ہیں۔

۴۔ چوتھے اس کتاب سے زمانے کی سوسائٹی پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بات تو
صاف صاف نظر آتی ہے کہ ہمارے شاعروں کا گردہ عجیب بے فکر تھا اور دنیا و مافیہا کی کچھ
خبر نہ تھی۔ اخیر میں جب ہمارے بادشاہ نواب اور امرا اس طرف جھکے تو وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔
ان لوگوں نے رہا سہا انھیں اور گھوڑیاں۔ ملک گیری اور ملک داری کبھی کی جا چکی تھی اس لئے
اولوالعزمی اور بہت بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی جسمانی اور دماغی قوی میں انحطاط
پیدا ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں حقیقی مسرت کہاں! البتہ عارضی خوش حالی اور جھوٹی زندہ
موجودگی، شعر و شاعری نے اس کا سامان اور ہیا کر دیا، دیوانہ راہوئے بس ست، شاعروں
کی بن آئی وہ تو اس شغل میں رہے، اور یہاں کام تمام ہو گیا۔ اس زمانے کی سب سے بڑی
علمی اور مذہب مجلس مشاعرے تھے جن کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے جاتے تھے اس کے

خاص خاص آداب تھے، بڑے بوڑھے، نوجوان، بچے سب ہی شریک ہوتے تھے، بالکل سخن دروں کو دل کھول کے داد دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی بحث مباحثے ہوتے ہوتے لڑائی جھگڑے ہو جاتے، اور تنکا فضیحتی تک نہایت پہنچ جاتی تھی۔ نوجوان ان مشاعروں میں شریک ہوتے اور اپنے کانوں سے تحسین و آفرین کے نعرے سنتے تھے، جو شعرا کے لئے سب سے بڑی داد اور سب سے بڑا انعام تھا، تو ان کے دل میں بھی اُمنگ پیدا ہوتی کسی استاد کے پاس حاضر ہوئے، شاگرد ہو گئے اور شعر کہنا شروع کر دیا۔ گویا شعر کہنے کے لئے صرف کسی استاد کا شاگرد ہو جانا کافی ہے۔ یہ مشاعرے درحقیقت شاعر گزرتھے۔ میں ان مشاعروں کو برا نہیں سمجھتا مگر جہاں یہ سب سے بڑی علمی اور ادبی مجالس ہوں تو ایسی سوسائٹی کی حالت کیا ہوگی؟

علاوہ اس عام حالت کے تذکرے میں جو بعض باتیں ضمناً بیان کر دی ہیں وہ بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ایک واقعہ جس کا مجھ پر بھی اثر ہوا، یہ ہے کہ نواب وزیر اودھ اس زمانے میں جب کہ ان کا عروج اقبال تھا اور بادشاہ نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، تب بھی شاہن دہلی اور ان کے گھرانے کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے تھے اور تعظیم بھی ایسی کہ آج کل کے نوجوانوں کے خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔ چنانچہ میرزا جواں نخت جہاں دار شاہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ۱۱۹۵ھ ہجری میں دہلی سے کونو چلے آئے۔ تھے :-

”نواب آصف الدولہ مرحوم نے جو مراتب آداب و خدمت گزاری کے تھے، سب ادا کرے

خواص میں بیٹھنے کے سوا گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے، باوصف اس ناز پروری کے کہ کبھی پیادہ قدم کا ہے کو چلے تھے پانچوں ہتھیار باندھے جوئے ایک الاچی اور گھوڑی کی بخشش پر دس دس مرتبہ مہر اگاہ پر سے جا کر آداب بجاتے تھے :-“

۵۔ پانچویں، بعض ایسے لوگوں کا حال بھی دیا ہے جس کی نسبت اردو کی شاعری کا گن بھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ اردو کے شاعر تھے اور ان کا تخلص اشتیاق تھا۔ یا عبدالقادر بیدل بھی اردو میں شعر کہتے تھے یا تانا شاہ سے بھی ایک شعر منسوب ہے جو ادھا اردو اور ادھا ہندی ہے۔ بعض ایسے شعرا کا بھی کلام درج ہے کہ جن کا نام تو بہت مشہور ہے مگر کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنے تذکرہ آب حیات میں لکھتے ہیں کہ :-

”ایک موقع پر میر حسن مرحوم کا سفر شاہ مارکی چٹریوں کے ساتھ مطابق پڑا، چنانچہ سفر مذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے، اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو کی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت غورنوں کی پوشاک وہاں کیا تھی اور چٹریوں والوں کے جزئیات رسوم کیا کیا تھے میں نے یہ مثنوی دلی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی، اب نہیں ملتی، لوگ بہت تعریف لکھتے ہیں“

حسن اتفاق سے صاحب تذکرہ نے اس مثنوی کا وہ حصہ جس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی ہجو ہے۔ میر حسن کے حالات میں نقل کر دیا ہے۔ ناظرین کو لکھنؤ کی ہجو میں یہ شعر دیکھ کر بہت تعجب ہو گا :-

”زبس کہہ سے یہ شہر ہم عدد ہے اگر شیعہ کہے نیک اس کو بد ہے“
اس مثنوی کا نام غالباً گلزار اربع تھا۔ میر حسن کے دوسرے کلام کا بھی انتخاب کیا ہے، درحقیقت کلام سب اچھا ہے، مگر انہوں نے کج کل نہیں ملتا۔

خواجہ میر درد کے بھائی، میاں سید محمد اختر کی مثنوی خواب خیال اب تک سنی ہی سنی تھی اس کے چند شعر اثر کے حالات میں درج ہیں۔ شمس العلماء مولوی شبلی نے اس پر مفصلہ ذیل

نوٹ لکھا ہے۔ جو کتاب کے صفحہ ۳۲ پر درج ہے :-

”مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی مثنویوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن چون کہ ان کے نزدیک شعرا سے لکھنؤ سے ایسی فصاحت اور سلاست کی توقع نہیں ہوتی، اس لئے اس کی وجہ یہ قرار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ میر انیس کی مثنوی دیکھی تھی اور اس کا طرز اڑایا تھا۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہو سکتی ہے“

یہاں تعجب ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے صرف ”اعتراف“ کا لفظ لکھا ہے، حالانکہ مولانا حالی ان مثنویوں کی بے حد تعریف کی ہے، سوائے ایک نقص کے جس سے خود مولوی شبلی صاحب کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ ”لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا کی شاعری کا اعتراف کیا ہے“ بلکہ میر انیس کی شاعری کی اس قدر توصیف و ثنا کی ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں، یہاں تک کہ خود مولوی شبلی صاحب نے بھی موازنہ و بیروا میں انہیں اتنا نہیں سراہا، اکثر لوگوں کو جن کی نظر ظاہر ہے اور سطح ہی پر رہتی ہے، مولانا حالی سے یہ شکایت ہے کہ لکھنؤ کی شاعری کی مذمت کی ہے، حالانکہ مولانا نے کہیں اپنے دیوان میں لکھنؤ کی شاعری پر بحث نہیں کی عام شاعری پر یا اردو شاعری کے نشوونما اور اس کے مختلف اصناف پر بحث کرتے ہوئے، مثلاً بعض اشعار یا کتب کا ذکر کیا ہے اور اس میں دلی لکھنؤ والے دونوں ہیں، اس پر سے لوگوں نے ایسا گمان کر لیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ دیوان حالی میں کوئی خاص لحاظ اس کا نہیں کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اہل وطن اپنی اور اپنے باہر دوستوں یا عزیزوں کی کتاب پر تقریظ سننے کے شائق ہیں، لے مصل العلماء مولوی شبلی نے ازراہ نوادرش اس تذکرہ پر جابجا نوٹ تحریر فرمائے ہیں۔

تنقید کے روادار نہیں مولانا حالی نے جو شاعری پر مقدمہ لکھا ہے، وہ صرف ان کے دیوان کا مقدمہ نہیں، بلکہ اردو میں فن تنقید کا پہلا مقدمہ ہے۔ اس میں جو بعض ایسی راویوں کا اظہار کیا ہے جو صرف ذوق سلیم اور عالی دماغ کا نتیجہ ہو سکتی ہیں، تو لوگوں کے عام (بلکہ عامیانہ) خیالات کو صدمہ پہنچا اور وہ بت چھیں وہ مدت سے پوچھتے چلے آ رہے تھے، یکایک متزلزل ہو گئے اور ڈھ گئے، زیادہ تر یہ خیال نگار انہم کی نکتہ چینی سے پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا نے اس پر خواہ مخواہ اس لئے نکتہ چینی نہیں کی کہ وہ ایک لکھنوی کی لکھی ہوئی ہے، بلکہ درحقیقت وہ اُس سب سے کی مستحقی نہیں ہے جو لوگوں نے ناجحی سے اُسے دے رکھا ہے۔ مجھے تو اُلٹی یہ شکایت ہے کہ مولانا نے تنقید کا حق ادا نہیں کیا۔ صرف چند ایسی غلطیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جو اگرچہ صریح اور بین ہیں، مگر اس قدر او ایسی نہیں کہ جس سے اُس کی پوری قلمی کھل جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مثنوی کو اردو زبان سے کچھ تعلق ہی نہیں، مولانا کا اگر اس میں قصور ہے تو صرف اتنا کہ اُنھوں نے دن کو دن اور رات کو رات کمدیا ہے۔ اب ہم خواہ اثر کی مثنوی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اول تو اس مثنوی کی تعریف سب کرتے چلے آتے ہیں، چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں شفیقت سا سخن فہم اپنے تذکرہ گلشن بے خاریں لکھتا ہے:-

” مثنوی ایشان شهرت تمام دارد کہ بنائے آن بر محاوره بحت ست و ازین جهت

مرغوب عام“

مولوی محمد حسین آزاد آپ حیات میں کہتے ہیں کہ:-

” ایک مثنوی خواب و خیال ان کی مشہور ہے اور بہت اچھی لکھی ہے“

دوسرے ان کے کلام سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں درد

زبان کی صفائی، شستگی اور لطافت بدرجہ کمال موجود ہے اور یہ سب باتیں مثنوی کے لئے خاص طور پر مناسب ہیں۔ مگر صاحب تذکرہ نے غضب یہ کیا ہے کہ مثنوی کا وہ حصہ منتخب کیا جس سے کسی طرح صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ سراپا کا مضمون اس قدر متبدل ہے کہ اس میں کوئی نیا مضمون پیدا کرنا، یا اس میں زبان کی فصاحت و سلاست دکھانا بہت مشکل ہے اور چوں کہ اس مثنوی کی تعریف زیادہ تر زبان کی ہے، اس لئے صرف سراپا کے چند اشعار پر سے حکم کا ادارت نہیں ہے صاحب تذکرہ نے اپنے اس ذوق کا ثبوت اور بھی ایک آدھ جگہ دیا ہے مثلاً :-

جوشش کے کلام کو پسند نہیں کرتا، مگر انتخابی اشعار بہت اچھے ہیں۔ اسی طرح مصحفی کی تعریف کی ہے، لیکن انتخاب اس قدر خراب دیا ہے کہ اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کوئی اچھا شاعر ہے بلکہ اس کا کیا جواب ہے کہ جو شعر خواجہ اثر کا بہ تبدیل لفظ شوق نے اپنا کر لیا ہے یعنی:

آثر ہاتھ پائی میں ہانپتے جانا کھلے جاتے میں ڈھانپتے جانا
شوق ہاتھ پائی میں ہانپتے جانا چپو لے کپڑوں کو ڈھانپتے جانا

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسا شعر یا خواجہ اثر کہہ سکتے ہیں یا ان کے بعد نواب میرزا شوق اگر یہ شعر ان کا ہے تو یقیناً کی پوری وجہ ہے کہ شوق کی نظر سے یہ مثنوی گزری ہے، تو اس طرز کا اثر ضرور اس پر پڑا ہوگا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں :-

”خواب و خیال کے اکثر مصرعے اور شعر تھوڑے تھوڑے تفاوت سے بہارِ شوق میں موجود ہیں“

یہ ایک مزید ثبوت ہے۔

دوسرے یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ وہ مثنوی اس زمانے میں لکھی گئی جب کہ اردو میں غالباً کوئی مثنوی نہ تھی۔ باوجود اس کے مولانا حالی نے صاف لکھ دیا ہے :-

”اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالت میں خواب و خیال کو بہارِ عشق سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی۔“

اخیر اس میں تو ظاہر ایک حد تک کچھ گنجائش بھی نظر آتی ہے، مگر یہیں افسوس ہے کہ مولوی شہل صاحب نے اس سے بڑھ کر ایک ریاکار مولانا حالی کی تنقید گزار سلیم کے متعلق ایک خط میں لکھ دیا تھا جسے نیڈرٹ چکاسٹ صاحب نے اپنے دیباچہ گزار سلیم میں بطور سند کے درج فرمایا، تعجب ہے کہ ایک ایسے فاضل محقق اور صاحب ذوق کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں جو تحقیق اور ذوق سلیم سے کوسوں دور ہیں اور خصوصاً ایسی کتاب کی نسبت جو قطع نظر اس کے کہ اس میں زبان کا لطف نام کو نہیں، سیکڑوں لفظی اور معنوی غلطیوں سے پر ہے۔ ہم اس موقع پر زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے اور اس بحث کے لئے بھی ناظرین سے معافی چاہتے ہیں، موقع آ پڑا تھا اس لئے یہ چند الفاظ لکھے گئے۔

۶۔ چھٹے صاحب تذکرہ نے بعض مقامات پر پرے ہی پر دے میں خوب چوٹیں کی ہیں جن میں تعصب کی جھلک نظر آتی ہے مثلاً: شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ:-
”قرۃ العین فی الباطل شہادتِ حسین اور جنتِ عالیہ فی مناقبِ المعاوید ان کی تصانیف سے ہیں۔“

حالانکہ ان مباحث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ نہ شہادتِ حسین کا الباطل کیا ہے نہ مناقبِ معاویہ میں کوئی کتاب لکھی ہے، یہ محض اتہام ہے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر کہ ”یہ والد ہیں شاہ عبدالعزیز کے“ خوب جھجک لی ہے، اور آخر میں یہ لکھا ہے:-

”صاحب تذکرہ کو نام سے دھوکا ہوا ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ دوسرے صاحب ہیں جن کا قصہ اشتیاق ہے۔ بعد کی تحقیقات سے حقیقت معلوم ہوئی ہے (دیکھو نکاتِ اشعار صفحہ ۶ مطبوعہ انجمن ترقی اردو)۔“

” کیوں نہ ہو آخر کیسے باپ کا بیٹا ہر انی الواقعہ کے عالی مقدا روں کے عالی مقدا رہی

ہوتے ہیں اور نا بجا روں کے نا بجا رہے بقول شاعر کے ۵

شیر کے بچے میں غرض شیر سے انفرادی

بھونک میں کتے کی بلی کی سگی موجود ہی

یا منظر جان جانوں کے حالات میں لکھتے ہیں :-

” ۱۹۴۷ء ہجری تھے کہ اس روشن باز مسائل صدیقی نے اور اس مصقلہ پرداز احکام

فاروقی نے، اس آئینہ نگار آلود دنیا سے منہ پھیر لیا اور سفر خلفائے راشدین کی منازل

کے طریق پر کیا“

یامانا شاہ کے حالات میں مؤلف عالمگیر کی نسبت یوں گوہر نشانی کرتا ہے کہ :

” غلہ مکاں نے استیصال بادشاہان دکن کا جو اس تخت سے کیا اور مکہ مسجد کو کھجور کا

دھ کچھ منظر اپنی گردن پر لیا، خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ہے :-“

مکہ مسجد کا کھجور دانانرا بہتان اور صریح جھوٹ ہے۔ تعجب ہے کہ مؤلف نے جو خود حیدر آباد میں

رہا ہے، اس کذب کا لکھنا کیوں کر گوارا کیا۔ ہمیں شاید ناظرین کو یہ اطمینان دلانے کی

ضرورت نہیں کہ مکہ مسجد موجود ہے اور اب تک نظر بد سے محفوظ ہے۔

لیکن قطع نظر ان امور کے وہ بعض وقت بیچ کہنے سے بھی درگزر نہیں کرتا، مثلاً

نواب آصف الدولہ کے حالات میں ان کی داد و دہش اور مرگوت کی بے انتہا ہستی کی ہے

لیکن آخر میں صاف لکھ دیا ہے :

” افسوس یہ ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی، نائبوں کے ہاتھ میں اصالتاً

ملک کا سر انجام رکھا، آپ سیر دشکار سے کام رکھا، مشیر کوئی لائق اور کام کا نہ پایا

اس واسطے ساتھ غم کے رتبہ نام کا نہ پایا،

یا سراج الدین علی خاں آرزو نے جو نکتہ چینی شیخ علی خزین کے کلام پر کی ہو اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ :

”عوام کی طبیعت تو ان اعتراضوں سے البتہ تشویش میں پڑتی ہے۔ نہیں صاف تراع معلوم ہوتی ہے، جب باریک بینوں کی نگاہ اس سے جا لڑتی ہے“

اس تذکرے کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شاعر اور خصوصاً نامور اور مشہور اساتذہ سب کے سب دلی کے تھے۔ دلی کو جہاں یہ فخر ہے کہ اردو نے اس میں جنم لیا، وہاں اس کا یہ فخر بھی بجا ہے کہ جتنے اعلیٰ شاعر ہوئے ہیں وہ یہیں کے تھے۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے یہ شہر بھی عجیب و غریب نظر آتا ہے، زمانہ قدیم سے محمود آفاق اور مرجع خلعت رہا، کبھی راجاؤں اور مہاراجاؤں کی راج و دعائی، کبھی سلاطین اسلام کا دار الخلافت، کبھی طغیانی کی بدولت بکرب خراب ہوا اور رفتہ رفتہ پھر آباد ہوا، کبھی معرکہ جنگ جمل و قتل عام ہے اور کبھی گھر گھر دن عید اور رات شب برات ہے، کبھی تخت گاہ شاہاں اور مرجع کمال ہے اور کبھی ایک مطلق العنان سودائی کی لٹک سے خاصہ کھنڈر ہے، کبھی مور و بیات و آفات ہے اور کبھی منزل حنات و برکات، غرض یہ نگری یوہیں اجڑتی اور بستی، بگڑتی اور بنتی رہی، مگر باوجود اس کے اس کے حسن عالم فردز میں نئی ادا پیدا ہوتی رہی اور ہر حادثے کے بعد فوراً سنبھل گئی لیکن اخیر زمانے میں جب سلطنت مغلیہ میں انحطاط اور زوال کی علامات پیدا ہو گئیں، تو دو ایک دھچکے ایسے لگے کہ پھر سنبھالنا محال ہو گیا۔

سب سے اول نادر شاہ کا ایسا تھپڑ لگا کہ اس نے بٹھا ہی تو دیا، اس کے شرہ بریں بعد ہی احمد شاہ درانی کی چڑھائی ہوئی، پھر مرہٹوں نے وہ اودھم مچائی کہ رہا سہا سب

خاک میں ملا دیا۔ اب تک جو باکمال دلی میں پڑے وضع داری تباہ رہے تھے۔ ان جانوروں کے بعد وہ بھی نہ لک سکے سوائے ایک میر درد کے، جن کی نسبت صاحب تذکرہ لکھتے ہیں :-

”جن ایام میں مہمورہ شاہ جہان آباد کا اور ہر ایک کو چہ اس خجستہ بنیاد کا مجمع اہل کمال سے

اور کثرت منتجان عیدم المثل سے رشک ہفت اقلیم اور غیرت جنت انیم تھا تو مہمورے پر
شہر کے عرصہ ربع مسکون کا تنگ اور اس خراب آباد کو تشبیہ سے ہفت اقلیم کے تنگ تھا۔

جب کہ متواتر زلزلوں آفات کے باعث اور مکرر درو دیات کے سبب خراب ہوا، اور
مصدر عقوبت و عذاب ہوا، تو ہر ایک درویش گوشہ نشین نے اور ہر ایک صابر زاور گیر کیا

اور ہر ایک تو نگہ مال دار نے اور ہر امیر عالی قدر نے فرار کو غنیمت جانا اور بھاگے اُدھر کو
جدھر پایا ٹھکانا، گروہ سید و ارباب کو نام نامی اس کا خواجہ میر تھا، اس قلب آسماں متعلق

خیال بھی جگہ سے سرکنے کا نہ کیا، تھیں بلاؤں کے اور مائل جھاؤں کے ہوئے اور بنا جہاں آباد

کو چھوڑ کر ایک قدیم راہ اپنے کنج غزلت سے نہ گئے :-

ایسے وقت میں شاعر بیچارے تو کس گنتی میں ہیں، بڑے بڑے وضع داروں اور متوکلوں کی

ٹھیک نکل جاتی ہے۔ دلی کے آجڑے کے بعد لکھنؤ آنا نظر آتا تھا۔ اقبال نے پوچھ دوں اس کا

ساتھ دیا۔ اب لے دے کے صرف یہی ایک ٹھکانا اور آسرا مسلمانوں کا رہ گیا تھا، آصف اللہ

سا لکھنؤ نواب تھا، اہل کمال کی قدر رہنے لگی، پھر تو جو اٹھا وہیں پہنچا اور پہنچ کر وہیں کا

ہو رہا۔ غالباً سب سے پہلے نادر شاہ کی تباہی کے بعد سراج الدین علی خاں آرزو پہنچے۔ اس کے

سودا تشریف لے گئے، سودا کے انتقال کے بعد میر تقی نے ۱۸۲۷ء میں دلی سے لکھنؤ کو کوچ

فرمایا۔ میر صاحب کے جاتے ہی دلی سونی ہو گئی اور میر حسن، میر سوز، جرأت سب لکھنؤ

میں جا بسے، اور دلی کی رونق لکھنؤ میں آگئی۔ اس طرح لکھنؤ کی شاعری کی ابتدا ہوئی،

اب یہ امر کہ لکھنؤ کی سوسائٹی کا اردو زبان اور اردو شاعری پر کیا اثر ہوا اس وقت ہماری بحث سے خارج ہے۔

مجھے خیال تھا کہ اس تذکرے سے میر انشا رائے خاں کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہوگی اور کم سے کم اُس قصے کی تحقیق ہو جائے گی جو شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے ان کے اخیر زندگی کے متعلق لکھا ہے، مگر یہ تذکرہ ۱۳۱۵ھ ہجری میں لکھا گیا، اور ۱۳۱۵ھ تک میر انشا رائے خاں میرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے یا اُسی سال نواب سعادت علی خاں کے ہاں رہائی ہوئی، کیوں کہ میرزا سلیمان شکوہ اس سال (۱۳۱۵ھ) لکھنؤ سے واپس دہلی چلے گئے۔ یہ واقعہ آزاد نے سعادت یار خاں نگین کی زبانی بیان کیا ہے، صرف یہ لکھ کر تمام واقعہ بیان کر دیا ہے کہ: ”سعادت یار خاں نگین کہا کرتے تھے“ مگر یہ نہ معلوم ہوا کس سے کہتے تھے اور آزاد نے کس سے سنا۔ آب حیات میں بعض بعض جگہ وہ مجالس نگین کا حوالہ دیتے ہیں مگر مجالس نگین میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اتفاق سے مجالس نگین بھی ۱۳۱۵ھ میں لکھی گئی۔ میر انشا رائے خاں اور سعادت یار خاں نگین دونوں مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے اور چوں کہ یہ واقعہ بہت بعد کا ہے اس لئے یوں بھی اس میں نہیں ہو سکتا۔ کیا اچھا ہوتا اگر مولوی محمد حسین آزاد اس روایت کا سلسلہ بیان کر دیتے۔

مؤلف نے اپنے دیباچہ میں بیان کیا ہے:-

”یہ کتاب ہم نے دو حصوں میں لکھی ہے، یہ پہلا حصہ ہے جس میں سلاطین نامدار امراء عالی قدر اور شہزادے صاحب وقار کے حالات لکھے گئے ہیں، دوسری جلد میں غیر شہزادہ تذکرہ ہوگا۔“

اس دوسری جلد کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں کہ لکھی گئی تھی یا نہیں۔

مؤلف نے شعرا کا کلام جو بطور انتخاب کے درج کیا ہے اس میں اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کے کلام چھپ چکے ہیں ان کے انتخابی کلام کو پیش کرنے کو کر دیا ہے۔ صرف اعلیٰ درجہ کے اشعار رکھے ہیں، مگر جن شعرا کا کلام نہیں چھپا ان کے کلام کو بحسن و بیا ہی رہنے دیا ہے۔ خود مؤلف نے اپنے کلام سے صفحہ کے صفحے رنگ دیئے تھے، اس میں بھی انتخاب کر دیا گیا ہے۔ اب مجھے اس تذکرے کے متعلق اس قدر اور کہنا باقی ہے کہ اس کے طبع ہونے سے اردو طبع پر ایک قابل قدر اضافہ ہوگا، اور جو لوگ اردو زبان کی ترقی کے خواہاں ہیں وہ ضرور اس کی اشاعت میں کوشش فرمائیں گے۔

عبدالحق بی اے (پرنسپل مدرسہ اصفیہ)
حیدرآباد دکن، اکتوبر ۱۹۰۲ء

مقدمہ

بر تذکرہ گلزارِ ابراہیم

(از ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب، ایم اے پی ایچ ڈی)

گلزارِ ابراہیم اُردو شاعروں کے اُن تذکروں میں سے ہے جو معلومات کی وسعت اور صحت دونوں کے لحاظ سے درجہ اول کے تذکرے کہے جاسکتے ہیں خصوصاً صحت حالات کے مد نظر شاید ہی کوئی تذکرہ اس پر فوقیت رکھتا ہو۔

اُردو شاعروں کے جس قدر تذکرے اس وقت تک لکھے گئے ہیں ان میں بعض تو وہ ہیں جو کسی بڑے شاعر کے نتیجہ قلم ہیں اکثر وہ ہیں جن کے مصنف خود بڑے شاعر نہیں لیکن کسی بڑے شاعر کے گرویدہ شاگرد تھے اور چند وہ ہیں جن کے مصنفوں کو سخن گوئیں بلکہ سخن فہم کہا جاسکتا ہے۔

ان تینوں قسم کے تذکروں میں چند خاص خاص نوعیتوں کے اصولی نقائص ہیں :-
قسم اول کے مصنف چوں کہ خود بڑے شاعر ہیں۔ اس لئے اُن میں زیادہ تر مشہور شاعروں ہی تذکرہ کیا گیا ہے، معمولی شاعر بالکل نظر انداز کر دیئے گئے ہیں جن شاعروں کو مصنف نے قابل ذکر سمجھا بھی اُن کے ذاتی حالات کی طرف توجہ کرنے کی جگہ صرف اُن کی شعر شاعری پر تنقید کرنے کی کوشش کی ہے

اس طرح سے یہ تذکرے بجائے تذکرے بننے کے ادبی تنقیدی بن کر رہ گئے۔

دوسری قسم کے تذکرے اگرچہ چھوٹے بڑے سب شاعروں کو فراخ دلی سے پیش کرتے ہیں لیکن ان میں ان سب پر جس حیثیت سے نظر ڈالی جاتی ہے وہ نہایت گمراہ کن ہوتی ہے۔ ان کی تحریر کا سب سے اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے اُستاد اور ان کے دوستوں یا اپنے اُستاد بھائیوں یا دوست شاعروں کو روشنی میں لایا جائے۔ اس مقصد کے مد نظر انھیں بے جا مبالغوں اور طرف داریوں سے بھی کام لینا پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جن جن کو وہ اپنے تذکرے میں پیش کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے صحیح خط و خال کے ساتھ نہیں دکھائی دیتے بلکہ ایک ہی نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان پر مصنوعی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں اور جب اس طرح مصنف کا اعتبار کم ہو جاتا ہے تو یہ معلوم کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ اس کی کس بات کو صحیح سمجھا جائے اور کس کو غلط۔

تیسری قسم کے تذکرے بہت کم ہیں لیکن جو بھی ہیں ان سے زیادہ تر شاعروں کا پہلی تہ اور ان کی شاعری کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے نہ کہ ان کی زندگی کے حالات کا۔ کیوں کہ ان کا مقصد ادبی تنقید کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا۔

یہ واقعی اردو شاعروں کی بہ قسمتی ہے کہ کسی نے بھی ایک ٹھیک مورخ بن کر ان کے حالات کو قلم بند نہیں کیا۔ لیکن اگر اس طرح کی کوئی کوشش ملتی ہے تو وہ صرف علی ابراہیم کا زیر بحث تذکرہ ہے جو اگرچہ ٹھیک تاریخی نقطہ نظر سے نہیں لکھا گیا ہے تاہم اس لحاظ سے اردو کے سب تذکروں سے بہتر ہے۔

(دیکھو) گلزارِ ابراہیم تیسری قسم کے تذکروں میں شامل ہے۔ اس میں نہ تو شاعرانہ ترنگوں کے مد نظر معمولی شاعروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور نہ کسی خاص شاعر یا

کے دبستان شاعری کی وکالت یا مخالفت کی گئی ہو۔ علی ابراہیم یوں بھی طبعاً منصف مزاج تھے، اُن کو شاعری کا صحیح ذوق تھا، اور نہ صرف یہی بلکہ اُن کی ان فطری مناسبتوں کو اُن کے پیشے، منصب اور ماحول نے اور بھی پختہ اور راسخ کر دیا تھا۔ اُن کے متعلق اُن کے حکام و دوستوں اور دوسرے معاصروں کی جو خانگی تحریریں اُن وقت موجود ہیں اُن کے دیکھنے سے اُن کے اعلیٰ کردار کے متعلق نہایت اچھا خیال پیدا ہوتا ہے خصوصاً اُن زمانہ کی تمام مشہور شخصیتوں کے جو حالات سداسکھ دہلوی کے ایک غیر جانب دار قلم سے لکھے گئے ہیں اور جو اس وقت برٹش میوزیم کے مخطوطوں میں محفوظ ہیں، صرف ان ہی کا مطلب اللہ علی ابراہیم کے ان عمدہ صفات کی شہادت کے لئے کافی ہو۔

غرض گلزار ابراہیم میں طرف داری یا رنگ آمیزی کا کوئی ثانیہ نہیں، اس کے علاوہ علی ابراہیم اردو کے وہ واحد تذکرہ نویس ہیں جنہوں نے شاعری کے حالات اور اُن کے متعلق تاریخیں جمع کرنے کی حتی الامکان کوششیں کیں اور خوبی یہ ہے کہ اُن کی کوششیں جس حد تک بار آور ہو سکتی تھیں اور ہوئیں اتنی کسی اور تذکرہ نویس کی نہیں ہو سکتی تھیں اور نہ ہو سکیں۔ (ج) اردو کے دوسرے (خصوصاً ۱۲۰۰ ہجری سے قبل کے) تذکرہ نویسوں نے شاعروں کی پیدائش، وفات یا دوسرے اہم واقعات کی تاریخیں لکھنے کا بالکل خیال نہ کیا۔ یہ چیز یوں بھی اُن کے مذاق شعری کے لئے بارگراں تھی، لیکن اگر کوئی اُن کی طرف توجہ بھی کرتا تو وہ علی ابراہیم کے برابر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

علی ابراہیم انگریزی سرکار کے ملازم تھے، وہ مغربی طرز کی تحریروں اور مغربی مذاق سے روشناس ہو گئے تھے اور چون کہ وہ ایک ذی اقتدار حاکم تھے، اپنے مذاق اور مرضی کے مطابق مواد فراہم کرنے میں انہیں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے علاوہ اپنے ماتحتوں اور

ملازمین سے بھی مدد ملی، جو اپنے حاکم کو خوش رکھنے کی خاطر اس کام کی طرف نظر تازہ سے زیادہ توجہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ چوں کہ وہ صاحب ثروت اور ذی اثر آدمی تھے انھوں نے دور دور کے شاعروں سے بھی اُن کے یہاں آدمی روانہ کر کے یادِ اک کے ذریعہ سے حالات طلب کئے۔

ان چند اہم امور کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اور گلزارِ ابراہیم کی خصوصیات پر نظر ڈالنے سے پہلے اس کے اس نقص کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہو کہ وہ ٹھیک پُرانے طریقے پر لکھا گیا ہے اگر علی ابراہیم شاعروں کے حالات اُن کے تخلصوں کے حروف تہجی کے لحاظ سے نہ لکھتے بلکہ اُن کے زمانوں کے لحاظ سے لکھتے تو یہ تذکرہ غالباً اُردو کا ایک بہترین تذکرہ بن جاتا۔

(۲)

گلزارِ ابراہیم اُردو کے اُن چند تذکروں میں سے ہے جو سنہ ۱۲۸۶ء سے پہلے لکھے گئے تھے اگرچہ اس سے بیس پچیس سال قبل ہی میزگر دیزی اور قائم وغیرہ کے تذکرے لکھے جا چکے تھے حیرت ہے کہ علی ابراہیم نے اپنے دیباچے میں ان کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ انھیں اس کا علم نہ تھا، کیوں کہ انھوں نے صاف صاف یہ تو نہیں لکھا کہ اس وقت تک اُردو شاعروں کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا ہے اس کے برخلاف خود اُن کے تذکرے میں ایک دو ایسے تذکروں کا بھی ذکر ہے (دیکھ ذکرِ ذہین اور فخر) جو اس وقت غالباً موجود نہیں ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ علی ابراہیم نے اس تذکرے کو ٹھیک کس تاریخ سے لکھنا شروع کیا وہ اس سے پہلے فادسی کے دو تذکرے لکھ چکے تھے۔ چنانچہ دیباچے میں گلزارِ ابراہیم کی وجہ تصنیف اور تاریخ تحریر وغیرہ کی نسبت لکھتے ہیں:-

”آشائے درد و خاکپائے سخن سبجان علی ابراہیم خاں باوصف تالیف
 دو تذکرہ اشعار فارسی با تدعائے بعض مجتہان یک دل و یک روز موزوں
 طبعان ریختہ کو بخاطر آورد کہ بر خے از اشعار ریختہ با ضبط احوال و اوصاف
 گویندگان بملک تحریر پیوند دہد۔ الحمد للہ اسب العطا یا کہ در زمان سلطنت
 شاہ عالم و آوان وزارت آصف الدولہ
 و در عہد حکومت دارن ہشتن (دارن ہٹنگز)
 این مامول بحصول انجامید و بسال یک ہزار و ہفت صد و ہشتاد و چہار عیسوی و یک ہزار
 و یک صد و نو و دو ہشت ہجری از تسوید اکل فراغ حاصل شد۔۔۔۔۔“

اگرچہ اس عبارت سے تاریخ اختتام سلسلہ ہجری معلوم ہوتی ہے، لیکن کتاب کے
 مطالعے سے ظاہر ہے کہ وہ بعد میں بھی اضافے کرتے رہے۔ نیز یہ کہ اس سے کئی سال پتیر
 ہی سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے یہ کام بڑا اچھا کیا کہ اکثر جگہ شاعروں کے حال کے
 ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ذکر فلاں سن میں لکھا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے آئندہ بہت سی
 تاریخی غلط فہمیوں اور شبہوں کے دور ہونے کی امید ہے۔

(ب) گلزار ابراہیم کے صرف ایک سرسری مطالعے ہی سے کوئی شخص اس کی اس
 عظیم المثال خصوصیت سے واقف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس شاعروں کے حالات لکھتے
 وقت نہایت ہی متبر اور مستند ذریعوں سے مدد لی گئی ہو۔ علی ابراہیم نے دوسرے تذکرہ نویسوں
 کی طرح صرف سنی سنائی باتیں نہیں لکھ دیں بلکہ اکثر شاعروں سے وہ ذاتی طور پر واقف تھے
 کئی ایسے شاعر ہیں جو خود ان کے عزیز تھے۔ بعض عزیزوں کے دوست تھے بعض بچپن
 کے ملاقاتی تھے، بعض ان کے ماتحت دفتر میں ملازم تھے اور بعضوں کے مقدمے

اور کارروائیاں اُن ہی کے ہاتھوں سرانجام پائی تھیں۔

اس قسم کے شاعروں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ یہاں اُن کی فہرست پیش کرنا باعث طول و کثیفیہ ظاہر ہے کہ جن سے وہ ذاتی طور پر واقف تھے اُن کے حالات وہ اپنی ہی یاد اور معلومات کی بنا پر لکھ سکتے تھے یا خود اُن کے دست ان کو لکھ کر دے سکتے تھے مثلاً :-

- ۱۔ شیخ محمد عابد - دل - بسبب محبت کہ بار اتم آثم دارند، ہنگام تالیف میں مجموعہ مشار الیہما خلاصہ دیوان خود را در مرشد آباد ۱۲۹۳ ہجریہ فرستادند.....
 - ۲۔ مرزا محمد علی فدوی دہلوی ”بار اتم آثاست - اشعار منتخبہ خود را بنا برین کہ در تذکرہ اثبات یابد فرستادہ بود.....“
 - ۳۔ غلام محمد، دوست بہاری ”..... بار اتم حقیر در مرشد آباد ملاقات کردہ..... از اشعار خود قریب صد بیت وانمود.....“
 - ۴۔ شیخ فضل علی - شاہ دانا - دہلوی ”..... ہنگام تدوین میں تذکرہ اشعار خود را بنوٹ فقیر داد کہ در تذکرہ ارتسام یابد.....“
 - ۵۔ شیخ غلام محیی حضور، عظیم آبادی ”..... ہنگام تدوین میں تذکرہ منتخب کلام خود دادہ کہ دریں صحیفہ انضمام یابد..... وغیرہ
- لیکن جن سے ذاتی طور پر واقف نہ تھے اُن کے حالات بھی علی ابراہیم نے نہایت کد و کاوش سے جمع کئے۔ جو شاعروں فات پانچکے تھے اُن کے متعلق ان کی اولاد اور عزیزوں سے معلومات حاصل کیں اور جو زندہ تھے اُن سے اشعار اور حالات لینے کا ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا مثلاً :-
- ۱۔ رستم علی خاں، احتشام الدولہ، نواب بہادر - رستم ”..... حنیفہ راقم حقیر نے انہیں تحریر کیا

اوراق با مشائر الیہما اتفاق ملاقات ظاہر نیست اما یہ سماعت صفات حمیدہ ایشان تعارفی
بہم رسانیدہ در بنیاد س ۱۱۹۶ ہجریہ برسم اخلص اشعار مشائر الیہما طلبیدہ در حرف الراء
و حرف الیم ترقیم نمود.....“

۲ - بہاری دس - غزیز..... والجمال کہ سال..... (۱۱۹۶) احوال و پارہ اشعار
خود را از آلہ آباد بایں خاکسار فرستادہ.....“

۳ - نواب محبت خاں - محبت..... در لکھنؤ اقامت و مراسلہ بار اقم دار و چنانچہ در
کمال محبت اشعار خود را باشتوی موسوم باسمہ از محبت کہ حکایت..... فرستادہ.....“

۴ - موتی لال صیف..... اشعارش در سال مذکور از آنجا طلبیدہ تحریر یافت.....“

۵ - خواجہ برہان الدین - آٹمی - دہلوی..... ایں چند بیت از میر حاجی خلف خواجہ
مذکور بدست آئدہ.....“

اس سلسلے میں اس امر کا اظہار بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ علی ابراہیم نے بعض شاعروں کی
روانہ کردہ عبارتیں بھی بعینہ نقل کر دی ہیں جن میں سے میر سوز اور میر حسن کے حسب ذیل
بیانات خاص اہمیت رکھتے ہیں -

۱ - میر سوز..... میر سوز شخصے است کہ هیچ کس را از وجلاوتے جز سکوت اگرہ

حاصل نشود - ایں نیز از قدرت کمال الہی است کہ ہر یکے بلکہ خار و خنہ نیست کہ بکار چند
نیاید - پس اگر منکرے سوال کہ نہ ناکارہ محض نینقادہ است ایں است کہ ہنش سختی است“

۲ - میر حسن..... از سائر اقسام اشعار ابیات مدونہ من قریب ہشت ہزار بیت است

و تذکرہ در ہیجۃ نوشتہ و اصلاح سخن از میر ضیا گرفتہ ام - و مدتیت از دہلی وارد

لکھنؤ گشتہ بالو اب سالار جنگ و خلدن التال لقب بمزرا نوازش علی خاں بہسادر

سرفراز جنگ می گزرا نم“

ساتھ ہی گلزار ابرہہ کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں کسی کے متعلق معلومات نہ ہو سکیں اس کا بھی موقع بموقع ذکر کر دیا ہے مثلاً:-

۱۔ رضا..... تا تحریر اس اوراقِ احوال معلوم نیت، شعرِ سیائے ازوے دیدہ شد.....“

۲۔ میرام الدین دہلوی رنید..... راقم حقیر اوران دیدہ۔ اما زبانی بعضے از دوستان شنیدہ کہ سنجیدہ اطوار بود.....“

۳۔ رسائے..... احوالِ ہنگام تحریر اس اوراق معلوم نشد.....“ وغیرہ
(ج) اردو تذکروں میں ایک عام خامی یہ بھی ہے کہ اُن کے ذریعے سے شاعروں کے خانگی حالات اور کردار و معاشرت پر بہت کم روشنی پڑتی ہے اور گلزار ابرہہ کی یہ خصوصیت بھی آئندہ ادبِ اردو کے طالب علموں کی تحقیق و تفتیش میں بہت مفید ثابت ہوگی کہ اس میں ایسی ایسی معلومات بھی ہیں جو بالعموم قلمبند نہیں کی جاتی مثلاً:-
۱۔ میر مظفر علی آزاد دہلوی ”راقم حقیر میر تذکرہ رادر مرشد آباد دیدہ۔ در ہنگامے کہ بہ نزاکت نام کینے عاشق و منازعہ با پناہ گیم داشت“ معاملہ او مرجوع با حقیر بود۔“
۲۔ مرزا علی رضا۔ رضا..... و بروہب علی نامی عاشق است، وثنوی در بیان عاشقی او وارد.....“

۳۔ متاب رسائے رسوا..... برمنوں نامی عاشق شدہ از افراط محبت کاوش برائی کشیدہ عریاں می گشت و باہر کہ دوچار شد میاں می گفت دی گریست.....“
۴۔ میر عبدالحی۔ تاباں ”جوان رعنائے منظور ناظران“ خاصہ مقول سلیمان نامی بود

زیبائی اور روشن تراز سخن سرا کی او بود.....“
 ۵۔ محمد فضل..... برگوپال نامی عشق و زیدہ حسب حال خود بارہ ماہ مشہور
 بیکٹھ کمانی منظوم نمودہ.....“

۶۔ محمد چاند۔ رنشاں..... برزغفران نامی عاشق شدہ.....“ وغیرہ

(۵) ان خانگی باتوں کے علاوہ بعض ایسے امور بھی اس تذکرے میں ملتے ہیں جو
 اردو شاعری کی تاریخ میں ضرور اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے جہاں خاص خاص شاعروں
 کی شعری پیداوار کے متعلق علم ہوتا ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۰۰ ہجری سے
 قبل ہی شمال میں اردو شاعری کہاں تک ترقی حاصل کر چکی تھی، اس میں کون کون سی
 اصناف شاعری کس حد تک رائج تھیں اور شاعروں کا خزانہ کہاں تک وسیع ہو گیا تھا۔
 یہ بات ضرور قابل ذکر ہے کہ اس وقت تک اردو میں مرثیہ گوئی کو خاص ترقی
 ہو چکی تھی۔ اس امر کے جس قدر ثبوت گلزار ابرہیم سے حاصل ہوتے ہیں اُس زمانے
 کے شاید ہی کسی اور تذکرے سے مل سکیں۔ جب ذیل چند مثالوں سے معلوم ہو گا کہ اُس
 وقت مرثیہ گوئی کس قدر عام ہو گئی تھی اور کون کون سے شاعر اس میں مشغول تھے :-

۱۔ خواجہ برہان الدین۔ امی۔ دہلوی..... از مشاہیر مرثیہ گویان دہلوی است.....“

۲۔ اسدیار خاں۔ انسان دہلوی..... بیشتر بمرثیہ گفتن رغبت دارد.....“

۳۔ مرزا ظہور علی۔ خلیق دہلوی..... در سبقتی ہندی و مرثیہ خواندن بنایت ہمارت

دارد.....“

۴۔ خلیفہ سکندر۔ سکندر..... در مرثیہ گفتن کمال اقتدار و سلیقہ دستی دارد اکثر

در زبان پوربی و مارواری و پنجابی مرثیہ گفتہ.....“

۵۔ شاہ قلی خاں ہشاہی..... بیشتر مرثیہ می گفت

۶۔ میر تقی علی، ضبر فیض آبادی..... بیشتر مرثیہ می گوید..... وغیرہ
مرثیہ کے علاوہ مثنویوں اور دیگر نظموں کے متعلق بھی گلزار ابرار بہیم سے کافی

معلومات ہوتی ہیں مثلاً :-

۱۔ میر سادات علی - سادات - امرہوی..... مثنوی پہلی سجنوں کہ در زبان نواب قمر الدین

وزیر دو عاشق و مشوق درد ملی گذشتہ اندگفتہ و در اشعار رعایت ایہام می کرد

۲۔ میر محمد سلیم - سلیم عظیم آبادی..... مثنوی در ریختہ مشتمل بر سائنہ عجیب واقعہ ناحیہ

عظیم آباد ترتیب دادہ کہ خالی از حالتے نیت

۳۔ افضل الدین خاں فیض - دکنی..... در تعریف یکے از شاہزاد ہائے دکن -

مثنوی بجاورہ دکن گفتہ

۴۔ فدوی - لاہوری..... یوسف زلیخا بہ زبان ریختہ گفتہ و میر فتح علی شیدا

در ہجو اوقصہ بوم بقال ضبط نمودہ

۵۔ کترین - دہلوی..... شہر آشوبے در ہجو ہر قوم گفتہ

۶۔ حمایت علی مجنون..... ساتی تمامہ حکم..... گفتہ

۷۔ حاجی افضل علی - ممتاز دہلوی..... مثنوی در تعریف لائچی بہ بحر مخزن اسرار گفتہ

۸۔ محمد اشرف - اشرف..... شیر نامہ بوسے منسوب است

۹۔ گل علی بیگ سہیل..... مثنوی بربندک نامہ از وسے شہر تے دایرہ..... وغیرہ

(۵) گلزار ابرار بہیم کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت اودھ کے مغرب

میں اردو شعروں کا شعری نے جو ترقی حاصل کی تھی اس کا یہ کم و بیش ایک مکمل تذکرہ ہے

مرشد آباد اور عظیم آباد کے رہنے والے شاعروں کے علاوہ ان اہل کمالوں کا بھی اس میں
ضمناً ذکر کیا ہے، جو ہندوستان کے متفرق حصوں سے وہاں پہنچے۔
عظیم آباد اور مرشد آباد کے علم فضل یا شعر و سخن پر جو کچھ بھی آئندہ لکھا جائے گا
اس کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہو سکے گی جب تک گلزار ابراہیم کے مواد سے مدد نہ لی جائے

(۳)

گلزار ابراہیم کی خصوصیتوں کے متعلق چند نوٹ پیش کر دینے کے بعد غالباً یضریحاً
ہے کہ اس کے ترجمے گلشن ہند کے متعلق بھی کچھ لکھا جائے۔

علی لطف نے اس پوری کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن انھوں نے اس
کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصہ میں ”سلاطین نامدار“ و ”وزراء و اوتار“ امرائے عالی
مقدار اور شعرائے صاحب وقار کے حالات جمع کئے ہیں جو اتفاق سے حیدر آباد دکن
میں ہاتھ لگ گیا اور چند صاحب قدروں کی متفقہ کوشش سے اشاعت بھی پا گیا۔
لیکن دوسرا حصہ جس میں نوشی اور گم نام شاعروں کے حالات تھے، نہ معلوم مرتب بھی
ہوا تھا یا نہیں۔

گلزار ابراہیم میں کل ۳۰ شاعروں کا ذکر ہے جس میں سے علی لطف نے اپنے ترجمے کے پہلے حصہ کے
صرف ۶۸ شاعروں کا انتخاب کیا تھا۔ مضمونہ گلشن ہند کے ۶۸ شاعروں کے علاوہ گلزار ابراہیم میں جن جن شاعروں
کا تذکرہ ہے ان کی ایک فہرست ذیل میں پیش کی جاتی ہے، تاکہ اس امر کا علم ہو سکے کہ اگر
علی لطف نے دوسرا حصہ لکھا بھی تھا تو اس میں کون کون سے شاعر شامل تھے یہ بھی کہ سنہ ۱۲۰۰ھ
سے قبل اردو کے کون کون سے شاعر ایسے تھے جن کا علی ابراہیم جیسے مصنف نے
بھی ذکر لکھنا ضروری سمجھا نیز یہ کہ وہ کون ہیں جو علی لطف کی نظروں میں نوشی یا گم نام مشہور

پائے تھے۔

۱۔ فضل۔ محمد فضل

۲۔ احمد گجراتی

۳۔ امجد

۴۔ انصاف

۵۔ اشرف

۶۔ اشرف۔ محمد اشرف

۷۔ آزاد۔ خواجہ زین العابدین

۸۔ آزاد۔ میر مظفر علی دہلوی

۹۔ انصح۔ شاہ نصیح

۱۰۔ آٹمی۔ خواجہ برہان الدین دہلوی

۱۱۔ انسان۔ اسد یار خاں

۱۲۔ احسن۔ احسن اللہ

۱۳۔ آشنا۔ میوزین العابدین دہلوی

۱۴۔ آشنا

۱۵۔ المام۔ فضائل بیگ

۱۶۔ آگاہ۔ محمد صلاح دہلوی

۱۷۔ آگاہ۔ نور خاں

۱۸۔ افغان۔ الف خاں

۱۹۔ انگار۔ میر حبیب

۲۰۔ امیر۔ محمد یار خاں

۲۱۔ اکرم۔ خواجہ محمد اکرم دہلوی

۲۲۔ اسد۔ میر انانی دہلوی

۲۳۔ اولاد۔ میر اولاد علی

۲۴۔ انور۔ غلام علی

۲۵۔ اجل۔ شاہ محمد اجل آبادی

۲۶۔ اعظم۔ محمد اعظم

۲۷۔ اعلیٰ۔ میر علی علی

۲۸۔ انظر۔ میر غلام علی دہلوی

۲۹۔ امامی۔ خواجہ امام بخش عظیم آبادی

۳۰۔ اولیا۔ میر اولیا ہمانی

۳۱۔ احمدی۔ شیخ احمد وارث

۳۲۔ انتظار۔ علی نقی خاں دہلوی

۳۳۔ آہ۔ میر مہدی

۳۴۔ احسان۔ میر شمس الدین

۳۵۔ بہار۔ ٹیک چند

۳۶۔ بے نوا

۳۷۔ شاہ بھچپا

۳۸۔ بے قید۔ سید فضائل علی خاں

- ۳۹- پیام شرف الدین علی خاں -
۴۰- بھکاری لال
۴۱- بیزنگ - دلاور خاں
۴۲- بے کل - عبدالوہاب - اوزنگ آبادی
۴۳- بیتاب - محمد اسماعیل
۴۴- بیتاب - سنتو کہ سنگھ
۴۵- بیتاب - شاہ محمد علیم
۴۶- پاک باز - میر صلاح الدین
۴۷- پروانہ - سید پروان علی مراد آبادی
۴۸- پروانہ - راجہ حبونت سنگھ
۴۹- بسمل
۵۰- بسمل گدا علی بیگ
۵۱- تاپاں - میر عبدالحی
۵۲- تمکین - میر صلاح الدین دہلوی
۵۳- تقی - سید محمد تقی دہلوی
۵۴- قصور
۵۵- تصویر - شاہ جواد علی مراد آبادی
۵۶- تما - خواجہ محمد علی عظیم آبادی
۵۷- ثاقب - شہاب الدین
۵۸- ثابت - شجاعت اللہ خاں
۵۹- ثابت - اصالت خاں
۶۰- جواب - کاظم علی دہلوی
۶۱- جوہر - مرزا احمد علی دہلوی
۶۲- جودت - ہرے رام مرشد آبادی
۶۳- جرأت - میر شیر علی
۶۴- جلال - میر رمضان علی
۶۵- میاں جگنو
۶۶- جان عالم خاں
۶۷- جنون
۶۸- جنون - شیخ غلام نقوی مراد آبادی
۶۹- حشمت - میر محترم خاں
۷۰- حشمت - محمد علی
۷۱- حیدر - غلام حیدر
۷۲- حیدر - علی شاہ دکنی
۷۳- حبیب اللہ
۷۴- حیرت - مراد علی - مراد آبادی
۷۵- حیدری - شیخ غلام علی
۷۶- میر عابد

- ۷۷ - حضور - دہلوی
۷۸ - حضور - شیخ غلام سہیلی
۷۹ - حسن میر محمد حسن دہلوی
۸۰ - حسن - میر محمد حسن
۸۱ - حیف موتی لال
۸۲ - خلیق - مرزا طور علی دہلوی
۸۳ - خادم - خادم حسین خاں عظیم آبادی
۸۴ - دانا - شیخ فضل علی شاہ
۸۵ - درد - میر کرم اللہ خاں
۸۶ - دوست غلام محمد
۸۷ - داؤد - داؤد بیگ
۸۸ - دل - شاہ فتح محمد
۸۹ - درخشاں - منکوبیگ
۹۰ - ذہین - میر مستعد
۹۱ - ذاکر - حسین دوست مراد آبادی
۹۲ - زند - شاہ حمزہ علی دہلوی
۹۳ - راغب - محمد جعفر خاں دہلوی
۹۴ - رفت - شیخ محمد رفیع الہ آبادی
۹۵ - رہوا - کتاب رائے
- ۹۶ - رسائی
۹۷ - رخشاں - محمد چاند
۹۸ - رضا - میر رضا عظیم آبادی
۹۹ - رضا - مرزا علی رضا
۱۰۰ - رضا -
۱۰۱ - راقم - بند بربن
۱۰۲ - رنگین
۱۰۳ - رنگین - مرزا امان بیگ -
۱۰۴ - رشید
۱۰۵ - رضی - سید رضی خاں
۱۰۶ - رستم - رستم علی خاں احتشام الدولہ
۱۰۷ - رخصت - میر قدرت اللہ دہلوی
۱۰۸ - زند - مہربان خاں -
۱۰۹ - زکی - جعفر علی خاں دہلوی
۱۱۰ - زار - منٹل بیگ
۱۱۱ - زار - میر مظہر علی دہلوی -
۱۱۲ - سوزاں - احمد علی خاں شوکت جنگ
۱۱۳ - سرب - میر میراج الدین اورنگ آبادی
۱۱۴ - سلیمان

- ۱۱۵- سامان - میر ناصر جوہری
 ۱۱۶- سعادت - میر سعادت علی خاں
 ۱۱۷- سید - میر امام الدین دہلوی
 ۱۱۸- سید - میر یادگار علی
 ۱۱۹- ساقی - میر حسین علی
 ۱۲۰- سکندر - خلیفہ سکندر
 ۱۲۱- سلیم - میر محمد سلیم عظیم آبادی
 ۱۲۲- شاہی - شاہ قلی خاں دکنی
 ۱۲۳- شاکر - محمد شاکر
 ۱۲۴- میر شاہ علی خاں دہلوی
 ۱۲۵- شفا - حکیم یار علی
 ۱۲۶- شاعر - میر ککو
 ۱۲۷- شیدا - میر فتح علی
 ۱۲۸- شوق حسین (حسن) علی
 ۱۲۹- شاداب - لالہ خوش دقت رائے
 ۱۳۰- شہرت مرزا محمد علی دہلوی
 ۱۳۱- شانی - ابن الدین خاں
 ۱۳۲- شہید غلام حسین
 ۱۳۳- شرف - میر محمدی
 ۱۳۴- شفیع - میر محمد شفیع
 ۱۳۵- مصصام الدولہ - خواجہ محمد عالم
 ۱۳۶- صنعت - منٹل خاں
 ۱۳۷- صفدری - حیدر آبادی
 ۱۳۸- صادق - میر حفیظ خاں
 ۱۳۹- صبر محمد علی فیض آبادی
 ۱۴۰- ضمیر - سید ہدایت علی خاں
 ۱۴۱- ضاحک - میر غلام حسین
 ۱۴۲- طیش - دہلوی
 ۱۴۳- طالع شمس الدین
 ۱۴۴- طرز - گردھاری لال
 ۱۴۵- ظاہر - خواجہ محمد خاں
 ۱۴۶- ظہور - لالہ شیوننگھ
 ۱۴۷- عارف - محمد عارف
 ۱۴۸- عمدہ - سیتارام
 ۱۴۹- حاصی - نور محمد - بریلان پوری
 ۱۵۰- عاجز - عارف علی خاں
 ۱۵۱- عمر - معتبر خاں دکنی
 ۱۵۲- عزیز - بھکاری داس

- ۱۵۳- عظیم - محمد عظیم
 ۱۵۴- عاشق - میر علی دکنی
 ۱۵۵- عاشق - علی اعظم خاں
 ۱۵۶- عاشق - میر ربان الدین
 ۱۵۷- عاشق - منشی عجائب رائے
 ۱۵۸- غالب - سید الملک اسد اللہ خاں
 ۱۵۹- غریب - میر تقی دہلوی
 ۱۶۰- فارغ - دہلوی
 ۱۶۱- فضل - شاہ فضل علی دکنی
 ۱۶۲- فضلی - فضل الدین خاں دکنی
 ۱۶۳- فرخ - میر فرخ علی
 ۱۶۴- فراق - قاضی قاضی خاں دکنی
 ۱۶۵- فراق - شہداء اللہ دکنی
 ۱۶۶- فدا - سید امام الدین
 ۱۶۷- فرصت - رزا الف بیگ
 ۱۶۸- فدوی - لاہوری
 ۱۶۹- فخر - میر فخر الدین
 ۱۷۰- فروغ - میر علی اکبر
 ۱۷۱- فیض - میر فیض علی
- ۱۶۲- فرایہ - لاد صاحب رائے
 ۱۶۳- قبول - عبد انبی بیگ
 ۱۶۴- قدر - محمد قدر علی
 ۱۶۵- قسمت
 ۱۶۶- قلندر - لاد بدھ سنگھ
 ۱۶۷- قربان - میر حبیب
 ۱۶۸- قناعت - مرزا محمد بیگ
 ۱۶۹- کترین - دہلوی
 ۱۷۰- شاہ کاکل دہلوی
 ۱۷۱- کافر - میر علی نقی دہلوی
 ۱۷۲- گریاں - میر علی امجد
 ۱۷۳- گمان - نظر علی خاں
 ۱۷۴- لطفی - دکنی
 ۱۷۵- لسان - میر کلیم اللہ
 ۱۷۶- محقق - دکنی
 ۱۷۷- منزل - محمد منزل
 ۱۷۸- مخلص - رائے انند رام
 ۱۷۹- موزوں - راجہ رام نراین
 ۱۸۰- منہم

- ۱۹۱- میرمدد اللہ
۲۱۰- مرزا - نواب مرزا دہلوی
- ۱۹۲- محزون - سید محمد حسین
۲۱۱- مرزا - مرزا علی رضا
- ۱۹۳- محسن - محمد محسن
۲۱۲- مجنون - شاہ مجنون
- ۱۹۴- مستمند دہلوی
۲۱۳- مجنون - حمایت علی
- ۱۹۵- نال - محمدی دہلوی
۲۱۴- مبین - شیخ معین الدین
- ۱۹۶- نال - میردایت علی
۲۱۵- مدعا - میر عودض علی
- ۱۹۷- مسکین - لالہ نجبت اللہ
۲۱۶- مدہوش - میرنی خاں
- ۱۹۸- منتظر - خواجہ بخش اللہ
۲۱۷- مصیب - شاہ غلام قطب الدین
- ۱۹۹- مرزائی - محمد علی خاں
۲۱۸- ممتاز - حافظ فضل علی
- ۲۰۰- مخلص - بدیع الزماں خاں
۲۱۹- مشتاق - میرحسن دہلوی
- ۲۰۱- مختصر کشتیری
۲۲۰- مشتاق - محمد قلی خاں
- ۲۰۲- مفتون - کاظم علی
۲۲۱- مغموم - رام حسن
- ۲۰۳- محترم - خواجہ محمد محترم
۲۲۲- نظام - غازی الدین خاں
- ۲۰۴- مضمون - سید امام الدین خاں
۲۲۳- میر - غلام نبی بلگرامی
- ۲۰۵- محب - شیخ ولی اللہ
۲۲۴- نثار - میر عبدالرسول
- ۲۰۶- منشی - غلام احمد
۲۲۵- نثار - سدا سکھ
- ۲۰۷- مجروح - منشی کشن چند
۲۲۶- ندیم - شیخ علی قلی
- ۲۰۸- محنت - مرزا حسین علی بیگ
۲۲۷- نادر - دہلوی
- ۲۰۹- مردت - سنبھلی
۲۲۸- نالان - میر احمد علی

- ۲۲۹ - نالائ - میر وارث علی
 ۲۳۰ - نجات - شیخ حسن رضا
 ۲۳۱ - نزاو - خواجہ محمد اکرم
 ۲۳۲ - نالائ - محمد عسکر علی خاں
 ۲۳۳ - ولایت - میر ولایت اللہ خاں
 ۲۳۴ - وارث - محمد وارث
 ۲۳۵ - وفائی - لالہ نول رائے
 ۲۳۶ - وحشت - میر ابو الحسن
 ۲۳۷ - وحشت - میر بہادر علی
 ۲۳۸ - واقف - شاہ واقف
 ۲۳۹ - وصل - مرزا اسحاق
 ۲۴۰ - وہم - میر محمد علی
- ۲۴۱ - والد - میر بابک علی
 ۲۴۲ - بادی - دہلوی
 ۲۴۳ - ہویا - میر محمد اعظم
 ۲۴۴ - ہدایت - ہدایت علی
 ۲۴۵ - ہمد عظیم آبادی
 ۲۴۶ - میر - ہینگا دہلوی
 ۲۴۷ - ہاتھ - مرزا محمد
 ۲۴۸ - یونس - حکیم یونس
 ۲۴۹ - یکو - عبد الوہاب
 ۲۵۰ - یار - میر احمد دہلوی
 ۲۵۱ - یاس - حسن علی خاں

اس فہرست کے پیش کرنے کے بعد نامناسب نہ ہوگا اگر ان امور کا بھی ایک جگہ ذکر کر دیا جائے جو گلزارِ ابراہیم اور گلشنِ ہند کے ایک سرسری مقابلی مطالعے سے ظاہر ہوئے ہیں (ب) گلشنِ ہند میں سب سے نمایاں چیز وہ اصناف ہیں جو لطف کی ذاتی معلومات کی پیداوار ہیں۔ یہ کئی حیثیتوں سے اہم ہیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ کون کون سے شاعر ایسے تھے جن میں ۱۹^{۱۱}ء سے ۲۱^{۱۱}ء ہجری کے درمیانی زمانے تک (یعنی ۷۱ سال کے عرصے میں) کوئی خاص اہمیت پیدا ہو گئی تھی۔ یا جن کے حالات میں کوئی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ اس کے علاوہ ان سے جہاں علی ابراہیم کی معلومات کی نوعیت کا

پتہ چلتا ہے، لطف کے ذاتی مستندات اور خیالات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی سلسلے میں شاید اس امر کا اظہار بھی ضروری ہو کہ لطف نے صرف ۳۰ یا ۳۲ شاعروں ہی کے ذکر میں اضافہ کئے ہیں۔ نیز یہ کہ بعض ایسے شاعروں میں اضافہ نہیں کیا جن میں وہ یقیناً کر سکتے تھے کیوں کہ یا تو وہ لطف کے زمانے تک زیادہ مشہور ہو گئے تھے یا ان کی زندگی کے حالات میں کوئی نہ کوئی تغیر ضرور ہوا تھا۔ جیسا کہ قائم مصحفی، بے جگر، سداسکھ وغیرہ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ جن شاعروں کے ذکر میں لطف اضافہ کر سکتے تھے ان میں سے چند یہ ہیں :-

(۱) آبرو (۲) اثر (۳) بیدار (۴) حاتم (۵) سوز (۶) ضیاء (۷) فغاں -
لطف کے چند قابل ذکر اضافوں کا اجمالی بیان یہ ہے -

۱۔ شاہ عالم آفتاب، ابوالحسن تانا شاہ، آصف الدولہ، آصف، عمدۃ الملک امیر خاں انجام، قزلباش خاں امید اور سراج الدین علی خاں آرزو۔ ان پانچوں کے ذکر میں لطف نے بہت زیادہ اور بہت مفید تاریخی حالات کا اضافہ کیا ہے، نمونہ کلام بھی زیادہ پیش کیا ہے۔ اگرچہ سطروں وغیرہ کی تعداد سے مواد کی کمی یا زیادتی کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ایک دھندلا سا خیال تو قائم کیا جاسکتا ہے اس لئے شاید نامناسب نہیں اگر لکھا جائے کہ ان کا ذکر گلزارِ ابرارِ اہم میں صرف اس قدر ہے :-

۱۔ آفتاب - ۵ سطر ۲ شعر

۲۔ تانا شاہ - ۲ " ۱ "

۳۔ آصف - ۱۰ " ۱۱ "

۴۔ انجام - ۵ " ۲ "

۵۔ اُمید۔ ۴ سطر اشعر

۶۔ آرزو ۲ ۱/۴ ” ۴ ”

۲۔ آشفٹہ۔ مرزا رضا علی کے ذکر میں علی ابراہیم نے لکھا ہے کہ ۱۔

”تاہمین تحریر میں اور اق احوال معلوم نشد۔ ظاہر اور لکھنؤ می گزارند“
لیکن علی لطف نے بہت کچھ لکھا ہے (دیکھو ذکر آشفٹہ)

۳۔ مرزا عبدالقادر بیدل کے ذکر میں ابراہیم نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ۱۔

”احوال آل قادر بخیر و در تذکرہ فارسی مسطور“ علی لطف نے بہت اچھا مواد پیش کیا ہے (دیکھو ذکر بیدل)

۴۔ سورا کا ذکر اگرچہ بالکل لفظی ترجمہ ہے، لیکن علی لطف کے یہاں ”چھ ہزار سالیانہ کی جاگیر سے لے کر آخر تک کے جملے اضافہ ہیں (علی ابراہیم کے یہاں کل ۱۲ سطر ہیں اور تقریباً ۱۵۰۰ اشعر مثلاً لکھے گئے ہیں)

۵۔ فقیر اور قائم کے ذکر میں بہت زیادہ اور بہت اچھا اضافہ کیا ہے۔ خصوصاً مؤخر الذکر کے کلام کی نسبت رائے اور سند وفات کا بھی اضافہ لطف ہی کی جانب سے ہے

۶۔ میر کے ذکر میں لطف نے بھی اضافہ کیا۔ پہلے کی صرف آٹھ سطر ہیں ابراہیم سے

ماخوذ ہیں۔ گلزار ابراہیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک (یعنی ۱۱۹۶ ہجری میں)

میر دہلی ہی میں تھے (ابراہیم نے میر کے حال میں ۴ سطر لکھیں اور ۵۴۰ اشعر نقل کی ہیں)

۷۔ مجذوب مصحفی اور منت کے ذکر میں بھی بہت اہم اضافہ ہیں۔ علی ابراہیم کے

ہاں پہلے دونوں کا ذکر ۳ سطروں میں اور منت کا ۸ سطروں میں ہے۔

ان شاعروں کے علاوہ اور جن جن کے حالات میں لطف نے اضافہ کئے ہیں ان

میں سے اکثر یہ ہیں :-

(۱) اشتیاق (۲) حس (۳) الہام (۴) اہم (۵) انشا (۶) افسوس (۷) بقا
(۸) جرأت (۹) حسرت (۱۰) حیران (۱۱) خاکسار (۱۲) عشق (۱۳) قدرت (۱۴)
کلیم (۱۵) منظر (۱۶) مضمون (۱۷) مخلص (۱۸) محبت

(ج) علی لطف کے بعض غوطلب امور سے خالی نہیں ہیں۔ ان سے ایک تو مترجم کی ذہنیت معلوم ہوتی ہو اور دوسرے خود ترجمے کی بعض خصوصیات بھی ظاہر ہوتی ہیں اس ضمن میں سب سے عام اور معمولی بات ترجموں کی طوالت ہو۔ فارسی عبارتوں کا سادہ اور مختصر سی اردو میں ترجمہ کرنا (خصوصاً اُس زمانے میں) کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور لطف کے طویل اور دور اذکار ترجموں کی مدافعت کے لئے یہ بات ضرور کارگر ہو جاتی، لیکن جب بعض اور معمولی معمولی باتوں کی طرف نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لطف نے عمداً ترجمے کو طویل بنانے کی کوشش کی ہو مثلاً :-

(۱) گلزار ابرہیم میں جہاں لفظ ”دہلوی“ لکھا ہوا ہے، اس موقع پر گلشن ہند میں ہمیشہ ”شاہ جہاں آبادی“ لکھا گیا ہے۔ حالاں کہ لفظ دہلوی کے استعمال میں کوئی قباحت نہ تھی۔

(۲) کئی جگہ سادہ سے سادہ باتوں کو اس طرح توڑ مڑ کر لکھا ہے کہ عبارت میں خواہ مخواہ پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ذیل میں مقابلے کے لئے گلزار ابرہیم اور گلشن ہند کی دو تین عبارتیں نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں :-

گلزار ابرہیم گلشن ہند

”میر غلام حسین شورش میر غلام حسین شہور بہیمینا“ ”شورش تخلص، میر غلام حسین نام بہون

عظیم آباد کے مشہور میرھنپیا کر کے تھے
 بھانجے تھے ملا میر وحید کے اور مشورہ
 سخن کیا تھا میر باقر حزیں تخلص سے علی ابراہیم
 خاں مرحوم نے گلزارِ ابراہیم میں لکھا ہے کہ
 ”میرے آنتھے“ اور بیماری میں غرور
 کی مبتلا تھے۔ فقط اپنے خیالِ فاسد سے
 انھوں نے اپنے کلام کی قیامتوں پر القاف
 نہیں کیا ہے اس سبب سے سخن ان کا ہمیشہ
 موردِ اعتراض سخن گیروں کا رہا ہے۔
 ایک تذکرہ شعرائے ہند کا زبانِ رنجیت میں
 انھوں نے لکھا ہے۔ لیکن وہ بھی سبب ان
 کی خود پسندی کے خالی ظن اور زل سے
 نہ تھا۔ ۱۱۹۵ء ہجری میں اس سرے فتنے
 جادہ نور و منزل بقا کے ہوئے۔ دیوان ان کا
 زبانِ رنجیت میں مرتب ہے۔ یہ ان کے کلام
 کا منتخب ہے۔

”صانع تخلص“ نظام الدین احمد نام۔
 ساکن بلگرام، علی ابراہیم خاں مرحوم نے
 لکھا ہے کہ ”مجانِ قدیم سے مرزا محمد رفیع

خواہر زادہ ملا میر وحید و شاگرد میر باقی حزیں
 بایں۔ خاکسار۔ اشتابود۔ محض ہندو القاف
 بقبرائے افکار خود نمی نمود۔ تذکرہ در رنجیت
 تالیف نموده۔ خالی از در سے و حالت ہند
 در سنہ یکزار و یکصد و نو دویج ہجری
 رحلت کردہ۔ اشعارش مدون ویران شد
 خلاصہ دیوان اوست“
 (دونوں مخطوطوں میں بعینہ ہی عبارت
 ہے)

(۲) نظام الدین احمد، صانع، بلگرامی۔
 ”صانع بلگرامی۔ نظام الدین احمد۔ از
 دوستان یں خاکسار و محبان مرزا محمد رفیع

سودا ست - اشعار فارسی مدون دارد
 و ریختہ کتر می گوید - از خواندن اشعار خوب
 بسیار متأثر می شود - بعالم اخلاص مستثنی
 و ذہنش بفہم اشعار رساست - احوال ہاں
 بیت و دویم شاہ عالم بادشاہ در مرشد آباد
 و کلکتہ بسر می برد از دست

دو دونوں نسخوں میں یہی عبارت ہے
 اور دونوں میں مثال کے شعر نہیں ہیں

سودا کے اور دوستان صمیم سے ہن گاہ
 کے تھے - بڑے صاحب در و تاثیر اور
 طبیعت کی گدازی میں بے نظیر! چچا شعر
 جب کسی سے سنتے تو گھڑیوں روتے اور
 بچپن رہتے - عالم اخلاص اور دوستی میں
 زمانے کے افتخار استقامت طبع اور ساری
 ذہن میں مستغنی روزگار تھے - سن باسیویں
 تک جلوس شاہ عالم بادشاہ غازی کے
 ہمیشہ مرشد آباد اور کلکتہ میں آیام زندگی
 کے بسر کرتے تھے - آخر سنہ (دھچوڑ
 دیا ہے) ہجری میں ملک وجود سے نعت نعر
 کا باندھ کے راہی کشور عدم کے ہوئے
 فارسی دیوان مرتب ہے ان کا اور ریختہ
 کا شوق کتر تھا - یہ اشعار اس نکو کردار
 کے ہیں

..... علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے
 کہ ”یہ عزیز میرا اخلاص مند تھا اور عزت
 کا مورد گزند تھا - جب کہ دہلی سے مرشد آباد
 میں آیا اور طور سکونت کا وہاں ٹھہرایا جو

(۳) شیخ فرحت اللہ فرحت
 ”..... اردہلی پہ مرشد آباد آندا وہ روزگار
 بسر بردہ“ و فیض احسان رعایت حاش رقم
 آثم می نمود - تا آن کہ در ہمال پلہ ۱۹۱۱ء

از جہاں در گزشت

مجھ سے ہو سکتا تھا خبر گیرانِ حال گاہ گاہ
ہوتا تھا۔ غرض بہت تنگیِ معیشت کے مآلہ
عزیز کا نباہ ہوتا تھا۔ آخر ابراہیمؑ
میں اسی بدہ کے اندر انتقال کیا اور
دار الحمن سے خلافت اپنے تخلص کے
بہت منہموم گئی۔

(۵) اسلوب بیان کی پیچیدگی اور بے جا طوالت کے علاوہ علی لطف کے ترجمے
میں چند اور نقائص بھی ہیں۔ اگر علی لطف علی ابراہیم کا بعینہ ترجمہ کر دیتے تو غالباً اپنے
ترجمے کو گلزار ابراہیم کی بعض اعلیٰ خوبیوں سے محروم نہ کر دیتے۔

جہاں جہاں علی ابراہیم کے ذاتی حالات اور خیالات کی جھلک نظر آتی تھی علی لطف
نے اس کو بالکل نیت و نابود کر دیا۔ گلشنِ ہند سے علی ابراہیم کی دوستیوں اور
رشتہ داریوں کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ مرزا جواں بہت جب بنارس آئے تو علی ابراہیم کا
عہدہ دار کی حیثیت سے ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور شہزادے کی عنایات وغیرہ کے
ذکر سے بھی گلشنِ ہند محروم ہے۔ اسی طرح نقیہ صاحب درد مند اور نوابِ محبت خاں
وغیرہ کے ساتھ خانگی تعلقات کی جو معلومات گلزار ابراہیم میں ہیں ان سب کا علی لطف
نے خون کر دیا ہے۔

گلزار ابراہیم میں بعض باتیں ایسی تھیں جو بعینہ پیش کر دینے کے قابل تھیں ان
کا ترجمہ کرنا کئی لحاظ سے نامناسب تھا۔ مثلاً علی ابراہیم نے بعض شاعروں سے حالات
طلب کئے تو انہوں نے اپنے متعلق جو تحریریں روانہ کی تھیں علی ابراہیم نے ان کو بعینہ

نقل کر دیا ہے۔ لیکن لطف نے ان کا ترجمہ کر کے اُن کی شان کھودی۔ اس قسم کی تحسیروں میں میر سوتر اور میر حسن کے بیانات قابل ذکر ہیں۔ جو پیش کئے جا چکے ہیں۔

(۴) علی لطف ان امور کے غالباً غیر ارادی طور پر مرتکب ہوئے تھے، لیکن ان کے علاوہ بعض ایسی باتیں بھی نظر آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے چند حالات و خیالات کا اپنی جانب سے عمداً اضافہ کیا اور جو اس بات کے کافی شاہد ہیں کہ علی لطف اپنے مذہبی مستقدمات کو اپنے ترجمے میں جھلکائے بغیر نہیں رہ سکے۔

علی ابراہیم کی حسب ذیل عبارتیں جب علی لطف کے ترجموں کے مقابلے میں پڑھی جائیں گی تو معلوم ہوگا کہ علی لطف اپنے بیانات کے کہاں تک ذمہ دار ہیں :-

(۱) شاہ ولی اللہ اشتیاق :-

”اشتیاق تخلص‘ سرہندی۔ آتش ولی اللہ‘ از سلسلہ تجدد الف ثانی است۔

جدش شاہ محمد گل۔ در کوئلہ فیروز شاہ می ماند۔ درویشانہ می زیت۔ بکتر شعر فارسی

و بیشتر شعر ہندی می گفت از دست ...“

(۲) مرزا منظر جان جاناں :-

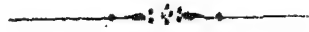
(حالات کے بعد شہادت کے قصبے کو حسب ذیل سادہ طریقہ پر لکھا ہو جو لطف کے

بیان سے مقابلہ کرنے کے قابل ہے۔

”..... گویند بسبب تعصب مذہب منع تعدیہ سید الشہداء علیہ السلام می نمود۔

بدین جہت نزدست یکے از ساکنان دہلی سنہ یک ہزار و یکصد و نو و چہار ہجری کہ عمرش
قریب صد بود مقتول شد....“

اسی سلسلے میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ علی لطف نے بعض ایسے امور میں
بھی علی ابراہیم سے اختلاف کیا یا اُن کے بیان میں اضافے کئے ہیں۔ جن سے اُن کے
ذاتی مستحکات کو بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ ان کا ظہور یا تو محض ادبی اور
تاریخی نقطہ نظر سے ہوا ہے یا بہت ممکن ہے کہ ان کے پس پردہ بھی کوئی مقصد ہو۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ کلزار ابرہم

رعنائی کلام مجمل کی ست کہ انجائے سخنان روح پرور را بمنزلہ جان در قاب زیبا
انواع انسان ریختہ۔ و برائے اظہار توحید در کثرت شیونات گفتار محاورہ سنجان دہلی را بہ لغات مختلفہ
بر آمیختہ و زیبائی تقریر بہ لغت فصیح ست کہ دلہائے نیلگون در قبول تاثیر کلامش مانند موم بر آئینہ
نقش نیلگون ست و ندائے معجزانہ تائیس نگریرہ را قوتِ ناطقہ و راستین علیہ و علیٰ وصیہ و آلہ
افضل الصلوٰۃ و اکمل التیات اما بعد بر ضمیر کتہ سنجان سخن پرور و حرف پردازان دانشور پیدا و
ہویدا ست کہ اگرچہ زبان تازمی و عجمی سامعہ نواز اسنہ امصار دیگر ست اما قطع نظر از اعتنائ
اختلاف طبائع جدیدہ انصاف معانی کمریرہ را در لغات و اصطلاحات ہر طائفہ آب و رنگ قبول
حاصل می شود چہ محسنات و ممنوعات در سائیر کلام موزون مقبول و مردود ست و چنان کہ باوہ
عشرت فزار از مقارنت آبگینہ ہائے مختلف الالوان بغیرے در کیفیت نشہ رانی باید بچشم شاہد
مضمون غریب و جمیلہ معنی خاص از اقتباس الفاظ ردیہ و محاورات نامرضیہ زشت و نازیب

نمی گردود ازین قرار آشتای در دهن و خاک پائے سخن سنجان علی ابراهیم خاں باو
 تألیف دو تذکره اشعار فارسی باشد عاے بعضی مجان یک ل و یک رو و موزون طبعان
 رنجیه گو بخاطر آورد که برنخ از اشعار رنجیه با ضبط احوال و اوصاف گویندگان بسبک تحریر
 پیوند دهد۔ احمد لوا سپ العطایا که در زمان سلطنت بادشاه گیتی افروز، روشن ضمیر دانش آموز
 فروزنده مسند جهان بانی، چراغ دودمان صاحب قرانی، فروغ ناصیه و نجم طلسازی
 شاه عالم بادشاه غازی، خلد الله ملک و آوین وزارت مردک دیده بیدار دوست زینت افرا
 جاه و شوکت قوت بازوئے بختیاری، حکم انداز نخب گاه دشمن شکناری، نواب زیر الممالک
 آصف الدوله آصف جاه یحی خاں بهادر بزر جگ دامن اقباله و در عهد حکومت متم امور
 ریاست و ایالت محمی مرا تم نصفت و عدالت، ظفر پیرایه معارک مخالف ستیزی،
 رب النوع گروه خرد پزده انگیزی، نواب عماد الدوله امیر الممالک، گورنر جنرل وارن هشتون
 جلالت جنگ بهادر زاده شتمه، آنکه خردمندان دانش را ز شش جبت روسے توجہ با یوان حشمت
 بنیان او نهاده و بدلر بائی رعایش غربت را بر وطن رجحان داده اند ایں مامول بحصول
 انجامید و بسال یک هزار و هفتصد و هشتاد و چهار عیسوی و یک هزار و یک صد و نو و هشت
 هجری از تسوید آن فراغ حاصل شد و موسوم به گلزار ابراهیم گردید تا میزان گوشتها
 سنجیدن لالی سخنان و گش سرفراز ستاد و یک عیب بخوان منبر پوشش بهنگام نظاره ایں
 بساط جواهر با خوار تر از و انبار د۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف الالف

۱۔ آفتاب۔ شاہ عالم بادشاہ علی لطف نے اپنی طرف سے بہت زیادہ اور مفید تاریخی حالات کا اضافہ کیا اور نمونہ کلام بھی پیش کیا جو علی ابراہیم نے صریح پانچ سطریں بھی ہیں اور نمونہ کلام کے طور پر دو ہی شعر درج کئے ہیں (ورق ۱۰-۱۱)

آفتاب تخلص، نو زیسر جہان بینی، مہر سہر صاحب قرانی، شاہ عالم بادشاہ ابن علی شانی

شانہ زادگی میں گوہر صدف سلطنت کا نام عالی گوہر تھا۔ اسی ایام میں علو الملک کے خوف سے دلی سے نکلے اور بعد بیت آوارگی کے نجیب خاں کے یہاں کہ سردار قوم افغان کا تھا اور نجیب الدولہ خطاب رکھتا تھا، منتظر عنایت الہی کے ہو کر ٹھہرے۔ اس میں بعد ایک مدت کے محمد قلی خاں، بھتیجے نواب صفدر جنگ کو کہ ناظم صوبہ آباد کا تھا، حوصلہ بنگالہ کی تسخیر کا دامن گیر ہوا۔ مشورے سے نواب شجاع الدولہ کے، کہ وہ باطن میں محمد قلی خاں کے برباد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، خان مذکور نے شانہ زادے کو نجیب خاں کے ہاتھ سے بلوا کے، اور وسیلہ

غرم کا ٹھیکر کے آپ مع فوج کے رکاب سعادت میں داخل ہوئے اور الہ آباد سے کوچ کر کے قریب عظیم آباد کے آپڑے۔ اب آگے رام نرائن عظیم آباد کے نائب نظامت کا بیٹا جس کو محمد قلی خاں کی معرفت حضور میں شہزادے کے حاضر ہونا مشہور ہو گیا اور پھر گرجے چند درختوں کے عظیم آباد کے بند ہو کر لڑنا، یہ بھی تو تاریخ میں کی نگاہ سے نہیں منظور ہے۔

ابھی محمد قلی خاں قلعے کو لگے ہی ہوئے تھے کہ اس میں بعد ایک چند روز کے شہر جعفر علی خاں اور میرن کی آمد کا واسطے رام نرائن کی کمک کے مع کرپل کلف ہمسار ثابت جنگ کے مشرق کی طرف سے ہوا۔ محمد قلی خاں نے اُن کی لڑائی سے عمدہ براہونے کی طاقت اپنے بیچ میں نہ پا کے، پیش اڑان کے داخل ہونے کے کوئی بنارس کی طرف کیا اور شاہزادہ عالی تبار عالی گوہر نے کرم نام سی کی مدد سے کہ صوبہ عظیم آباد کی سرحدیں ہی عبور کر کے تھوڑی دُور گئے تھے کہ باپ کے مارے جانے کا احوال اس طور سے سنا کہ حمدی قلی خاں کشمیری، علی قلی خاں کے جانی نے کہ رفیق عماد الملک کا تھا حسب الارشاد اپنے آقا کے حضور اعلیٰ میں عرض کی کہ ”ایک فقیر بہت بڑا صاحب کمال فیروز شاہ کے کوٹہ میں آ کے اتر رہا ہے، حضرت کو ملاقات اس سے کرنی ضرور ہو“ حضرت بیچارے اجل گرفتہ حکم میں تو عماد الملک کے تھے ہی، اپنے پاؤں سے آپ قبر میں تشریف لے گئے۔ وہاں فقیر کہاں تھا، کئی ایک خوں خوار جفا کار، بے شرم اور بے رحم اُس حجرے میں بٹھا رکھے گئے جاتے ہی اس بے گناہ کو پیش قبضوں سے مار کر لاش کو اوپر سے ریتی کی طرف کر دیا۔ کھٹوے میں پہنچ کر، موافق مضابطہ خاندان بابر کے ساتھ گیارہ سو تتر ہجری میں اتفاقاً ”شاہ عالم“ کے ساتھ تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اور قلعہ دارن وزارت کا مع خلعت جلد نواب شجاع الدولہ کے واسطے بھیج دیا۔ ساتھ ہی اس کے خلعت امیر الاحمرائی کا، کہ عبارت میر بخشی گری سے ہی بحیب الادلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور نواب منیر الدولہ نے اُسی وقت

موافق ارشاد کے اٹھی گری کے طور پر ابدالی کی طرف کوچ کیا۔ اتنے میں کامگار خاں
 پانچ ہزار سوار سے اور دلیر خاں، اصالت خاں اپنی تمام جمعیت سے حاضر ہو کر اقرار
 جانفشانی کے ساتھ داخل دائرہ دولت کے ہوئے۔ چنانچہ کامگار خاں نے اخراجات
 ضروری کا اپنا ذمہ کیا اور زمینداروں سے اتنے ہی عرصے میں جس جس ڈھب سے بنا
 کچھ کچھ ربا بھی لیا۔ تجویز یہ ٹھہری کہ میرن کے آنے سے آگے ہی رام نرائن سے لڑ لیجے
 اور خدا نقتل کرے تو قلعہ عظیم آباد کے عمل کیجے۔ بادشاہ کو بھی یہ مشورہ پسند آیا اور
 اُسی وقت پیش خیمے کے کوچ کو حکم فرمایا۔ کامگار خاں اور دلیر خاں متصل رام نرائن کے
 لشکر کے کہ دیو ہاڑی کے کنارے پر پڑا تھا اڑے اور بعد کئی دن کے میدان جنگ
 آراستہ کر کے کمال جانفشانی اور سرفروشی کے ساتھ لڑے۔

سب سے پہلے دلیر خاں اور اصالت خاں نے گھوڑے چلائے اور نہایت
 بہادری سے رام نرائن کی فوج میں درآئے۔ سچ تو یہ ہے کہ غول ان کا نشانہ تھا چھوڑ
 کی مار کا اور ہدف تھا بند وقوں کی باڑھ کا، بجلی کی طرح کڑک کر ہر ایک اڑ دھا توپ کا سا
 گرم آتش فشاں تھا، اور گولیوں کی بارش سے ساون بھاؤں کا منہ شرمندگی سے
 پانی پانی تھا۔ اس میں بند وقوں کی مار سے نشان کے ہاتھی کا منہ پھر گیا کسی نے دلیر خاں
 سے پکار کر کہا کہ ”نشان کا ہاتھی پھر کھڑا ہوا“ فرمایا ”کیا ہوا“ ہاتھی پھرا اور گو کہ
 آسمان بھی پھرے دلیر خاں تو نہیں پھرا۔ یہ کہہ کے دونوں بھائیوں نے کود کے گھوڑوں
 سے ایک تین سو جوانوں سے کہ وہ رفیق ان کے تھے، ایسی ہی جاں بازی کی کہ ساری
 زمین ان کی لاشوں سے بھر دی اور تمام فوج رام نرائن کی تلے اور پر کدی خاطر خواہ
 دلاوری اور بہادری سے دل بھر کے، شجاعت اور تہور کا حق ادا کر کے، دونوں
 بھائیوں نے مع رفیقوں کے جان شیریں نثار کی، لیکن رام نرائن کی فوج میں بھی

یعنی وہ ہاتھی جس پر نشان سلطنت تھا

باقی سہری جلالت گفتار کی۔

اس میں تو سپا اور بندوق تو بند ہو ہی گئی تھی، کامگار خاں مع اپنی فوج کے جو ایک طرف سے بیٹھا، تو برابر رام نرائن کے جانکھار لوگ رام نرائن کے، از بسکہ دیر خاں کی لڑائی کھاتے ہوئے تھے، دوبارہ کامگار خاں کے مقابلہ کی طاقت نہ لا کے پسپا ہوئے۔ رام نرائن نے مقدمہ بے ڈول دیکھا، میں لڑائی میں کپتان کا کری صاحب سے کہلا بھیجا کہ ”آدھے لوگ اپنے میری کمک کو بھیجے“ کپتان مذکور نے موافق حکم نائب نظامت کے اپنی فوج کے دو حصے کئے اور آدھے آدمی ادھر بھیج دیئے لیکن لوگ ان کے بھی تو لڑائی کی محنت اٹھا چکے تھے، اور جس قدر چاہیے تھا جی لڑا چکے تھے، کچھ کام بن نہ آیا کسی طرح سے بندوبست نے لڑائی کے انتظام نہ پایا۔ چنانچہ کامگار خاں نے گھوڑا رام نرائن کے ہاتھی سے ملا دیا، اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ اپنی دانست میں انھوں نے مار لیا، لیکن اس مدبر نے زخمی ہو کر حوضی میں لیٹ جانے کو غنیمت جانا اور تختوں کی آڑ کو وسیلہ زندگانی کا گردانا۔ غرض لڑائی بگڑ گئی، بہت سے لوگ رام نرائن کے ساتھ کے مارے گئے، اور کچھ تھوڑے سے لوگ بھاگ بھی بچا رہے گئے۔ مرنی دھر مع رحم خاں اور غلام شاہ کے کہ مرادوں فوج کے تھے، کامگار خاں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے۔ احمد خاں اور مراد خاں، بیابرام خاں بلوچ کا بھاگ کے رام نرائن کے شریک، عظیم آباد کی طرف قدم گزیر ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ غازی نے فوج اور نصرت کے ساتھ سکھیت پر ڈیرا کرنے کا حکم دیا، اور بھاگے ہوؤں کا پیچھا مطلق نہ کیا۔ اب آگے بیان ساتھ تفصیل کے موجب طول کلام کا ہے۔

مختصر یہ کہ آج کے دن تک کہ ۱۲۱۵ء بارہ سو پندرہ ہجری میں، اور جلوس مبارک کو سنہ بیانیہ میں ہے وہ اور ناک نشین بارگاہ جاہ و جلال تخت پر ساتھ عیش و نشاط کے حکمراں ہے۔

سنہ تیسویں میں عبدالسلطنت کے، منظور علی خاں ناظر کی بے بصیرتی سے شیخ غلام قادر خاں رُہیلے نے جو کورنگی کی ہے، مفصل بیان اس کا غضب ہی اور نہایت نیک ادب ہے لیکن حضرت نے خود اپنی زبان بلاغت بیان سے اس روداد کو اس تفصیل کے ساتھ نظم کیا ہے کہ اور کسی بندہ آستان دولت کی کیا مجال تھی کہ اس واردات کو اس بے ادبی سے زبان تک لاتا۔ از بسکہ وہ غزل فارسی ہی داخل کرنا اس کا بیچ کتاب کے خلاف آئین نثر ہندی کے معلوم ہوا، اس واسطے تینا و تیر کا اس غزل کو خاصے پر کتاب کے لکھا ہے اور ترجمہ اس کا لفظاً باللفظ کر کے اس طرح داخل کتاب کیا ہے کہ نظم حادثے کی اٹھی آندھی جو مری خواری کو دم میں برباد کیا میری جہاں داری کو

۱۔ صرصر حادثہ برخاست پیئے خواری ما	داد برداد سرور برگ جہاں داری ما
آفتاب فلک رفت شاہی بودیم	برو در شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ماندہ شد از دست فلک ترشد	تا نہ بینم کہ کند غیبر جہاں داری ما
داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد	کیست جز ذات مبرا کہ کند یاری ما
بود جان کاہ زرد راں جہاں ہجوں مرض	دفع از فضل الملی شدہ بیمار ی ما
کردہ بودیم گناہے کہ سرانیش دیدیم	ہست مصروف کہ بخشند گنہ گاری ما
کردہ سی سال نظارت کہ مراداد بباد	زود تر یافتہ پاداش ستم گاری ما
عند و پچاں بہ میاں داد و منہ و ند و فا	فخلاں خوب نمودند وفا داری ما
شیر دادم افقی بچہ را پرورد دم	عاقبت گشت مجوز بہ گرفتاری ما
حق طفلان کہ بہ سی سال فدا ہم کردیم	کردہ تاراج و نمودند بسک باری ما
قوم مغلیہ و افغان ہمہ بازی دادند	بسکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما

(بقیہ بر صفحہ آئینہ)

اس کہ خورشید کو لازم ہے طلوع اور غروب
 آنکھیں نکلیں تو ہوا خوب کہ دیکھو گمانہ میں
 مملکت کا بھی خیال ایک مرض تھا جل کاہ
 کی اس افغان بچے نے شوکت شاہی برباد
 جو کئے تھے گئے اُن سب کی سزا دی نہیں
 جو تھا تیس برس سے مرے گھک کا ناظر
 بے گنا ہی نے مری اس ستم ایجا کے تیس
 حق طفلان جو ہوا تیس برس میں تاج
 قوم افغان و مغل سب نے مجھے بازی دی
 عہد و ہمان کئے اس میں بھلا حق نہک
 تاج افغان بچے کو دودھ پلا کر پالا

(بقیہ صفحہ ۹) میں گدا زادہ ہمدان کہ بد دینخ برد
 گل محمد کہ زمر داں بہ شرارت کم نیست
 تاجراد و سلیمان و بدل بیگ بعین
 شاہ تیمور کہ دارو سر نسبت بہن
 مادھو جی سیندھیا فرزند جگر بندہ مست
 آصف الدولہ و انگریز کہ دستور میں اند
 راجہ وراہ و زیندار، امیر و چوہ فقیر
 نازنینان پیری چیسہ کہ ہمدوم بود
 گرچہ ما ز فلک امروز حوادث دیدیم

بانی جو دستم شد بہ دل افکاری ما
 چہ قدر کرد و کالت پئے آزاری ما
 ہر بہ بستند کمر بہ سر گرفتاری ما
 زو و باشد کہ بیاید بہ بدو گاری ما
 ہست مصروف تلا فی ستم گاری ما
 چہ محب گرنہب ایند بدو گاری ما
 حیف باشد کہ نہ سازند بہ غمخواری ما
 نیست خبر محل مبارک بہ پستاری ما
 باز فردا دہد ایند سر سرداری ما

۱۷ یعنی سوائے خدا کے ۱۸ یعنی یہاں صرف سکبہاری اور تمید ستی چھوڑ گئے ۱۹

نازنین میری ہمدرد تھیں یاں ایک نہیں
 آصف الدولہ اور انگریز ہیں میرے دل سوز
 مادھو جی سیندھیا فرزند جگر بند کے ہاتھ
 کوئی پہنچا دو خبر حال کی میرے کہ نظام
 شاہ تیمور سے ہی اک سر نسبت مجھ کو
 راجہ وراوندیندار، امیر اور فقیر
 آفتاب آج فلک نے کیا گرے سرویا
 حضرت جہاں نیاہ کے مزاج مبارک کو نہایت نظم کی طرف التفات ہو اور بیشتر
 شغل اشعار میں کثرت اوقات ہے۔ ان شعروں کو اس جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں :-
 کیجئے ہمدرد بھلا کیوں کر نہ شکوہ یار کا
 خانہ دل کو جلا یا اک نگہ سے اس نے آہ
 صاف کل آنکھیں تری کہتی تھیں عاشق سے چکا
 خور ہوئے گا گلوں کا دیکھنا ہر گز صبا
 زلف تیری دیکھ کے زاہد رگ جاں سے بنا
 کب ترے عشاق بھٹیں حشر میں طبعی تلے
 دیکھ کر کل نبض میری یوں دنگا کہنے طیب
 صرف کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ
 اس قدر اندر وہ دل کیوں ان دنوں ہو گیا
 صبح تو جام سے گزرتی ہے وہ شب دل آرام سے گزرتی ہو
 عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گزرتی ہو
 ۲۔ آصف - نواب آصف الدولہ - یہاں بھی مترجم نے نہایت مفید اضافہ

جز مبارک محل اس میری پرستاری کو
 کیا عجب آویں اگر میری مدد گاری کو
 ہوگی بے رونقی اس طرز جفا کاری کو
 شاید آنکھ مجھت سے خبر داری کو
 دُور کیا ہی جو کرے دُور دل آزاری کو
 چاہئے سمجھے سعادت میری غمخواری کو
 بخشنے گا کل تجھے حق پھر تری سرداری کو
 ہم تو بندے اس کے ہوں وہ یار ہوا غیار کا
 ہو جو یار بھلا اس چشم آتشبار کا
 کر کے عیسیٰ مداد اپنے کب بیمار کا
 نام مست لینا چمن میں اس بت خوشوار کا
 جانتا ہر گز سعادت باندھنا زتار کا
 یاد آوے دل میں جب سایہ تری دیوار کا
 ”کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا“
 ڈھونڈھ جا کر ہر طرف نقش قدم دلدار کا
 دیکھ کر ہوتا ہی تجھ کو تنگ دل گلزار کا

کیا ہی گلزار پر اہم ہیں حالات ۱۰ سطریں ہیں اور گیارہ شعر بطور نمونہ دیئے گئے ہیں
 (درق - ۱۰ - ب اور ۱۱ - الف و ب)
 آصف تخلص نور کو کب ہمت اور شجاعت کا خورشید آسمان مروت اور سخاوت کا، نواب آصف الدولہ
 وزیر الممالک آصف جاہ چچی خان بہادر ہنر جنگ، خلف نواب شجاع الدولہ منظر رکابہ اور پوتا نواب بہادر
 صفر جنگ کا بعد وفات شجاع الدولہ کے گیارہ سو ستاسی سالہ ہجری تھے اور
 شاہ جہاں پناہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے عہد سلطنت کو پندرھواں سنہ تھا،
 بلکہ فیض آباد میں کہ قدیم نام اس کا ہنگا ہے منہ وزارت کو زینت اس عالی تبار نے
 بخشی ہے از بسکہ رسم کن ہے کربا دشاہ اور وزیر واسطے نام کے عہد حکومت اپنے
 میں نئے شہر کے آباد کرنے کی تلاش کرتے ہیں اور وہاں مقرر ہو دو باش کرتے ہیں
 بعد چند ہی اس آب و رنگ گلشن وزارت نے جنگلے سے کوچ کر کے غارستان
 لکھنؤ کو ہار قدم سے اپنے رشتہ شگوفہ زار کشمیر کا کیا لکھنؤ کے تن بے جان میں
 گویا جان آئی اور ختم بے نور نے بصارت پائی۔ پھر تو آبادی پر شہر کے عرصہ زمین کا
 تنگ تھا، اور محموری کو اس خراب آباد کی تسبیح سے ہفت اقلیم کی تنگ تھا۔ بسکہ
 اس بلند نظر کا اہل کمال کی طرف میلان خاطر تھا، ایک ایک کمال کا ہزار ہا آدمی وہاں
 حاضر تھا۔ عمارت کی تعمیر پر طبیعت نہایت مصروف تھی اور خواہش شکار کی مزاج سے
 بہشت مالوف تھی۔ ہر روز لازم تھا ایک عمارت تازہ کی بنا کا دھڑا، اور ہر سال
 عین واجب تھا واسطے شکار کے دوسرے سفر کرنا۔ بے مبالغہ ہے کہ ہزاروں شیر
 مانند بکریوں کے مارنے میں آئے، یہاں تک کہ ان کی کھالوں کے متعدد خیمے عالی شان
 بنوائے۔ پہلی ہی گولی اس کے ہاتھ کی گینڈے اور مارنے کو تھا پیغام اجل کا اور
 بڑے دانت ہونے ہاتھی کے بس ہی اس کے واسطے تھا دام اجل کا۔ مستک بر
 فیل مست کی جب اس کا تیر بیٹھا، سو فارقا باہر نام نہ تھا۔ پہاڑ کو تنکے سے ٹالنا کچھ
 آگے کچھ کام نہ تھا۔ جنگلی ہاتھی دنیلے اتنے مارے کہ آج دولت خانہ میں ایک عمارت

عالی شان ہاتھی دانت کی موجود ہے، جس کے ستون اور کڑیوں میں نام کو کس لکڑی کا
 نہیں وجود ہے۔ شجاعت کے سوائے سخاوت پر جب طبیعت آئی تو بہت حاتم کی دل سے
 خلائق کے بھلائی۔ ایک دن میں لاکھ روپیہ سے شریف مکہ کی خدمت گزاری کی اور
 پانچ لاکھ روپے خرچ کر کے نجف اشرف میں نہر اصفی جاری کی۔ فیاض ایسا کہ جو کوئی
 سامنے کچھ لے گیا خالی نہیں پھرا ہے۔ بے مبالغہ یہ کہ خاک کی مٹی کو اکثر اسیر کی
 قیمت میں لیا ہے۔ اس میں کوئی گستاخ اگر اس کی قباحت زبان پر لایا، تو وہیں بے فزہ
 ہو کر اس سے فرمایا کہ ”اتنی مروت کرنی اس شخص سے ہم نے مدت سے اپنے دل میں
 تھی ٹھیرائی، یہ چٹکی خاک کی جو اس سے لی مفت میں پائی“ غرض جو کچھ چاہیے سب
 کماؤں کی جامعیت تھی۔ افسوس یہ ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی تاہم
 کے ہاتھ میں اصالتاً ملک کا سر انجام رکھا، آپ فقط سیر اور شکار سے کام رکھا، میسر
 کوئی لائق اور کام کا نہ پایا، اس واسطے ساتھ غم کے رتبہ نام کا نہ پایا۔ چیس برس کل
 اس مریج نشین مسند وزارت نے حکمرانی کی اور چمن گنتی میں مانند گلِ خورشید کے
 محتاجوں پر زرفشانی کی۔ آخر الامر از بسکہ بیچ گلشن دنیا کے بہار اور خزاں آپس میں
 دست و گریباں ہیں، بیماری سے استسقی کی سلاسلہ بارہ سو بارہ ہجری میں کہ سلطنت
 شاہ عالم بادشاہ غازی کے چالیسواں سنہ تھا، اٹھائیسویں تاریخ ربیع الاول کی، پہر
 ڈیڑھ ایک دن رہے حکومت عارضی کو ملک فنا کی چھوڑ کر کارفرمائی اقلیم بقا کی اختیار کی۔
 راقم آٹھ صفر سن سے ملازموں میں اس آستانہ دولت کے مع رسالہ سرفراز تھا اور
 افراطِ عنایت اور لطافت سے اس کے ہم چشموں میں اپنے مورد امتیاز تھا۔ اس شمع
 شہستان وزارت کی تاریخ وفات کا شعلہ اس جگر کباب کے گلخن طبع سے یوں آتش فشاں
 ہوا ہے قطعہ
 آصف الدولہ جب جہاں سے گیا اک جہاں بے دل و دماغ ہوا

جامِ عمر اس کا بھرتے ہی لبریز
خلق کا عیش کا ایانہ ہوا
دُشمنوں کا دل آتشِ غم سے
دوستوں سے زیادہ داغ ہوا
سالِ تاریخ کا خیال کسے
خشک شعر و سخن کا باغ ہوا
بوئے یوں دُور کر کے پائے غناد
آج گلِ ہند کا چسراغ ہوا

۱۲ ۱۲ ۱۲

یہ اشعار اُس عالِ جناب کے مشہور ہیں:
جس گھڑی تیرے آستان سے گئے
ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح
ایسے بیٹھے کہ پھر نہ وہاں سے گئے
شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم
سینواک دن کہ جسم و جاں سے گئے
عشقِ ہاتوں سے تیرے کیا کہئے
نام سے گزرے اور نشان سے گئے
ایک دن ہم نے یار سے جو کہا
اب تو ہم طاقتِ دو تاں سے گئے
ہنس کے بولا کہ ”سنا ہو آصف
یوں ہی کہہ کہہ کے لاکھوں یاں سے گئے“

دل ہمارا خانہ اللہ گر مشہور تھا
سو بتوں کے عشق میں اب وہ بھی بت خانہ ہوا
آباد ملکِ دل وہ یار و کہاں رہے گا
جس جا یہ درد و غم کانت کار داں رہے گا
آصف نہ چھٹے عشقِ تباں دل سے تھامے
سو بار اگر پھر بھی بناویں اسے گھٹا کر
شوخیِ چشم کی شہرت کو تری سُن سُن کر
شرم سے باغ میں نرگس نے چھپائیں گھیس
مرے دل کو زلفوں میں زنجیر کیجو
یہ دیوانہ اپنا ہے تدبیر کیجو
مرے دل نے زلفوں میں مسکن کیا ہے
یہ مہمان ہے لے شانہ، تو قیسر کیجو

اسے یعنی خلق کے عیش کا ایانہ لبریز ہوا ۱۲

جس جگہ آنسو گرے ہی آبلہ پڑ جائے ہی
 آب سے آتش ہوئی کیوں کر ہم کیا جانے
 پوچھتے کیا ہو شب بھر کی حالت یارو
 میں ہوں اور رات ہی اور بستر تنہائی ہی
 آصف نہ چھوڑ دست سخاوت کو زنیار
 لایا ہے کچھ نہ ساتھ نہ جائے گا تو لئے
 یاں تلک داغ محبت دل نے کھائے ہیں کس
 سر سے پائیک ایک گویا صورتِ طاووس ہے
 ہزاروں مدے جیتے دیکھے تیرے بات کرنے سے
 لبِ معجز بیاں میں تیرے شاید اک جواں ہے

۳۔ انجیام۔ عمدۃ الملک امیر خاں مترجم نے خاصے اضافے کئے ہیں

لیکن قتل کی تاریخ گلزارِ ابراہیم کے خطوط نمبر ۱۱۵۹ء لکھی ہے
 مترجم نے ۱۱۶۹ء لکھی۔ گلزارِ ابراہیم کے خطوط نمبر ۱۱۶۹ء میں تاریخ

چھوڑ دی گئی ہے۔ ۵ سطر شعر (دوق ۱۱۔ ب)

انجام تخلص، عمدۃ الملک خطاب، نواب امیر خاں نام۔ والد ماجد ان کے عمدۃ الملک
 نواب امیر خاں ہیں، کہ جو عالمگیر خلیفہ مغان کے عہد سلطنت میں زینتِ بخش مسندِ مارت کے
 تھے سلسلہ نسب شریف کا اس عالی خاندان کے میر میران نعمت الہی کو، کہ سلاطینِ صفویہ
 کے ساتھ نسبت اور ناتا رکھتے تھے، پہنچتا ہے۔ بزرگ ان کے ہمیشہ ایران میں صد نشین تھے
 محض غزو و قار کے اور ہندوستان میں بھی ہمیشہ انیس و چلیس رہے ہیں سلاطینِ نادار کے
 اس عالی دودمان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت برآر ہوئی تھی، کہ رشتہ تھا ان سب
 ارکانِ دولت کو اور اعیانِ مملکت کو حسد تھا۔ لطیفہ گوئی کی طرف طبیعت ان کی نہایت
 مصروف تھی اور خوش طبعی سے مزاج بہ شدت مالوف۔ گردِ شمسِ حشم کے سجھنے میں زمانے کے
 استاد تھے اور شیریں کلامی میں اپنے وقت کے فرہاد۔ موجد ناز و انداز کی تہ دار یوں کے
 اور اختراع کرنے والے چتون کی جادو کاریوں کے۔ گانے میں دخل ایسا تھا، کہ
 استاد اس فن کے دم شاگردی کا مارتے تھے اور نادبید کی باتوں میں بڑے بڑے
 گیانی ان کے آگے جی ہارتے تھے۔ بادشاہ کو ایسا اپنی طرف مصروف کر لیا تھا

کہ ایک دم کی جدائی ان کی جہاں پناہ کو شاق تھی اور اٹھ پھر طبیعت ان کی طرف مشتاق
 تھی لیکن موافقت در اندازی سے بدگوئیوں کی آخر آخر مبدل بہ بغبار خاطر ہوئی اور
 خرابان جان نہ باطن بلکہ بظاہر ہوئی۔ چنانچہ ۱۱۶۹ھ گیارہ سو اٹھتر ہجری میں ایک
 نمک حرام نے ان ہی نوکروں میں سے انھیں کے عین صحن دولت خانہ میں بادشاہ کے
 قہر کیا کہ اس روشن زبان کی زندگی کے چراغ کو ایک ہی جھوٹے میں کٹاری کے
 بجھا دیا، اگرچہ اس نا اہل کا بھی اسی جگہ لگ گیا ٹھکانا۔ لیکن افسوس ہے نواب امیر خاں کا
 مارے جانا۔ اکثر ارباب فہم کو گمان تھا کہ یہ اشارہ بادشاہ کا ہی اور اہم جہاں پناہ کا
 ہے۔ جب اس نمک حرام کی لاش کو اٹھوانے میں بادشاہ نے نہایت کرم فرمایا، پھر تو
 عوام کو بھی اس گمان کا بے تاثر پھیل آیا۔

اس عالی طبیعت کو ہیلی اور مگرنی کے کہنے میں مشق حد سے زیادہ تھی اور اشعار فارسی
 اور ہندی میں بھلی چنگی استعداد تھی۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے آویزہ گوش
 صفار و گہار ہیں۔

کیوں بلایا مجھ میں کیا مجھ سے نادانی ہوئی	دختر زربزم میں آسٹرم سے پانی ہوئی
کل محیط عشق کے صدموں سے پانی تھی نجات	کشتی دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی
ہر پری تمثال تجوں آئینہ رکھتا تھا عزیز	ٹوٹتے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی
کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو	دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی

نیش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے
 ”کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی“

نمک تو فرصت دے کہ بولیں خصلت صیاد ہم	مردوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم
منہ تراکتے ہیں سب قلم حسن و عشق کے	تو ہی تہلا دے کر یں کس سے تری فریاد ہم
دل تو ہے داغ غلامی سے تری طاؤس وار	سانے قمری کے گوہیں سروساں آزاد ہم

اب کسی نے دل جلایا مہربانی سے تو کیا
 ساتھ اپنے سر کے تھا انجام پاس گنت
 شکر ہی ترپے نہ زنجیرِ اقبال
 ۳۳۔ امیر - قزلباش خاں - مترجم نے خاصہ اضافہ کیا ہے۔
 ۴ سطر - اشعر (دوق ۱۱ - ب)

امیر تخلص نام اصلی اس معدنِ کمالات کا مرزا محمد رضا ہے۔ رہنے والا ہمدان کا
 ایام شباب میں وطن سے غربت اختیار کر کے دارِ اصفہان کا ہوا ہی اور میرزا ظاہر
 سے کہ وجہ جن کا تخلص تھا نسبت شاگردی کی درست کر کے کسب کمالوں کا کیا ہے
 آخر سلطنت میں خلد مکان کے ہندوستان میں آیا اور اول بادشاہت میں ہلاک
 کے خطاب قزلباش خاں کے ساتھ رتبہ منصب ہزاری کا پایا، لیکن اس پائے سے
 ہمیشہ اس ایام میں شکوہ مندر رہا ہے اور منصب ہزاری کے مضمون کو ایک بیت میں
 اس طرح سے موزوں بھی کیا ہے۔

مثلِ بلبل کے ہوں سدا نالاں یہ مرا منصب ہزاری ہے
 محمد معز الدین کے وقت میں کسی خدمت کی تقریب سے برہان پور گیا اور صوبہ داری
 میں امیر الامرا سید حسین علی خاں کی اس خدمت سے تقرر ہو کر خجستہ بنیاد میں حاضر ہوا۔
 اس جگہ تھوڑا سا احوالِ محلِ سید حسین علی خاں کی امیر الامرا کی کا اور صوبہ داری
 دکن کی جلوہ فرمائی کا بیان کرنا ضرور ہے، کس واسطے کہ تقرر ہونا قزلباش خاں کا
 بخوبی معلوم ہوگا۔ جب کہ ۳۲۰ھ گیارہ سو بتیس ہجری میں محمد فرخ سیر اور محمد معز الدین سے
 لڑائی ہوئی تو ساداتِ بارہ نے کمالِ جالفشانی کی، چنانچہ سید عبد اللہ خاں اور
 لے یعنی اورنگ زیب عالمگیر ۱۲

مثلِ بلبل ہمیشہ نالام : ایں بود منصب ہزاری ما

سید حسین علی خاں نے مع اپنے بھانجے بھتیجیوں اور رفیقوں کے 'حسن بیگ خاں صف شکن' اور زین الدین خاں بہادر خاں کے بیٹے کو مع ان کے رفیقوں کے 'شریک کر کے' ہلا جو کیا، تو زنجیر سے توپ خانے کے گھوڑوں کو گدگد کے مقابل ذوالفقار خاں کے کہ بیٹا اسد خاں وزیر کا تھا، جا پہنچے، اور کوڈ کوڈ کے گھوڑوں پر سے جسی چاہیے مٹی جاں نثاری کی، اور داد مر دانگی اور شجاعت کی دی۔ اس میں تو ہیں بند ہوئی گئیں تھیں، باقی فوج سے بھی تن دہی ہوئی۔ حسن بیگ خاں صف شکن اور زین الدین خاں بیٹا بہادر خاں کا، یہ دونوں سردار مع اپنے رفیقوں کے بہادری کا حق ادا کر کے، کام آئے اور سید حسین علی خاں چور ہو کر کھیت میں بٹھ گئے اتنے زخم اٹھائے، بارے سادات کے سر لڑانے سے پانوں طرف ثانی تھے اٹھ گئے جو موئے سو موئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد معز الدین نے اپنی صورت بدل کر راہ دلی کی لی، اور محمد فرخ سیر کو اللہ تعالیٰ نے سادات کی نمک حلائی سے سلطنت عطا کی۔ سید عبداللہ خاں، بھائی کو زخمی کھیت میں چھوڑ کر فوج کا تعاقب کے چلے گئے ہیں اور بادشاہ بعد ایک ہفتہ کے داخل دلی میں ہوئے ہیں۔ اس جانبازی کے عوض میں بادشاہ نے سید عبداللہ خاں کو وزیر اعظم کیا اور قطب الملک یار وفادار سید عبداللہ خاں بہادر ظفر جنگ خطاب دیا۔ اور سید حسین علی خاں کو میر بخشی ہونے کے سوا منصب ہفت ہزاری عنایت ہوا اور امیر الامرا سید حسین علی خاں بہادر فیروز جنگ خطاب ملا۔ بعد اس فتح کے جو خدمتیں کہ ان سے ہوئی ہیں اور جو نمک حلائیوں نے کیں ہیں، مفصل بیان اس کا موجب طول کلام کا ہے اور کچھ متعلق بھی نہیں اس مقام کا ہے۔ غرض توجہ بادشاہ کی از بسکہ ان پر حد سے زیادہ تھی، حاسدوں کو بس یہی عداوت کی بنیاد تھی۔ تھوڑے ہی سے دنوں میں بدگوئیوں نے ان کی طرف سے بادشاہ کے دل میں سیکڑوں شبے ڈال دیے غضب

یہ ہے کہ اس عقل مجسم نے حاسدوں کے کہنے سے بے تامل مان لئے۔ پھر تو دشمنوں نے تدبیران کے توڑنے کی یہ ٹھیرائی کہ پہلے لازم دونوں بھائیوں میں ڈالنی جدائی۔ اس تقریبے امیرالامرا سید حسین علی خاں کے واسطے تجویز صوبہ داری دکن کی ہوئی اور رخصت حضور سے ۱۲۷۰ گیارہ سوتائیں ہجری میں اس مروت کے معدن کی ہوئی۔ ابھی دس کوس بھی دکن کی سمت کو نہیں تھی سواری گئی، کہ ساری دلی چھڑاتی تھی ”جگ بھوٹا اور نرمداری گئی“، قصہ مختصر بعد کتنے دنوں کے، اور طے کرنے منزلوں کے، جب نرمداسے عبور ہوا، تو ایک فوج عالی شان لے کر واسطے لڑائی کے سامنے داؤد خاں ناظم برہان پور ہوا کیوں فرمان بادشاہی معرفت خان دوران خاں کے اس کو آگے ہی پہنچ چکا ہے کہ دفعہ میں امیرالامرا سید حسین علی خاں کے اگر تجھ سے تصور ہوگا، تو گنگار حضور کا ہے۔ سبحان اللہ! یہ داؤد خاں وہی ہے کہ اوائل سلطنت میں محمد فرخ سیر کے امیرالامرا نے اس کی جاں بخشی کر دالی ہے اور احمد آباد گجرات سے اس کو باہر بھجوا کے سند صوبہ داری برہان پور کی حضور سے اس کے نام بھجوائی ہے۔ وہ حق احسان فراموش کر کے جاں بخشی کے عوض میں خواہان جان ہوا۔ چنانچہ ۱۲۷۰ گیارہ سوتائیں ہجری میں گیارہویں تاریخ رمضان کی، لڑائی کا آراستہ میدان ہوا۔ بعد بہت سی خونریزی اور کشاکش کے داؤد خاں نے بندوق کی گولی کھائی بسا طہشی کی گنوائی اور امیرالامرا فیروز جنگ نے ساتھ فتح اور فیروزی کے اورنگ آباد میں داخل ہو کر مندر حکومت کی آراش فرمائی۔ اس حرکت سے کہ برہان پور کے ناظم سے ہوئی تھی، آتے ہی اہل خدمت برہان پور کے سب تغیر کئے۔ اس تقریبے قرباں خاں بھی معزول ہو کر حضور میں حاضر ہوئے۔ ازبکہ سلیقہ علم مجلس کا اس مجموعہ کمالات کو بہت بڑا تھا اور مزاج دانی میں امرا کے

بہ شدت دخل رکھتا تھا، طرز خدمت اس کی امیر الامرا کو نہایت پسند آئی اور داروغگی حکومت کرنا ملک کی واسطے قزلباش خاں کے قرار پائی۔ اس تقریبیہ ارکاٹ کو گیا اور ایک مدت بھر وہیں رہا۔ بعد زوال دولت سادات کے، کہ وہ قعدہ شہر رہے اور یہاں کچھ بیان اس کا نہیں ضرور ہے، قزلباش خاں نے رفت مبارز خاں کی کہ ناظم حیدر آباد کا تھا اختیار کی۔

چنانچہ ۱۱۳۰ھ گیارہ سو سینتیس ہجری میں، جب نواب نظام الملک آصف جاہ سے اور مبارز خاں سے میدان میں شکر کھڑی کے کہ سات کوں اورنگ آباد سے ہے لڑائی ہوئی۔ قزلباش خاں بھی ساتھ تھا۔ مبارز خاں تو صیاد اجل کا پیچھے ہوا اور قزلباش خاں دام ہستی میں پھنس کر دستگیر ہوئے۔ بعد کئی دن کے ایک غزل نواب کی تعریف میں اور اپنے مذر تقصیر میں لکھ کر بھجوائی۔ بندش اس غزل کی نواب آصف جاہ کو پسند آئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی اسی وقت بموجب حکم قید سے نجات ملی اور جاگیر قدیم بدستور سابق بحال ہوئی۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی کہ قلعہ داری منی مرگ کی نواب نے غایت فرمائی۔ یہ قلعہ ہے علاقہ میں کرناٹک کے، وہاں ہیرے کی کھان تھی۔ چنانچہ کشنا جو مذہبی ہے، اس کے کنارے سے مہرا نکال کے وہاں تراشتے ہیں۔ چند مدت اس معدن معانی نے ہیرے کی کھان کی داروغگی میں اوقات نہایت آب و تاب سے بسر کی اور اسی عرصہ میں رخصت حج اور زیارت کی لی بعد حاصل کرنے سعادت زیارت کے جو آیا، نواب آصف جاہ کو ویسا ہی توجہ اور غنایت کے ساتھ پایا۔ جب کہ ۱۱۵۰ھ گیارہ سو پچاس ہجری میں نواب آصف جاہ حضور طلب ہوئے اور شاہ جہان آباد آئے، تو قزلباش خاں بھی ہمراہ رکاکے تھے۔ اس میں کچھ شورش مرہٹوں کی تنبیہ کے لئے، مہور ہوئے اور قزلباش خاں

اس سفر میں فقط پاس رفاقت کر کے جدا دلی سے مجبور ہوئے۔
 میر غلام علی آزاد تخلص، سرو آزاد جو ان کا تذکرہ ہے، اُس میں لکھتے ہیں کہ:
 جس ایام میں نواب آصف جاہ کو بھوپال کے سفر کا اتفاق ہوا، تو فقیر بھی عازم حج
 کا تھا۔ اس قافلے کے پیچھے کو غنایات الہی سے سمجھ کر چلنا راہ کا اور اترنا منزل
 کا باہم اختیار کیا۔ چنانچہ قزلباش خاں سے ملکر اور متواتر ملاقاتیں اس سفر میں
 ہوئیں۔ عجیب مجمع کمالات نظر آیا۔ باوصف ولایت زائی کے ہندی راگوں کے گانے
 اور سمجھنے میں نہایت طبع چست اور فہم درست رکھتا تھا اور خوش اختلاطی اور
 رنگین مزاجی میں بھی کوئی مقام اس سے نہیں چھوٹتا تھا۔ یہ لطیفہ اس کی زبانی ہو کر:
 ”ایک دن میں نے کچھ شکایت زمانے کی نواب ذوالفقار خاں بیٹے نواب اسد خاں
 وزیر جو تھے اُن کے سامنے کی، سن کر فرمانے لگے کہ ”سچ ہے دنیا کو اُمید کے ساتھ
 بسر کرتے ہیں۔“ میں نے عرض کی کہ ”اگر دنیا کو اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہیں تو افسوس
 ہے کہ آپ مجھ بغیر دنیا کو بسر کرتے ہیں کہ میرا تخلص اُمید ہے۔“ غرض جب
 نواب آصف جاہ بھوپال میں پہنچے، تو فوج نے مرہٹے کی شدتیں کیں اور لڑائیاں
 مکر رہوئیں۔ اس میں نادر شاہ کے آنے کا غلغلہ ہندوستان کی طرف ہوا۔ نواب
 آصف جاہ نے اس ایام میں لڑائی کا طول دینا مناسب نہ سمجھ کے، ساتھ دارودما
 کے مصلحتاً صلح کی اور مع قزلباش خاں کے داخل شاہ جہان آباد میں ہو گئے۔
 آگے نادر شاہ کا آنا اور دلی کا لوٹے جانا، مشہور ہے، یہاں کچھ بیان اس کا
 نہیں ضرور ہے۔ غرض جب والی ایران کا ایران کو گیا اور شہر میں امن و امان ہوا
 تو آصف جاہ حضور سے رخصت ہو کر پھر دکن کو سبھا رہے اور قزلباش خاں
 نوکری چھوڑ کر کمر کھول کر بیٹھ رہے، دلی کی محبت کے مارے چند روز اور بھی ساتھ
 عیش و نشاط کے دیکھا جلوہ دم اور قدم کا، آخر ۱۱۵۹ھ گیارہ سو اٹھ سو چھری میں

سکتے کی بیماری سے لاچار کیا سفر ملک عدم کا۔ قریب آٹھ ہزار بیت کے زبان فارسی میں اس بلند طبع نے فکر کی ہے اور ہندی میں گاہ گاہ بطور اختلاط کے کبھی کوئی غزل کہی ہے۔ یہ اشعار اُس ستودہ اطوار کے ہیں :-

بانازِ جور و حسن ملک، جلوہ پری
 باہن کی بیٹی ایک مری آنکھ میں گھڑی
 رقم بہ پیش و گفتم "جانم ندائے تست"
 غصہ کیا، وگالی دیا اور دیگر لڑی
 ایسی نہ سیٹھا اور نہ بھوانی نہ رادھکا
 کرتار نے نہ ایسی کوئی دوسری گھڑی
 گفتم کہ "تیسے پانوں پریم اور بلایم"
 گفنا کہ "ڈاڑھی جارموں تہہ کو کیا پری"
 گفتم "امید وصل یہ ہم تیرے جیتا ہوں"
 گفنا کہ "چل پرے دلی مارے بچھے مری"

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے ولہ درو دیوار سے اب صحبت ہے
 دل ہمارا اسے کرتا ہے رات غیر سے جو سرشب صحبت ہے
 درو دل اس سے جو ہم نے کہا ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے
 دھرمیں پاس نفس لازم ہے شیشہ و سنگ یہ سب صحبت ہے

دستِ اختیار ہے زیرِ سرِ یاد

آج امید کو ڈھب صحبت ہے

۵۔ آرزو۔ سراج الدین علی خاں۔ مترجم نے خاصہ اضافہ

کیا ہے۔ ۲ ۱/۲ سطر۔ ۴ شعر (ورق ۱۳۔ الف)

آرزو تخلص سے سراج الدین علی خاں نام، متوطن اکبر آباد کے۔ باپ کی طرف

۱۱ اور تذکرہ میں گھڑی کی بجائے "پٹری" ہے جو "در نظم افتاد" کا ترجمہ ہے ۱۲

۱۳ کرتار یعنی خدا ۱۴ یعنی ریش سوختہ ۱۵ یعنی کدھب ۱۶

سلسلہ اس بزرگوار کا شیخ کمال الدین، بھانجے سے شیخ نصیر الدین کے، کہ چراغ دہلوی جن کا لقب تھا، ملتا ہے اور ماں کی طرف سے شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری کو پہنچتا ہے۔ چھوٹی عمر سے طبیعت اس بزرگ زادے کی پڑھنے لکھنے کی طرف مصروف تھی۔ چنانچہ چودھویں برس شعر کہنا شروع کیا اور چوبیس برس کی عمر تک جتنی کتابیں درسی اور ضروری تھیں پڑھ چکا، فاضلوں سے عصر کے جس قدر کہ فائدہ چاہے تھا اٹھایا اور مرتبہ کو استعداد کے نہایت بھڑی کو پہنچایا۔ بعد تحصیل علم کے بادشاہی منصب داروں میں داخل ہو کر وطن سے دور ہوا، یعنی اوائل سلطنت میں محمد فیض سیرکی گوالیر کی خدمتوں میں سے ایک خدمت کے ساتھ مامور ہوا۔ ^{۳۳} اللہ گیا رہ سو تیس ہجری تھی کہ دار الخلافۃ ہندوستان میں آیا، اور زور شور شاعری کا زبان دانوں کو وہاں کے دکھایا۔ چنانچہ ^{۳۴} اللہ گیا رہ سو سینتالیس ہجری میں کہ شیخ محمد علی حزیں علیہ الرحمۃ ایران سے شاہ جہان آباد میں تشریف لائے تو اُس گمانہ روزگار کی بلاقات کو شاہ و گداز سب آئے۔ سراج الدین علی خاں سے جس قدر اخلاق کہ مناسب اُن کے حال کے پایا شیخ نے ادا فرمایا۔ لیکن اس بزرگ زادے نے نسبت غرور کی شیخ کی طرف منسوب کی اور ناحق اپنی طبیعت اُن سے محبوب کی۔ آزرده خاطر وہاں سے گھر آئے اور دیوان شیخ کا دیکھ کر بہت سے شعر سقیم ٹھہرائے۔ چنانچہ وہ سب اعتراض جمع کر کے ایک رسالہ لکھا ہے اور نام اُس کا ”تنبیہ الغافلین“ رکھا ہے۔ علوم کی طبیعت تو ان اعتراضوں سے البتہ تشویش میں پڑتی ہے، نہیں تو صاف نزاع معلوم ہوتی ہے، جب باریک بینی کی نگاہ اُس سے جاڑتی ہے۔ غرض شاعر زبردست اور صاحب استعداد تھا، اکثر مضمون میں سے مضمون کرتا ایجاد تھا۔ لطیفہ گوئی اور ظرافت میں بہ شدت مشاق

سلا مولوی امام بخش صہبائی نے ایک رسالہ ”قون فیض“ نام لکھا ہے، جس میں خان آرزو کے اکثر اعتراضات کے جواب دیئے ہیں ۱۲

خوش طبعی اور رنگین مزاجی میں شہرہ آفاق تھا۔ اگر یہ سرِ مشتمل ملاقات کا ان کو ایک جہان سے تھا، لیکن تو تسلِ امورات دنیا میں نوابِ اسحق خاں سے تھا۔ بعدِ خراب ہونے شاہِ جہان باد کے نوابِ سالار جنگ کے ایما سے لکھنؤ میں آئے، لیکن خاکِ نیرنگِ بار نے نیرنگی ہی کے رنگ دکھائے۔ چنانچہ لکھنؤ میں دھماکا ہوا ہے اور لاش کو ان کی، بموجب ان کی وصیت کے نوابِ سالار جنگ نے بعدِ سپردگی شاہِ جہان آباد کو بھجوا دیا ہے۔ بہت سی کتابیں اس ماہِ فرمون نے تالیف کی ہیں۔ اتنی تو نگاہ سے راقمِ عاصی کے بھی گزری ہیں :- فنِ معانی میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ نام اُس کا ”محببتِ غلطی“ ہے اور فنِ بیان میں ایک رسالہ اس کی تصنیف سے مشہور ”عطیہ کبریٰ“ ہے اور ایک فرہنگ لکھی ہے نام اس کا ”سراج اللغت“ ہے بطور برہان قاصد کے اور سوائے اس کے حال کی اصطلاحات میں ایک نسخہ تالیف کیا ہے کہ مشہور ہے ”چراغِ ہدایت“ کر کے شرحِ اسکندر نامہ کی اور قصائدِ عربی کی لکھی ہے اور گلستان کی شرح کہ نام اُس کا ”خیابان“ ہے، تالیف کی ہے۔ ایک تذکرہ فارسی گوئیوں کا نہایت لطیفوں کے ساتھ لکھا ہے۔ سوائے اس کے اور بھی بہت کچھ تحریر کیا ہے۔

۱۶۹۰ء گیارہ سو اُنتر ہجری میں اس فراغِ پڑھنے والے مدرسہٴ زندگی کے نے کتابِ ہستی کو گردان کے استادِ اجل سے درسِ فنا کا پڑھا۔ قریب تیس ہزار بیت کے زبانِ فارسی میں اس کو کہنے کا اتفاق ہوا ہے اور ریختہ کا قصہ گاہ گاہ بطریقِ تفنن کے کیا ہے یہ اشعار ہندی طبع زاد اُس کے مشہور ہیں:

میخانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھوے پھوڑے
جان کچھ تجھ پر اعتماد نہیں ولہ زندگانی کا کیا بھروسا ہے
آتا ہے صبح اُٹھ کر تیسری برابری کو کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشیدِ خادری کو
دل مارنے کا نسخہ پہنچا ہے عاشقوں تک کیا کوئی جانتا ہے اس کمیاب گری کو
۱۰ یہ رسالہ چھپ گیا ہے ۱۲ اس تذکرے کا نام ”مجھ لکھنؤ“ ہے ۱۲

اس تہذیبِ خوں سے ملنے لگا ہے جب سے ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو
اپنی فسون گری سے اب ہم تو ہمارے بیٹھے بادِ صبا یہ کہنا اُس دل ربا پری کو
”اب خواب میں ہم اُس کی صورت کو میں ترستے
لے آ رہو ہوا کیا بجھوں کی یادری کو“

فلک نے رنجِ تیرا سے میرے زبس کھینچا دلہ لبوں تک دل سے شبِ نالے کو میں نے ہمیں کھینچا
مرے شوخِ خرابا کی کیفیت نہ کچھ پوچھو بہا رح کو دی اب اُس نے جب چرس کھینچا
ربا جوش بہا اس فص گر یوں ہی تو لبوں نے چین میں دستِ گلچیں سے عجیب گچ اس میں کھینچا
کہا یوں صاحبِ محل نے سن کر سوزِ محبوبوں کا ”تکلف کیا جو نالہ بے اثر شل چرس کھینچا“

نزاکتِ رشتہ الفت کی دیکھو بانیِ دشمن کی

خبردار آ رہو ملک گرم گرتا نفس کھینچا

۴۔ اشتیاق - ولی اللہ سرہندی - گلشنِ ہند میں ترتیب بدلی ہوئی

ہی - گلزارِ ابراہیم کے دونوں محظوظوں میں حسبِ ذیل جملے

ہیں جس کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ مترجم نے اپنی طرف سے

خاصی ہجو کی ہے :- (دوق ۱۲ - الف)

” اشتیاقِ مخلص - سرہندی - آئینِ ولی اللہ از سلسلہ

مجدد الف ثانی ست - وجہش شاہ محمد گل و در کوئلہ فروشاہ

می ماند و درویشانہ می زیست - کمتر شعر فارسی و بیشتر شعر ہندی

می گفت - از دست ”گل“ شعر نقل کئے ہیں جو گلشنِ ہند

شعروں میں سب سے آخر ہیں -

اشتیاقِ مخلص شاہ ولی اللہ نام، متوطن سرہند کے - اس رونی بخش دین احمدی کا سلسلہ

ارادت شیخ احمد کر، کہ مجدد الف ثانی جن کا لقب تھا، پہنچتا ہے - علی ابراہیم خاں مرحوم نے

شاہ محمد گل کو جہان کا لکھا ہے، لیکن راقم حقیر کے گوش زد یہ مضمون نہیں ہوا ہے۔
 فی الحقیقت مرتبہ علم کا اس عالی جناب کے نہایت بلند تھا، خصوصاً علم حدیث اور تفسیر میں بہت
 بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اسم گرامی اس برگزیدہ روزگار کا زبان خلعت پر کج کے
 دن تک شاہ ولی اللہ محدث کر کے جاری ہے، اکثر کتابیں تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہیں جیسا کہ
 دو نسخے کے ایک کا نام قرۃ العین فی ابطال شہادۃ احنین ہے اور دوسرے کا نام
 ”جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ“ کہتے ہیں۔ تصنیفات سے اس محی الدین کی یادگار صفحہ
 روزگار پر ہیں۔ والد ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کثیر قناعت کے، کہ جس کا نام نامی مولوی
 عبدالعزیز ہے۔ آج کے دن تک قدم توکل گاڑے ہوئے شاہ جہان آباد میں بیٹھے، باوصفیکہ
 تفصیل حسین خاں مرحوم نے موجب ایما صاحبان عالی شان کے مدرسہ قدیم کی مدرسے کے
 واسطے تحریک اس مرکز دارۃ قناعت کی چاہی، لیکن اس قطب آسمان ملت و دین نے مطلقاً
 حرکت جگ سے نہ فرمائی۔ اس فاروق زبان کی بھی تالیف سے ایک کتاب ہے، کہ نام اس کا
 ”تحفۃ اثنا عشریہ“ ہے اور دوسرا نام ”رد و افض“ شاید کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے
 دیکھنے سے اس کتاب کے استعداد اس بزرگ زادے کی معلوم ہوتی ہے کہ کیا دریا فصاحت
 کا بہا یا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آخر کیسے باپ کا بیٹا ہے۔ فی الواقعہ کہ عالی مقداروں کے عالی مقدار
 ہی ہوتے ہیں اور نابکاروں کے نابکار، بقول ایک شاعر کے۔

شیر کے بچے میں غرش شیر سے افزد ہے
 بھوک میں کتے کی بلی کی سگی موجود ہے

۱۔ دونوں نام غلط ہیں۔ پہلی کتاب تفصیل شیخین میں ہے۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کی ابطال سے خدا نخواستہ
 اس کو کوئی تعلق نہیں اور دوسری کتاب تو باطل فرضی ہے۔ معاویہ کے مناقب میں ان کی کوئی کتاب نہیں ۲
 ۳۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب دونوں کی مصنف نے ہجو طبع کی ہے امد اس
 شعر نے تو صاف پردہ اٹھا دیا ہے ۱۲

الغرض وہ جامع جمیع علوم یعنی شاہ ولی اللہ مرحوم صین حیات میں اپنی کٹلمہ میں فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے۔ اوقات شریفہ کو بطور دردیشاں اہل معنی کے بسر کرتے تھے۔ اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمتر ہوتا تھا اور زبان ریختہ کا مشغلہ اکثر۔ یہ اشعار خلاصہ افکار اُس حقیقت آگاہ کے ہیں:

خیال دل کو ہے اُس گل سے آشنائی کا	نہیں صبا کو ہے دعویٰ جہاں سالی کا
کہیں وہ کثرت عشاق سے گھنڈ ہیں آ	ڈروں ہوں میں کہ نہ دعویٰ کرے غدا کی
مجھے تو ڈھوکے تھا زاد پر اک نگاہ سے آج	غور کیا ہوا وہ تیسری پار سالی کا
جہاں میں دل نہ لگانے کا کیوں پھر کوئی نام	بیاں کروں میں اگر تیری بے وفا کی
نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گزر گلی کا تیری	رقیب کو مرے دعویٰ ہے بے حیائی کا
نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی	غور ہے جنہیں در کی تری گدا کی

جہاں سے مت استعیاق پھر کے منہ

خیال کیجو کہیں اور جہہ سالی کا

دیکھوں کے پھروں سے لگے کیونکہ اُس کو چوڑ	ہر ایک گرد باو ہے مجنوں کو دھول کوٹ
جوڑ کر تجھ کو نہیں غیر سے جو لاگ لگی	نہیں مہندی یہ ترے تلووں سے ہوا لگی
دوبالا ہو کے مخموری عبت آنکھوں کو ملتا ہے	پیالہ اور بھی پی پی سجن یہ دور چلتا ہے

۷۔ آبرو۔ شاہ نجم الدین۔ مترجم نے حالات میں اضافہ نہیں کیا

نمونہ کلام میں کیا ہے۔ ۳ سطر ۳۴ شعر

(ورق ۱۲، ۱۳۔ الغائب)

آبرو تخلص، شاہ نجم الدین نام، ساکن شاہ جہاں آباد۔ اولاد میں شیخ محمد غوث گوالیری کے تھے۔ سراج الدین علی خاں آرزو کے رشتہ داران قریب میں اور صاحب دیوان تھے

۱۱ یعنی لغتہ دینا تھا ۱۱

زبان ریختہ کے ترکیب میں بیشتر اشعار انھوں نے ابہام کے کہے ہیں یعنی اکثر وہ الفاظ شعر میں لائے ہیں کہ جن لفظوں کے دو معنی ہیں۔ اگرچہ با معنی یا لایعنی۔ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے عہد سلطنت میں انھوں نے جہان فانی سے رحلت کی ہے۔ ان شعروں نے آبروان کو

دی ہے ۵

خوب رویوں کے ہوا حق میں یہ تب کرنا دوا
تیرگی جاتی رہی چہرے کی اور بھی صفا
کیا سبب تیرے بدن کے گرم ہونے کا سجن
عاشقوں میں کون جلتا تھا گلے کس کے لگا
تو گلے کس کے لگی لیکن کسی بے رحم نے
گرم دیکھا ہوگا، تجھ کو بیچ میں آنکھوں کے لا
آہ سرد اور چشم تر عاشق کی سی دھواں کر
بدست ہر مختلف جس وقت ہوا آب و ہوا
دل مرا تو بید کر تو نے کے اپنے پاس رکھ
تو طفیل حضرت عاشق تجھے ہووے شفا
ترش روی چھوڑ دے اور رخ گوئی ترک کر
اور کھانا جو کہ ہو خوش کاتری سو کر غذا

بوعلی ہے نصف دانی میں بناں کے آبرو

کیوں نہ ہووے عاشقی میں اس کا نسخہ کیمیا

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا

قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس کی

ہو کہہ کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

وعدے تھے سب خلاف جو اس بے ہم سستی دلہ کیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا
یہ سبزہ اور ہے آپ رواں اور ایر ہے گرا دلہ دوانا نہیں کہ میں گھر میں رہوں گا چھوڑ کر صرا

۱۵ "غرض کاتری" یعنی "تیری مرضی کا" "خشک کا ابہام بھی مقصود ہے" ۱۱

۱۲ "دیکھو" کو "دیکھو" بڑھنا چاہئے۔ ورنہ مصرعہ ناموزوں ہوگا ۱۲

۱۳ "نہیں" کو "نہ" کے لہجہ میں پڑھنا چاہئے ۱۳

چوڑے کھیلنے کا سارا یہ ہے خلاصہ
 تم اور گرجوں سے اب آنکھ جو لگائے
 پی کر شراب جو تم ہم کو ڈراوتے ہو
 جھپٹ آماں رقیبوں کو گویا مار دیا
 رکھے کوئی اس طرح کے لالچی کو کب تک بھلا
 میرے پیار سے قاصد اپنے دل کی بات جانتا
 نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدادیہ
 بیچ اور پر غیر کے رہتا ہے اب لوٹا ہوا
 جو لوٹا نام سن امر دہرستی کا چڑھے چونکے
 عاشقوں میں جس کسی کا یار ہو راضی مرا
 جس طرح سے لے نامہ بر آیا ہے چلا جا
 فرہاد کا دل کوہ کوئے کا بھرا پیالہ ہوا
 کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیسا ہوگی
 زندگی ہے سراب کی سی طرح
 کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو
 آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر
 جس وقت زخم تیرا لگتا ہے غیر کے تین
 دھمکاوتے ہو ہم کو کمر باندھ باندھ کر

۱۱ یعنی چوڑے کھیلنے سے سارا مقصد یہ ہے۔ ۱۲
 کرتے تھے۔ یہاں بھی اسی طرح پڑھنا چاہئے در نہ مصرعہ ناموزوں ہو گا ۱۳ اس شعر سے
 اس زمانے کی اخلاقی حالت ظاہر ہوتی ہے ۱۴

شاید کچھ وہ سر کا بیٹھے ہمارے پاس
 بادام کو پیارے پھولوں کے بیچ باسا
 کیا شوق کو ہمارے جانا ہے اور کا سا
 دلہ یار نے اپنے گلے کا مجھے جب ہار دیا
 چلی جاتی ہے فوٹائش کبھی بید کبھی وہ لا
 دلہ کہ جانے سے تمہارے جان کو مشکل ہو رہا
 کہ اس کو بدنام لگتا ہے جیسے چاند کو گمنا
 دلہ زرسکے لالچ اس قدر وہ سیم تن کھوٹا ہوا
 میں اس کو پیچھے باتوں میں لگ جاتا ہوں
 وہ مرا دشمن ہے لیکن چاہتا ہی جی مرا
 جا کر کے یہ کہہ کل نہیں آیا ہے تو آ جا
 مستی سے جس کی شوق کی ہر سنگ متلا ہوا

اس دل بے قرار کی صورت
 باؤ بندری حباب کی سی طرح
 مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

خون کرنے کو چلا عاشق یہ تہمت باندھ کر
 اُس وقت جان سیتی جاتے ہیں جان مرہم
 کھولے ابھی تو جائے میاں کا نکل بھرم

کن نے آباغ میں حیران کیا نرگس کو — نہیں معلوم کہ یہ دیکھ رہی ہے کس کو
 کہتا ہوں میں پکار، سنو کان دھرجن — جو اور سے طوگے تو دیکھو گے ہم نہیں
 ہرگز ترسے لبوں کی سرخی کے تین پتھیں — ہر چند سہی کر کر یا قوت و لعل در جائیں
 اک عرض سب سے چھپ کر کرنی ہی ہم کو تہ — رضی ہو کر کہو تو خلوت میں آ کے کر جائیں
 لٹک چلنا سخن کا بھونٹا جھک نہیں اب تک — طرح وہ پاؤں رکھنے کی مری آنکھوں میں چپتی ہے
 زلف کے عقدے کھلے اب اور بھی مشکل ہوئی — دل کے اوپر یہ نئے سسر بلانا زل ہوئی
 میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے — کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے
 دل کب آوارگی کر بھولا — خاک گر ہو گیا بگولا ہے

پھرتے ہی پھرتے دشت دیوانے کدھر گئے — دے عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے
 مڑگاں تو تیز تر ہے لیکن جگر کہاں — ترکش تو ہیں بھرے یہ نشانے کدھر گئے
 نازک تنی پاتے مغرور ہو رہے ہو — موسیٰ کمر نہیں تو فرعون کر رکھا ہے
 اٹھ چیت کیوں جنوں سستی خاطر بخت کی — آئی ہمارے تجھ کو خبر ہے بسنت کی

۸۔ افضل۔ - محمد افضل۔ از قیامت برگویاں ناجی عشق در زندیدہ
 حسب حال خود بارہ ماہ مشہور بیکیٹھ کمانی منظوم نمود

این بیت از انجاست :- (ورق - ۱۳ - ب)

مسافر سے جنھوں میں دل لگایا — آنھوں نے سب جنم روتے گنوا یا
 ۹۔ احمد۔ - گجراتی معاصر ولی دکھنی بود۔ مہارت بزبان سنس کرت
 بھاکا داشت دگا ہے ریختہ نیرمی گفت۔ از دست :- (ورق - ۱۳ - ب)
 احمد بتائیں کیا کروں اب اے عشق میں — سر پر تو سا بچہ پڑ گئی اور پاؤں تھک گئے

لے یہ شعر ادنیٰ غیر جرات کی طرف منسوب ہے

- ۱۰۔ **امجد** - از قداست - احواش بنظر نیامده از دست (ورق ۳۰ ب)
 سنتا تھا جسے کعبہ بیت خانہ میں آخر امجد میں اسی حضرت انسان میں دیکھا
 ۱۱۔ **الانصاف** - احواش معلوم نیست - بعد محمد شاہ فردوس آرم گاہ بود

از دست (ورق ۱۳۰ ب)

- واقف تھے ہم کہ عشق کے شیو میں جس میں پر کیا کریں کہ دیدہ کو دل اپنے بس نہیں
 ۱۲۔ **اشرف** - معاصر شاہ نجم الدین آبرو بود از دست (ورق ۱۳۰ د)
 پی بل میں نیم خواب ہو دور بتروی گیارں اس غم سے خاک عاشقان سیوس پڑا
 ۱۳۔ **اشرف** - اسمش محمد اشرف از موز و نان عبد شاہ عالم بادشاہ است
 نظری موسوم بہ بٹیر نامہ بوسے منسوب است (ورق ۱۴۰ د)
 آبیدہ تو دو باتیں کہیں تم سے میاں ہم پھر دیکھے ایک دم میں کہاں تم ہو کہاں ہم
 ۱۴۔ **آزاد** - اسمش خواجہ زین العابدین - در زمان محمد شاہ فردوس آرم گاہ

بود - از دست (ورق ۱۴۰ الف)

- جہی بل نے چھوڑی شعلہ آواز کی جنگی تیجی گلشن میں سارے جل اٹھے گل اور کنول دھکا
 ۱۵۔ **آزاد** - اسمش میر مظفر علی - راقم حقیر میرند کو راکر در مرشد آباد
 دیدہ - در ہنگامیکہ برزاکت کینرے عاشق و منازعہ باتناہم
 داشت معالہ او مرجع با فقیر بود از دست (ورق ۱۴۰ د)

- پوچھتے کیا ہو کہ بیا دو کروں یا نہ کروں یہ تو فرماؤ کہ فرما دو کروں یا نہ کروں
 وعدہ وصل تو کرتے ہو وے سچ کمیو دل کو اس وعدہ سے بیش دو کروں یا نہ کروں
 خانہ یک دم کے لئے سیل پہا تہد جاب متحیر ہوں کہ بنیاد کروں یا نہ کروں

میں غم دل تیری جدائی سے پڑا ترپے ہی اس کو کیا حکم ہے آزاد کروں یا نہ کروں
 ۱۴- افصح - اسمش شاہ فصیح - از تلامذہ مرزا بیدل بود - عمرے درانہ
 یافتہ بحال در روشی در کھنوتیکہ ساختہ می گزرائید - ہمال
 یک ہزار و یک صد و نو دو دو انتقال نمود شعور فارسی و
 ریختہ می گفت و مشہور بہ شاہ فصیح بود - از وسعت -
 (ورق ۱۲ ا ب)

کر یاد تجھے جدھر گئے ہم ہمتو نہ رہے کدھر گئے ہم
 ز اہد سوئے کعبہ ہم سوئے دیر ایدھرنہ گئے اودھر گئے ہم
 جب ہوئے تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا مرتے ہیں
 زندگانی بھی کہاں ہو کے دن بھرتے ہیں
 کیا بلا شوخ کی قاست دیکھی ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
 ۱۵- آٹمی - دہلوی، اسمش خواجہ برہان الدین از مشاہیر مشیہ گویان
 دہلی ست و ریختہ بشیوہ قدما می گفت - اس چند بیت از میراجی
 خلف خواجہ مذکور بدست آمدہ از وسعت : (ورق ۱۲ ب)

میں وہ بلبل ہوں جو صیاد کے گھر بیچ پیدا ہوا
 جہاں میں آنکھ جوں کھولی قفس ہی آشیانہ دیکھا
 اس طرح شوخ کی فرگاں ہیں میرے دل میں چھپی
 جیوں کہ ترکش میں تو بے تیروں کا پرکاں کیجا
 چمن کے تخت اور پہ جب شہ گل کا بچل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہیں خزاں گلشن میں
بتاتا باغبان۔ وروہیں غنچہ یہاں گل تھا

صاف دل ہونا بہت دشواری آئینہ بھی عکس سے خالی نہیں
تمہارے تیتلا کے داغ پیارے عجب ہی چاند میں نکلتے ہیں تارے
۱۸۔ انسان۔ دلہوی، نامش اسد یاد خاں معروف بہ میر جنگنوں،
خلف لطف علی مرحوم۔ از نیکان روز گھر ہنسلا کان سرکار
بھدر شاہ بادشاہ بود۔ بیشتر بر تہ گشتن رغبت دارد
از دوست :- (ورق ۱۲ ب)

زمین و آسمان اور مہر و مہ سب تجھ میں ہے انسان
نظر بھر دیکھ مشیتِ خاک میں کیا کیا چمکا ہے (۹)
۱۹۔ احسن۔ نامش احسن اللہ، معاصر آبر و بود۔ بطرز او گفتگو می کرد
بوارستگی و حسن پرستی اتصاف داشت از دوست : (۱۵-۱)
کھول کر بند قبا کو کن ملک دل غارت کیا کیا حصارِ قلبِ دلبر میں کھلے بندوں لیا
یہی مضمون خط ہے احسن اللہ کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے
۲۰۔ احسن۔ میرزا احسن علی۔ مترجم نے اضافہ کیا ہے۔ ۳ سطر ۱ شعر
(۱۵-۱)

احسن تخلص، میرزا احسن نام، جوان نیکِ حُصَلت ہے۔ ابتدا میں میر رضا سے اتفاق
اصلاح کا ان کو ہوا ہے۔ بعد اس کے میرزا محمد رفیع سودا سے مشورہ اخذ کیا ہے ریختہ

ان کا خالی کیفیت سے نہیں ہے، اور بندش شعر کی صاف اور شیریں ہے۔ فی الجملہ غربت بھی نہ لکھتے ہیں اور نستعلیق وغیرہ اکثر اکثر خطوط بھلے چنگے لکھتے ہیں۔ ابتدا میں وزیر الممالک نواب سجاع الدولہ مرحوم کی سرکار میں سررشتہ ملازمت کا رہ لکھتے تھے۔ بالفعل ۱۲۱۵ھ بارہ سو پندرہ ہجری میں، ایک مدت سے نواب سرزاز الدولہ میرزا احسن رضا خاں بہادر کی رفاقت میں ایام زندگانی کے بسر کرتے ہیں۔ لکھنؤ میں بود و باش ہو اور یہ ان کا منتخب تلاش ہے۔

ہجر میں کیوں کر نہ ہو دے آہ زاری بیشتر
ہے قرار اس دل میں کم اور بہقاری بیشتر
کیوں تفکر دین و دنیا دل ہمارا بھول جائے
یاد رہتی ہے ہمیں پیارے تھکاری بیشتر
بیشتر تھی ہم کو اس سے دوستی اک طرح کی
اب تو تبارا وے ہو تلو ار و کٹا رہی بیشتر
رو نہ جہاں ہی میں تنہا کچھ نہیں رہتے ہیں ہم
وصل کی راتیں کٹیں یوں ہی ہماری بیشتر
بن کے خاک اب اس کے کوچے سے بھلا کیوں نہ آٹھے
ہے مزاج اپنے میں احسن خاکساری بیشتر

نہ نالہ ہے دل میں، نہ آہِ حزن ہے
کوئی دم ہے یاں، سو دم واپس ہے
گئے دن جو آنکھوں سے بہتے تھے دریا
ادھر دیکھ لو، خشک اب آئین ہے
گیا دل جو کو پس میں چین جہیں کے
نہ پھر وہاں سے نکلا، عجب سز میں ہے
قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر
کہا مان میرا، یہ گھر دل نشیں ہے
نہ کھینچ آسمان پر سہ اپنا تو احسن
سمجھ آخرش سب کا مدفن زمیں ہے

یارو وہ صنم کیوں نہ کرے کام خدا کا
رام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
سرانے کو جیوں لے گئے ہم اس کے قدم تک
پہنچا دیا تھو کر میں وہیں ملک عدم تک
سجدہ گہ ہی خاک احسن اب تو سارے خلق کی
جان دی تھی اس نے کس کی حسرت پاؤں میں

دل ہو دیدار سے مایوس تو مسرور نہ ہو چشم میں روشنی طور سے بھی نور نہ ہو
 بزم میں اُس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگشتی دل دھڑکتا ہے کہ میرا کہیں نہ گور نہ ہو
 ہے مجھ میں رقی دیدہ بجھے تانگڑاں ہر جیوں شمع مرا تارنگہ رشتہ جاں ہر
 محروم ہم ہوں محرم اسرار ہو کوئی خلوت میں ہو کوئی پس دیوار ہو کوئی
 راتوں کو اُس کے کوچہ میں جاتا تو ہوں راتوں کو دھڑکے ہی دل پڑا کہ نہ بسا رہ ہو کوئی
 پہنچی جس وقت مجھے اس کی خبر آنے کی سدھ رہی مجھ کو نہ اپنے کی نہ بگائے کی
 تم تو دل مانگو ہو یاں جان تک حاضر ہے بات یہ بھی ہے کوئی آپس کے فرمانے کی
 ۲۱۔ آشنایا۔ دہلوی اسمٰئ میرزین العابدین۔ معاصر و معاشر

سراج الدین علی خاں آرزو بود از دوست (۱۵-ب)
 گر ہم سے دیوانوں کو تم آزاد کرو گے پیرانے میاں کتنے ہی آباد کرو گے
 ۲۲۔ آشنایا۔ درویشیہ بود۔ احوال ش معلوم نیست۔ از دست
 (۱۵-ب)

کبھو تو مہرباں ہو ہم یہ اے بت کہ آخر ہم بھی ہیں بندے خدا کے
 ۲۳۔ الہام۔ نامش فضائل بیگ۔ از تلامذہ شاہ عبدالولی غزلت ہوئی
 بعد احمد شاہ بن محمد شاہ مرحوم بود از دست (۱۵-ب)
 اے عندلیب جا کے چمن میں کرے گی کیا
 بادِ خزاں سے سب گل و گلزار جھڑ گئے
 (اس شاعر کا ذکر اس مخطوط میں حاشیہ پر کیا گیا ہے لیکن دوسرے مخطوط میں
 متن ہی میں سلسلہ کے ساتھ ہے (مرتباً))

۲۴۔ الہام۔ شرف الدین۔ مترجم نے اضافہ کیا ہے۔ ۳۰ سطر۔ شعر (۱۵-ب)
 الہام تخلص۔ شیخ شرف الدین نام۔ کھنڈ کے شیخ زادوں میں سے ہیں صیغہ فرس سے دیکھتا ہوں

ان کو اسباب دنیا سے قانع بہ یک چادر ہیں اور سر و پا برہنہ بیٹھے رہتے خاک پر ہیں۔ زرد گوشت
کی مشق اس مرد کو حد سے افزود ہے یہاں تک کہ مصرع نہیں بکھا جا چکا کہ دوسرا موجود ہے
اسی طرح سو سو بیت تک ایک دریا جو شش مارنا چلا جاتا ہے۔ لیکن اس زرد گوشت کے باعث سے
اکثر کلام ان کا گفتگو میں بھی آتا ہے۔ دو دیوان فارسی زبان میں رکھتے ہیں اور ہندی میں بھی اکثر
کچھ کچھ کہتے ہیں۔ آگے لکھوں تخلص کرتے تھے۔ اب تخلص الہام ہے۔ بیشتر اہل لکھنؤ کو شاگردی کے
سوائے ان سے اعتقاد تام ہے۔ یہ غزل ان کی جو لکھی جاتی ہے، البتہ ایک عالم کو اضطراب دلا
دکھاتی ہے۔

دیکھا نہ ہوں نے کبھو سیاب کا عالم آدیکھے وہ میرے دلی بیاب کا عالم
ابر فرہ نامحوں کی ضد سے تو یک بار سب ارض و سما آوے نظر آب کا عالم
یا قوت کی رنگت پر کبھی آنکھ نہ جائے دکھلاؤں اگر چشم کے خوناب کا عالم
کل پر تو حسنِ سرخِ دلدار کے آگے پھیکا نظر آیا ہمیں جتا اب کا عالم

مانی ترا و اللہ ہو بندا

کھینچے تو اگر دل کے تپ تاب کا عالم

اری بکیسی تیرے قربان ہوں برسہ وقت میں ایک تو رہ گئی
۲۵- آگاہ - دہلوی نامش محمد صلاح - بہ عہد محمد شاہ فردوس آرمگاہ۔

در دہلی می گزرائید از دست

پیری میں کروں سیر جہاں کا تو بجا ہے

دن ڈنٹے ہی ہوتا ہے تماشائگر رہی نکا

۲۶- آگاہ - ہمش نورغاں - جو اپنے مست قصہ خواں نسبت شاگردی

در فن قصہ خوانی بامیر احمد قصہ خواں مشہور در شعر بامیر ضیاء الدین

۱۱۔ اہل نسخہ میں سادہ کلام چھڑدی ہو غالباً "یہ الہام" کا لفظ تھا۔

ضیاء دارد از دوست - (۱۶-۱)
 حلقہ چشم ہیں کیوں آج ہر دم پاہر رکاب
 ہے کہاں کا ہیں دریش سفر دیکھیں تو
 ۲۷۔ افعان - سمش الف خاں - بآئین درویشی عمری گزرا نیند

از دوست (۱۶-۱)

پہلے قدم ہیں عشق کے میرا توجی گیا
 مجنوں یہ چند روز بھلا کیونکہ جی گیا
 آئینہ غری کا اپنی سبائے تھالاف
 ہو گیا خجل سے پانی دیکھ وہ خسار صاف
 ۲۸۔ افکار - سمش میر جویں شنیدہ شد کہ بہ شوق مشہد مقدس
 بطوس رفت و در روضہ مبارکہ مجاہدست - از دوست (۱۶-۱)
 علی کا بیاہ ایسا جملگا تھا ، شب معراج جس کا رنجگا تھا
 ۲۹۔ امیر - سمش محمد یار خاں ابن محمد علی خاں روحیلہ (دو نو مخلوطوں میں
 "روحیلہ" ہی سچے ہیں) (مرتب) {بصفات حمیدہ موصوف بود۔
 شنیدہ شد اشعار خود را بہ شیخ محمد قائم قائم تخلص می نمود۔

از دوست (۱۶-۱)

اس موند سے اللہ کچھ نہ نکلا جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
 دیکھی جو میں سر نوشت اپنی جز روزِ سیاہ کچھ نہ نکلا

۳۰۔ اکرم۔ دہلوی۔ سمش خواجہ محمد اکرم، درتاریخ گفتق ہمارت بیا
داشته از دست۔ (۱۶-۱)

ایک بار مرے دیر میں زاہد اگر آوے
میں جانوں جو مسجد کی طرف پھر نظر آوے
۳۱۔ اسد۔ دہلوی۔ سمش میرامانی از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا
بود و بہ عمد شاہ عالم بادشاہ وارد تہ گالہ گشتہ در مرشد آباد
انتقال نمود، از دست (۱۶-ب)

پی کر شراب در دتہ جام دے گیا
وہ شوخ ہم کو بوسہ یہ پیغام دے گیا
کل آگیا کہ اور یہ عاشق ہی تو اسد
آیا وہ جب یہاں تکالہ لزام دے گیا
کس جنگ جو کی صبح کو باتیں نکالیاں
باہم صبا چمن میں الجھتی ہیں دایاں
۳۲۔ اولاد۔ تخلص۔ سمش میر اولاد علی صاحبش از سادات بارہست
از دست (۱۶-ب)

بتاں ہر چند بہلاتے ہیں میرے دل کو پر اولاد
ادا کس طرح جھگو اس پری خسار کی بھونے
۳۳۔ اثر۔ دہلوی بہت کم اضافہ ہے ۲ ۱/۲ سطر ۳۲ شعر

۱۶ شعر منشی کے حاشیہ پر نقل کئے ہیں (۱۶-ب)

اثر تخلص 'میر محمد نام' شاہ جہان آبادی چھوٹے بھائی تھے خواجہ میر درد مرحوم کے،
واقف تھے فن تصرف سے اور آگاہ تھے علم معرفت سے بطور درویشان صاحب معنی کے
گوشہ نشینی اختیار کی تھی اور درد و اثر کے ساتھ نہایت طبیعت ہموار کی تھی۔ بھائی اپنے سے
انھوں نے کسب کمالوں کا کیا ہے۔ بیچ تو یہ ہے کلام ان کا چاشنی سے درد و اثر کی آشنا ہے
ایک منشی بہت طولانی بیان عشق میں ان کی تصنیف سے ہے۔ اگرچہ انتخاب اس کا لکھا گیا
بہت تخفیف سے ہے۔

آہ کے ساتھ جی نکل گیا	آہ اے آہ یہ خل نہ گیا
میرے تیس تو کام نہ تھا کچھ بتوں سے آہ	پردل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا
بس ہو یا رب یہ امتحان کہیں	یا نکل جائے اب یہ جان کہیں
دلے غفلت! کہ ایک ہی دم میں	میں کہیں اور کاروان کہیں
بے دفا تجھ سے اب گلا ہی نہیں	تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں
یا خدا پاس! یا بتاں کے پاس	دل کبھی اپنا یاں رہا ہی نہیں
دل سے جو چاہئے سو باندھے بات	میں نے واللہ کچھ کہا ہی نہیں
تجھ سو ا کوئی جلوہ گری نہیں	پرہیں آہ کچھ خبر ہی نہیں
درد دل چھوڑ جائیے کون؟	اپنے باہر تو یہاں گزری نہیں
حال میرا نہ پوچھیے مجھ سے	بات میری تو معتبر ہی نہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے

اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

کیا کیجیے اختیار نہیں دل کی چاہ میں — ہیں سب و گرنہ یہ تری باتیں نگاہ میں
ہم ہیں بیدل دل اپنے پاس نہیں — آہ اس کا بھی تجھ کو پاس نہیں

پوچھ مت حال دل مرا مجھ سے مضطرب ہوں مجھے تو اس نہیں
بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے

پر اثر کی توہم کو اس نہیں

میں کہاں تو کہاں، یہ کہتے ہیں کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں

جو سزا دیجے ہے بجا مجھ کو تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو

دہی میں ہوں اثر وہی دل ہے

اب خدا جانے کیا ہوا مجھ کو

ایک تنہا خاطر محضوں جسے آزار نہ تو ایک مجھ بیا سے وابستہ ہیں آزار نہ تو
کچھ ان وزوں دل اپنا سخت بے آرام رہتا، اسی حالت میں لے کر صبح سے تا شام رہتا،
بیاں میں کیا کروں اب اس سے آگے اپنی گامی تھے یلور اور مجھ کو تجھی سے کام رہتا ہے

اثر کیجئے کیا، کدھر جائیے مگر آپ ہی سے گزر جائیے

کبھو دوستی اور کبھو دشمنی تری کون سی بات پر جائیے

صرف غم ہم نے زندگانی کی واہ کیا خوب زندگانی کی!

ناک تیری عجب سبیلی ہے تیلی اور اونچی اور کمیلی ہے

ناک ہی، یا کہ ایک تو تہا ہے چہ پنج اب شہد میں ڈبو تہا ہے

۱۔ مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی شہزاد کا
اعتراف کیا ہے، لیکن چون کہ ان کے نزدیک شعراء لکھنؤ سے ایسی فصاحت و رسالت کی توقع نہیں کر سکتی
اس لئے، اس کی وجہ یہ قسار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ میر اثر کی مثنوی دیکھی تھی اور اس کا طرز اڑایا
تھا۔ یہ اشعار اسی مثنوی کے ہیں۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا مادہ
اور نمونہ ہو سکتی ہے ۱۲

تھنے اے ترے پٹر کتے ہیں جانور وحشی جیوں بھڑکتے ہیں
 ذائقہ میں تو جیسے یہ لب ہیں شہر و شربت جو کچھ کو سب ہیں
 دانت جب جھلکوا دیتے ہیں دل کیجی سبھی چباتے ہیں
 دیکھ کر آنکھیں آبدار کو ہیاں لوٹ جاتا ہے گو ہر غلطی
 گر گھو اس کے جی میں آئے ہے مٹی دو آنکھیاں لگا دے ہے
 دانت پھریوں چکے ہیں سارے رات اندھیری میں جیسے ہوں تارے
 جی خیال آبدھ ہے گردن کا یہاں ٹھک جائے ہے مرا منکا
 گو کہ شفاف ہے تن مینا یہاں تو جھکتی ہے گردن مینا
 کیوں نہ کہینچے وہ سب آپ کے دھو جس میں ایسا بھرا ہوا ہو غولہ
 دھیان میں جب وہ باز داتے ہیں ہاتھ پاؤں اپنے پھول جاتے ہیں

کیا خوش آئند یہ کلائی ہے

اس کو دل لینے کی کل آئی ہے

۳۴ - اہم - دہلوی - کچھ اضافہ ہے ۳ سطر - ۲ شعر (رباعی)

(۱۶ - ب)

اہم تخلص، صاحب میزنام، شاہ جہان آبادی - خلف الصدق خواجہ میسر در
 مرحوم کے - درویش صاحب حقیقت اور پچاننے والے رموز معرفت کے ہیں - ۱۹۲۲ء
 گیارہ سو چورانوے ہجری میں رونق بخش بلند مرشد آباد کے ہوئے تھے اور دوستی سے
 راجہ دولترام کی چند مدت اس شہر میں رہے تھے - بانفصل کہ ۱۲۱۵ ہجری میں، شاہ جہان آباد
 میں توکل اور قناعت کے ساتھ اوقات شریف کو بسر کرتے ہیں - یہ اشعار ان کے نتائج
 افکار سے ہیں ۵

دھمکاتے ہیں بس مجھ کو فقط آپ اگر کر کرے بانگے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگڑ کر

ہنگامِ فغاں تھا خس و پنبہ نفس و دام
جیہ نامِ خدا دُور سے وہ جلوہ نہا ہو
تا برِ رگِ گل نے ہے رکھا ہم کو جگر کر
مر جائیں صفوں کی صفیں حیرت سے بچ کر
متدیل کا تو بیچ اٹھا بیٹھے گا اے شیخ
چھٹ اس کے نہ کچھ پاوے گا زردن سے بھگ کر

آج آج ہے دکھ درد بھلانے کو اہم یہاں

کیا اس سے فراق ہو اٹھاتے بھلا کر

نہ دل کو قرار بے قراری کے سبب (رباعی) نہ جہنم کو خواب اشک باری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں کے کچھ جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

۳۵۔ التور۔ غلام علی از سکندہ کالپی بودہ از دوست (درق ۱۷-ب)

سو نہی دہن پہ تیرے جو شرط ہے مسی کی

تیرے لبوں کا بوسہ مصری ہے کالپی کی

۳۶۔ اجمل۔ الہ آبادی۔ ایش شاہ محمد اجمل کہیں برادر شاہ

غلام قطب الدین مصیب تخلص مشیخت و نجابت سلسلہ آں بزرگوار

اشتمار دار و بنا بر روابط قدیم کہ با حقیر ست۔ الحال کہ سال

یک ہزار و یک صد و نو دسش ہجری ست بیتے چند کہ از الہ آباد

فرستادہ ایشان بہ بنارس نزد راقم آئم رسیدہ بود در نجابت افتاد۔ (درق ۱۷-ب)

شاد تھا دل سب طرف سے بر میں جب جانانہ تھا

ہائے کیسی رات تھی جس رات وہ ہنسا نہ تھا

ہو گیا تھا کہتے کہتے ان دنوں میں ہوشیار

پھر جو دیکھا گل میں اجمل کو وہی دیوانہ تھا

۳۷۔ انشا۔ انشاء اللہ خاں علی ابراہیم نے ان کو ”درسِ صبا“
ہنگامِ دولت میر محمد قاسم علی خاں عالی جاہ“ دیکھا تھا اعلیٰ لطف
مفید اضافہ کیا ہے۔ ۳ سطر، ۴ شعر، (ورق ۱۸، ۱)

انشا تخلص، میر انشاء اللہ خاں نام، بیٹے ہیں حکیم میرا شاہ اللہ خاں کے، مصدر
جن کا تخلص تھا عجب خوش اختلاط اور صاحب استعداد ہے سوائے قصیدوں کے مثنویاں
زبانِ عربی میں انھوں نے نظم کی ہیں اور ترکی کی غزلیں بھی ان کی خالی کیفیت سے نہیں ہیں۔
زبانِ فارسی میں صاحبِ دیوان ہیں کستیری اور مارواڑی کے سوائے اور بھی بہت سی
بولیوں کے زبانِ دان ہیں سال گزشتہ انھوں نے ایک قصیدہ زبانِ رنجیتہ میں غزلیں
یعنی جن کے اشعار میں کوئی حرف صاحبِ نقطہ نہیں ہے، نواب عماد الملک کی مدح میں لکھ کر
کاپی بھیجوا یا اور صلے میں اس کے انعام تحسین اور آفریں کا بہت سا پایا۔ بالفصل کہ ۱۱۵
ہیں، مرشد زادہ آفاق مرزا سلیمان شکوہ کے سایہ عاطفت میں لکھنے کے اندر اوقات
ساتھ قناعت اور شکستہ پائی کے بسر کرتے ہیں۔ دیوان ان کا زبانِ رنجیتہ میں مشہور ہے اور
کلام ان کا ظرافت اور خوش اختلاط سے معمور یہ اشعار ان کے نتائجِ انکار سے ہیں:
تم جو کہتے ہو ”مجھے تو نے بہت رسوا کیا“ کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر میں نے کیا کیا
واسط، باعث، سبب موجب، جہت کچھ بات بھی کیا کہا؟ کن نے کہا؟ کس سے کہا؟ کب؟ کس گھڑی؟
کچھ بتا بھی؟ نام اُس کا؟ شکل کیسی؟ وضع کیا؟ جس کسی نے آن کر مذکور اس دھب کا کیا
گبرہ ہے وہ؟ یا مسلمان؟ یا نصارا؟ یا جہود؟ اس طرح کا تذکرہ جس شخص نے میرا کیا
شیخ ہو وہ؟ یا مغل ہی؟ یا لکھنوی؟ یا پٹھان؟ مودھی؟ یا حق تعالیٰ نے اُسے خشتا کیا؟
ہر جواں سا؟ یا دھرد؟ یا کہ بوڑھا؟ یا ادھیڑ؟ کون ہی جس نے اچی جلتے نہیں بچا کیا؟
نوکری پیشوں میں ہی؟ یا اہلِ حریفہ وہ غزنی؟

کس محلہ میں رہے؟ ہے کہاں کا وہ خبیث؟
 کذب، بہتان، افتراء، طوفانِ غلط، بالکل دروغ
 مرجا، شاہبش، اے رحمت خدا کی آفریں
 چودھویں تاریخ اک ابرہہ تک ساتھ جرات
 جھلملی سی چادرِ جنتاب، اوپر برق کا
 یوں لگا معلوم ہونے، پس یہ دویریاں بہم
 بوسے گل بولی کہ ”آج آپس میں بدل دوڑی“
 کوئی شیطان مجھے گا جس نے کہ ذکر ایسا کیا
 میں تھا را نام لے لے کب بھلا رو یا کیا
 میرے حق میں تم نے باور اور کا کنا کیا
 صحیح گلشن میں عجائب سیریں دیکھا کیا
 وہ دو پٹا باد لے کا سا جو ہر سرا کیا
 ایک نے گویا کہ سایا دوسری پر آ کیا
 چاندنی بائی نے بی خیلا سے بہنا پا کیا

خود بد دولت تو نہ آئے اور انشادات بھر

آپ بن ریگیا، لڑا کیا، تڑپا کیا

گال سہی، اداسہی، چین جہیں سہی
 گرنا زین کے کہنے سے مانا ہو کچھ بُرا
 یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
 میری طرف کو دیکھئے! میں نازیں سہی
 آگے بڑھے جو جاتے ہو کیوں کون سی ہیا
 جوبات تجھ کو کہنی ہے مجھ سے میں سہی

منظور دوستی جو تھیں ہر ایک سے

اتھا تو کیا مضائقہ الٹا سے کیں ہی

بندہ اُسے جب نظر پڑا ہے بولا ہے ”چل اٹھ کہ ہر پڑا ہے“

ہوئے ہیں خاک سر راہ اُس کے ہم انشادات

بڑا غصہ ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے

۳۸۔ اعظم۔ شہیدہ شد در گھنہ بدیش شغل عطاری دانت و او در سر کا

نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر منسلک ہو۔

از دست (۱۸۰-۱-ب)

ہر قد کے سبب عالم بالا پر تری ہف رکھتی ہی دماغ اپنا یہ زنجیر فلک پر

پیدا ہوئے حبیب آہ وزاری میں رہا بجلی کی مثال بے قراری میں رہے
 ہو خانہ خراب ایسے کافر دل کا ہم جس کے سبب ہمیشہ خواری میں رہے
 ۳۹- میرا علی علی - خلف میر ولایت اللہ خاں مرحوم - از نجائے دہلی ست
 ہنگامیکہ نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک از فوج ہنگامیشہ
 محاربہ داشت راقم حقیر میر مذکور را دیدہ در اں ایام او
 از منسلکان آل سرکار بود و سرے بعیاشی و عاشقی
 داشت - ۷ اشعر (۱۸، ب - ۱۹، د)

۳۰- امانی - دہلوی، میرامانی - ”باراقم آتم آشنا بود“ کوئی

اضافہ نہیں - ۳ - ۱/۴ سطر، ۴۳ شعر (۱۹-۲۰)

امانی تخلص، میرامانی نام، خلف ہیں یہ خواجہ آغی کے، جن کا مذکور اوپر ہوا ہے۔
 ۱۸۷۰ء گیارہ سو ایک اسی ہجری میں وارد مرشد آباد کے ہوئے تھے، اور جناب سید شہدا
 کی تعزیر داری کا شغل ہمیشہ رکھتے تھے۔ مرثیہ ہندی اپنے کئے ہوئے اکثر ممبر پر کھڑے ہو کر
 پڑھتے، اور مومنین کے تین سعاد گریہ کی دولت سے داخل ثواب کرتے۔ ایک شب
 جناب سید الشہداء علیہ السلام کی عین تعزیر داری میں کہ ۱۸۷۰ء گیارہ سو تاسی ہجری ہے
 بہیمش ہو کر سیر کرنے والے روضہ رضواں کے ہوئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ مغفرت کرے۔
 عجب مدد خوش اعتقاد اور دیندار تھا۔ تشہ عجبت میں اہل بیت نبوی کے سرشار تھا۔ یہ
 اشعار یادگار اُس نیکو کردار کے ہیں۔

اُس کے کوچہ سستی غبار اٹھا کون ساواں سے خاکسار اٹھا
 عند لیبو بالواب صحرا بارغ سے موسم بہار اٹھا
 ہچکیاں لے گلا بیاں روئیں بزم سے جب یہ گے گراٹھا

عزمِ رخصت ہوا جب ہی اس کا میرے دل سے وہیں تسلا اٹھا
 نہیں جو قدرِ اشکِ عالم سے موتیوں کا مگر وقار اٹھا
 شمع سے سوزِ امانی پوچھا تیرا
 اک دھواں اس کے دل سے یا ر اٹھا

راہ تکتے تکتے آخر جیسے آیا تنگ دل آنکھیں تو پتھر اگیں، پروہ نہ آیا سنگدل
 ہو چکا ہر غم سے خوں، اب جلد جائے کبیں خوف ہی یارب! نہ بدلے اور بھی کچھ رنگدل
 قدر جان اس کی کہ اک عالم سے یہ بیگانہ ہو گر رہا ہی تیرے در پر کھوکھو کے نام رنگدل
 فندقی پاکس کی دیکھی آہ! جس کے غم سے آج قطرہ خوں ہو بنا رشک گل اور رنگدل
 اپنی آنکھوں آگے کو اس کی لگی ہیں ہڈیاں
 پر امانی آپسے ہر سیکڑوں فرنگدل

گھیرا ہر مجھے غم نے عجیب حال ہے جی کا اے نالہ دل! وقت ہی فریاد سی کا
 سینہ میں جہر رو ہو ترا پھونکے اے آہ ملک دل سے خبر دار! کہ یہ گھر ہی کسی کا
 اُس کے کوچہ سے صبا آج اس طرف آئی نہیں دیر ہوئی وہاں مقیموں کی خبر مائی نہیں
 وائے اپنی اس بصارت پر کہ ہر ذرہ میں آہ! جلوہ گر ہے آفتاب اور تاب، بینائی نہیں
 کونسا دن ہے کہ مجھ کو یاد تو آتا نہیں کونسا دم ہے کہ آنکھوں بیچ پھرتا نہیں
 عشق تیں کس کے امانی مبتلا ہو جس بغیر
 تجھ کو نفاہ گلوں کا ان دنوں بھاتا نہیں

چمن سلیمانے ہیں پڑے، بادل برستے ہیں شباب آ! سا قیا! ہم بادہ نوشی کو ترستے ہیں
 زمانہ جائے عبرت ہی، چمن کا حال چل دیکھو تجمل جن گلوں کا کل تھا سیوے آج جھڑتے ہیں
 مساد ہی جانو خوش طالعی کو بد نصیبی کو
 امانی! منعم و مفلیک سب کے دن گزرتے ہیں

امانی تو ہوا تیغ تغافل ہی تسی لہل — بھلا بتلائے کس پر کرا اب آپ کتے ہیں
 ہم ترانسع تلک جو رسے جاتے ہیں — یاد آویں گے بہت اتنا کہے جاتے ہیں
 لے گیا کون مری تاب تو اں کو یک تخت — کہ سب ہی عفو میرے آج چھپے جاتے ہیں
 داسے دامانگی اپنی کہ یہ آنکھوں آگے — کارواں وین ہی ہم چھپے جاتے ہیں
 اثر ہونگ میں کیوں کہ ان کو رام کریں — بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آہیں کام کریں
 وہ ایک بار بھی تیری نظر پڑے زاہد — صلاح و زہد رہے یہ تو ہم سلام کریں
 کس کے یہ خار مرگاں دل میں کھلے ہیں — جو چشم سے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں
 دیکھ تو کیا ہی بت سنگدل پر نازاں — تجھ میں لے نالہ جانکاہ اثر ہے کہ نہیں
 یاد و گردار پہ منصور نہیں دیکھا ہے — نوک مرگاں پہ مرے سخت جگر کو دیکھو
 صف مرگاں آہ چشم کا ہوں کشتہ لے یار — سر تربت پہ چن دیجو مرے خارِ سیاہ کو
 زباں پر راز عشق کا نہ لانا سر کٹا دینا — سرشتہ کس سے ہاتھ آیا یہ سیمِ شبتاں کو
 میں نے پہلو سے گم کیا تجھ کو — آہ دل! کن نے لے لیا تجھ کو
 اشک آوارگی سے تو نہ بٹھا — میں نے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو
 جنگوں سے دل چھو لو کیا سوخت کر رہے ہو — پھر ٹوکیں کہاں کی آتش میں بھر رہے ہو
 اور میانِ خالی شکریہ پہ تمہارے — بوسہ میں بھی شاید فرہ تل شکاری ہو
 اللہ رے صنم! یہ تری خود تمائیاں — اس صن چندر و زہرہ اتنا غور رہی
 دم بدم اس کی خلش سے اب مجھے آزار ہے — دوستاں یہ دل نہیں پہلو میں میرے خار ہے
 چاہ میں کس کے دل ڈبو بیٹھے — آہ! ہم کیسے دل کو رو بیٹھے
 کیوں امانی گیا نہ آخر دل
 کفِ افسوس اب ملو بیٹھے
 آہ! اب میرے دم کے ساتھ ہوئی — باؤ پر غم سر کی برات ہوئی

ہم سا جونا تو ان عقب کارواں رہے — جوں نقش پاؤں ہیں کے ہوئے پھر جاں رہے
 صدمے جو پڑے ہیں دل پہ غم کے — آنسو نہیں تھتے چشم نم کے
 خوش خواب میں ہیں، مگر جواب تک جاگے نہیں خفتگاں عدم کے
 ہے صبح کو غم زمر رفتن یار — ٹمک نکلیو آفتاب تہم کے
 آنکھیں نہیں مند تی ہیں عجب جی تپ ہے — یار بے دل حیراں کو مرے کس کی طلب ہے
 دم لینے نہیں دیتے ہیں بہم کے یہ نالے — کیا جانے کیا دل کو مرے درد کب ٹھہرے
 ہجران کے شب و روز کا مت پوچھ گزنا — دن کٹ گیا جوں توں کے تو پھر رات غصہ ہے
 مدت سے سروکار غم جبرستی ہے — کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تھا نہ اسے
 نامہ بر کیو زمانے کی تڑپ تھی تجھ بن — شمع شب دیکھ مجھے صبح تک دہی ہے

بار ہا منغ کیا چھوڑ دے بے رحم کی چاہ

باز نہیں آتا امانی بھی عجب کوئی ہے

سیر گلشن کو میں جاتا تھا جو صیاد مجھے دیکھ کر دُور سے بولا کہ ”شکار آتا ہے“
 ۴۱۔ اظہر۔ دہلوی۔ اسمش میر غلام علی آزاد از شاعر دیر شمس الدین
 فقیر مغفور۔ وغرور و خود ستائی مشہور بود۔ چندے

در مرشد آباد بسر بردہ۔ از طبع ناساز خویش برادر

نرسیدہ بہ عظیم آباد آمد۔ و در ۱۱۹۲ ہجری بہ عہد شاہ عالم

بادشاہ وفات یافت۔ در فارسی سخن رس و معنی یاب بود

دریں اوقات فکر رنجیہ می نمود۔ و بار اقامت مربوط بود۔ از دست

شعر (۲۰۔ ب)

کرنا تھا جو کچھ نہ کر گئے ہم افسوس کہ یونہی مر گئے ہم

۴۲- امامی - عظیم آبادی - اسمش خواجہ امام بخش در زمان نواب سراج الدولہ
ابن بہیت جنگ روزگارے داشت - والحال کہ سال بہیت چہالہ
جلوس شاہ عالم بادشاہ ست در عظیم آباد بغرب میگزرا نہ -

از دست (۲۱-۱)

۴۳- میر اولیا - از بجائے قصبہ مہابن تواج لکھنوست - مرد آزادہ و
خلیق حسن پرست و ذہین ست - از مدتے در مرشد آباد
اقامت در زیدہ - بار اقم فقیر آشناست - ہر لغات ہندیہ
اقدار بسیار دارد و طبعش در ریختہ رسا از دست -

۱۰ شعر - (۲۱-۱-ب)

۴۴- احمدی - اسمش شیخ احمد وارث - وطنش قصبہ زمانہ و نسب آبائش
بحضرت قاضی شمس الدین ہمدانی کہ از خلفائے سلطان لسا لکین
شاہ شرف الدین بہاری بود می پیوندد - اما مشار الیہ از
اسلاف خود بہ شیوہ مالگوار می پرگندہ زمانہ و رسالہ داری
اتصاف داشتہ - از تربیت یافتگان نواب فضل علی خاں
غازی پوری ست - در ۱۹۶۶ ہجریہ از اشعار بسیار خود
قریب یک صد بیت انتخاب زدہ بر اقم آتم فرستادہ معلوم
می شود کہ اشعار خود را بہ سخن رسا نرسانیدہ
۱۰ شعر (۲۱-۲۲)

۴۵۔ انتظار۔ دہلوی۔ ہمیش علی خاں خلف اکبر علی خاں مرحوم نیکبختیست
 در زماں امیر با فرمانگ نواب علی وردیخاں مہابت جنگ
 دار و مرشد آباد شدہ در اں بلدہ سکے اختیار نمودہ۔ با حکام
 آنجا بکام دل می گزرا نہ۔ جوان فہمیدہ و خوش تقریر و بار قم
 حقیر آشناست طبعش در رنجہ سلیقہ نیکو انجینہ است
 شعر (۲۲)

۴۶۔ امین۔ عظیم آبادی۔ خواجہ امین الدین۔ کوئی اضافہ نہیں۔
 ۱/۵ سطر، ۴۸ شعر (۲۳-۲۶)

امین تخلص، خواجہ امین الدین نام، عظیم آبادی۔ عالم دوستی اور اتحاد میں باقرینہ ہیں۔
 علی ابراہیم خاں مرحوم کے یار دیرینہ ہیں شعر فہمی اور سخن رسی میں زمانے کے یادگار ہیں۔
 مضمون تراشی اور ادبندی میں نادر روزگار ہیں۔ ذہن کو ان کے بندش کی صفائی
 میں نہایت ارجبندی ہے اور طبیعت کو ان کی تگابش معانی میں اپنے ہمعصروں سے
 بلند می ہے۔ چند مدت نواب میر محمد رضا خاں مظفر جنگ بہادر کی رفاقت میں اوقات انھوں نے
 بکمیفت کاٹی ہے۔ بعد اس روزگار کے قناعت اور خواں مردی کے ساتھ خانہ نشینی میں
 زندگی بسر کی ہے۔ ایک دیوان چھوٹا سا زبان رنجیہ میں ان کی تصنیف ہے۔ منتخب اس کا
 یہاں لکھا گیا بہت تخفیف سے ہے۔

دنیا میں جو اگر نہ کرے عشق بتاں کا نزدیک ہمارے ہے یہاں کا نہ وہاں کا
 مانند نگیں آپ سے کاوش میں پڑا ہے مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشان کا
 کرتا ہوں امیں میں تو ثنا اس کی ولیکن
 منہ لال ہوا جاتا ہے خجالت سے زباں کا

پردے سے جو وہ شہرہ آفاق نکلتا تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا
 تھا کچھ بھی مناسب نہ نکلا دیا تو نے گر صبح نہ نکلا تھا امیں شام نکلتا
 گھر مے آنا اگر منظور تھا آئے ہوتے لطف سے کیا دور تھا
 گالیاں جو دیں سو دیں بس کیجئے سن چکے ہم جب تک مقدور تھا
 یہ دل خالی نہیں کوئی دم رہے گا تو جاوے گا تری غم رہے گا
 جس کا دل آپ نے لیا ہو گا خاک میں سے ملا دیا ہو گا
 ہم کو کیا، گر بسا آتی ہے دل وہ غنچہ نہیں کہ وہا ہو گا
 گالیاں غیر سے سنانے ہو ہاں میاں! تم سے اور کیا ہو گا
 مل گیا ہو گا خاک میں جوں شک تیری آنکھوں سے جو گرا ہو گا
 بتاں کے واسطے گھر بار کو اپنے بہا نکلا یہ طفل اشک میرا غشتی میں بے بہا نکلا
 وہی مقصود دل ہی اور وہی منظور آنکھوں کا سرورِ سینہ میں اس کو کونوں یا نور آنکھوں کا
 کیا ایک مجھ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا کس کو نہیں خوش آتی ہے برسات کی ہوا
 جب آہ سرد بھرتا ہوں کانپے ہی تن میں جوں شلخ کو ہلاتی ہے برسات کی ہوا
 خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا مد چادرِ مہتاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا
 شور ہے عالم میں تیرے حسنِ عالم گیر کا تو ہی ہو گا گر کوئی ہو گا تری تصویر کا
 عشق کی دولت سراپا، میں طلکے رنگ ہو اے ہوس دیکھ لے نسخہ ہے یہ کہیر کا
 چوستا ہی جوں سرپاں کو طفل شیر خوار چاہتا رہتا ہی دن پیکان اس کے تیر کا
 گرا را وہ نہیں ہے آنے کا فائدہ اس قدر بہانے کا
 خط نے مارا ہی حسنِ پرشب خوں کیا ہی جھگڑا ہے سوا یکا؟
 سخت کاوش میں ہوں بہ رنگیں ایسی نام آدرسی کا منہ کالا
 دل مرا سینہ سے یوں لیتی ہے وہ زلفِ دوتا اپنے دیوانوں سے کیا کہتی ہیں یہ زنجیر تینچ

دیکھتی ہے جب میری صورت کو بل کھاتی ہے زلف
 جس طرح شاخ کو ہوتا ہے ٹہرے پیوند
 یا الٹی کسی ظالم کے پڑے پنجہ میں
 دیکھ بھال اس دل صد چاک کو لیتے ہیں تپاں
 مرتے ہیں ہم تو اس کے لب ابدار پر
 بوسہ دیتا تھا، جی میں جو آوے تو پھیر لو
 اس شمع رو کے سامنے آتا ہے تو تینگ
 دب نکلتا ہے اگرچہ سب سے بے بالا پہاڑ
 کھو دیا کر کوہ کن نے جان شیریں کے لئے
 آدیکے تری زلف گرہ گیر ہوا پر
 ڈرے تھے نہ بھی نکلتا نہیں لب سے
 اڑتا ہی ہو کے مضطرب اس کے بام در پر
 ہی نہیں جو ہر نمایاں تیغ تیر سنار پر
 یار کے فرکان سے رطباتی ہی یوں تیر نگاہ
 دل خیال زلف میں ہے غواٹ بے آرام ہے
 آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز
 شاداب ہی خط اس کے لب ابدار پر
 دل میں رے خیال ہی کس ٹوٹنساں کا
 یار آیا ہے اب نہ یہ لے چشم
 جس طرح مجھ سے لے اٹھ کر کو آتش گیر کھینچ
 کاشش لئے کو مرے ہوئے اثر سے پیوند
 بے طرح پلکے کو ہے اس کی کمر سے پیوند
 میں نے پیشہ کیا کیا ہی ہنر سے پیوند
 گر آب زندگی جو تو مارے ہیں نہ ہار پر
 اتنا خفا ہو کس لئے اس خاکسار پر
 بھاری ہوئے ہیں کیا تجھے لینے دو چار پر
 دیکھتا ہے جب ہماری آہ کا کالا پہاڑ
 اس کی فرمایش کا اپنے سر سے تو ٹالا پہاڑ
 جن نے نہ کبھی دیکھی جو زنجیر ہوا پر
 ظالم ہے تھے ظلم کی تائید ہوا پر
 نامہ مرا کہاں ہے ہے کاغذی کبوتر
 لکھ رہا ہی نام مفتوں کو اس تہ دار پر
 جس طرح تردد کوئی آگے تر دار پر
 رات ہوئی ہی امیں بھاری ہر اک ہمار پر
 لیکن ہوئے نہ آہ یہ بخت سیاہ بہنر
 رہتا ہے گرد جادہ کے اکثر گیارہ بہنر
 لب امیں بھکتی ہے ہر ایک آہ بہنر
 دیکھنے دے زرا تو رہ لے چشم

لفظ ”آب زندگی“ سے ”آب حیات“ مراد ہے جس پر خضر کا قبضہ کیا جاتا ہے ۱۰

کیا کہوں یاد سے اپنی سی کئے جاتا ہوں گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پسے جاتا ہوں
 جی نکلتا ہے، یہ لب یاد میں رہنے ہیں تری مرتے مرتے بھی ترا نام لئے جاتا ہوں
 چاک سینہ کا مرے لوگ عبت سیتے ہیں ہم تو زخمی ہیں نگاہوں کے، کوئی جیتے ہیں
 سیل آتی ہے تو آنے دو مرا کیا لے گی گھر میں ایک میں ہوں بڑا، اور کئی بہتے ہیں
 فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکر معاش غم کو کھاتے ہیں امیں خون جگر پیٹتے ہیں
 سر پہ خوباں جو بال رکھتے ہیں موہو جی کا کال رکھتے ہیں
 سرو پر اتنا بھول مت قمری ہم بھی اک نو نہال رکھتے ہیں
 دل تو کیا ہو، امیں جو آوے یار جان آگے نکال رکھتے ہیں
 بتاں مجھ سے کہتے تھے کیا کچھ نہیں ولیکن جو دیکھا، تو تھا کچھ نہیں
 میں بوسہ جو مانگا، تو جھٹلا کے دہ لگا کہتے کیا ہے، کہا کچھ نہیں
 مجھے بے چین رکھتا ہے دل انگار پہلو میں وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلو میں
 گرفتاروں کو تیری زلف کے کس طرح خواب لے لسان شانہ رہتا ہے انھوں کے خار پہلو میں
 مجھے تو کبھی غم نہ بھر غم نہ ہو ملاقات تیسری اگر کم نہ ہو
 میں درگزر صاحب سلامت کا بھی خدا کے لئے اتنا برہم نہ ہو
 ہم آنے کو مانع نہیں غیر کو پر اتنا بھی خلوت میں بردم نہ ہو
 امیں کی غذا آرہی ہے ہی الہی یہ خون جگر کم نہ ہو
 ہوئی آشنائی جسے اس نے نوش سے مجھ کو جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اہل ہوش سے مجھ کو
 بھلا تو ہی کہ لے دل کسی کو یہ توقع تھی نکالے گا وہ صبح عید یوں آغوش سے مجھ کو
 جلائی سے سر پرانگ میرا زعفرانی ہے کوئی لے کر ملا دے اس نسبتی پوش سے مجھ کو

بھڑکتا ہے جگر میرا دل برداغ کی دولت
 امیں جلنا پڑا اس آتش خاموش سے مجھ کو

کیا کہیں دودھ آہ کی تاثیر
 گھر کا گھر ہے سیاہ، ست پوچھو
 مفت مارا گیا ہزار افسوس
 تھا میں بے گناہ ست پوچھو
 جب دکھاتا ہے وہ شرابی آنکھ
 وہ نہیں جانتی ہے گلابی آنکھ
 سخت دل گتھ رہیں ہیں مڑگاں سے
 ہے مگر خانہ کب سابی آنکھ
 روشن ہیں شب ہجر میں یہ دیدہ بیدار
 جوں رضیں چکلے میں ترے کان کے موتی
 دھڑکے ہے مراد کہ کہیں کچھ نہ لگاؤں
 لگتے ہیں ترسے کان سے جیسے موتی
 دن کا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
 عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
 صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
 ہجر کی رات ایسی بے خواری میں کٹی
 تیری آنکھوں کی پرستاری میں دل گھرا گیا
 ہائے اس بیمار کی بیمار داری میں کٹی
 اس زمانہ میں اب میں مت کر کسی سے دوستی
 شمع کی گردن نہ دیکھی و ست داری میں کٹی
 دل باندھے تو یار کے کاکل سے باندھے
 بلبل کو باندھے تو رگ نعل سے باندھے
 دھڑکے ہے دل کہہ کر جو کہتے ہو اے میاں
 باریک بال سے ہے، تامل سے باندھے
 حلوہ ترے حن کا کہاں ہے
 یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے
 ہم رہیں دیکھتے اور تیری یہ اوقات کٹے
 اور تو کیا کہوں اے شانہ ترا ہاتھ کٹے
 ایک دم ہو گئی گر اس سے ملاقات تو کیا
 زندگی کا ہے فزایہ کہ مساوات کٹے
 رنگ چہرے کا زعفرانی ہے
 عاشقی کی یہی نشانی ہے
 کس سے تشبیہ دیں بھلا تجھ کو
 دیکھا یوسف تو تیرا ثانی ہے
 شمع رویاں سے اتنا گرم نہ ل
 ان کی جو بات ہے زبانی ہے
 رات دن بھیکتے ہی جاتا ہے
 کیا میں ایسی زندگانی ہے

خضر نے ایک دم پیا تھا لے کے آب زندگی
 کیا بھلا اس میکے میں جی کسی کا شاد ہو
 معنی آرام کیا ہے، تو نہ کچھ سمجھا میں
 ہم تو دت سے اٹھتے ہیں کتاب زندگی
 غیر سے کیوں کہ وہ چھوڑے ملنا
 چھوڑتا ہے کوئی اپنے بانے
 ہم کھڑے تھے سامنے اٹھ گیا یاروں میں
 ملک تو منصف ہو جے ہم بھی کبھی یاروں میں
 جتنے تھے محفل میں تھا سب تپاک اور اضطراب
 ایک ہم کم بخت گویا وہاں گنگا روں میں
 ہاتھ اٹھانا جان سے پیارے نیش دشتوار ہو
 کیوں نہ دیکھا کل سب ہی تو ناز برداروں میں
 بھر عمر گدائی میں بھی کرتے رہے شاہی
 دنیا میں جو ٹھانے تھے میاں ہم نے بنا ہی
 خطہ کو جو تراشے ہے بھلا فائدہ کیا ہے
 اب چڑھ چکی لے یار سپیدی پسیمانی
 کیا دین سے غافل ہیں ایسے مردم دنیا
 سکے کو سمجھتے ہیں سدا اپنا الہی

تمہاری آنکھیں جو دیکھتے ہیں، پنٹ ہی لگتی ہیں پیاری پیاری
 پر اس قدر ہیں جو خوں کی پیاسی، یہ کافر آنکھیں ہیں یا کٹاری
 تری نگہ کے جو ہوں گے مارے، نہ مانگا ہوگا انھوں نے پانی
 نہ ایسی دیکھی ہے تیغ ہم نے، نہ ایسی دیکھی ہے آبداری

رباعیات

اطلب رہ نہیں اگر چہ سر کا
 سائل کو جواب ترش ہرگز مت دے
 پر بوجھ اتاروں ہوں میں اپنے سر کا
 بھوکا ہے، کیا کرے گا لے کر سر کا

یہ جو روح جانیہ بے وفائی کب تک
 کرتا ہے کوئی حسن پر اتنا بھی غور
 بس کیجئے، پاس شنائی کب تک
 دیکھیں تو رہے یہ خدائی کب تک

کیا شہر میں آج مجھ پر ہے ہولی
دعائے سے کیا کرو گے دل خوش کیب
پھرتے ہیں لئے غیر بھر بھر جھولی
ہولی کا قرار تھا، سو یہ بھی ہولی

مثنوی

ایک ہیں آشنا مرے غم خوار
ان کی تعریف کیا کروں میں بیاں
دل ہے ان کا کہیں دماغ کہیں
تمہ کو ان کے خدا نہ دکھلاوے
چار پیے کا سیر بھر ٹھہرا
آج دنیا میں ہیں جو کچھ ہم ہیں
دیکھتا ہوں جو ان کی میں صورت
گال جڑے سے یوں رہے ہیں لپٹ
تس پہ چپکے یوں ہے ماری میخ
میں تو کرتا نہیں سخن چینی
آنکھ گرہے تو گھرتے باہر ہے
کان ایسے پڑے ہیں دونوں طرف
مٹھ ہے نہ دھس کی طسج بدبو
ان کے دھارے کو دیکھ کرنی الحال
دیکھ نقاش اس کی پیشانی
کھوڑی سر سے ہے گی یوں لٹکی
توند لٹکے ہے پیٹ سے ایسی
صاف کتا ہوں میں یہ مجبور ہی

پوچھ گو بیوقوف بد اطوار
کتنی سشراتی ہے گی منہ میں زباں
گھر میں ٹھونڈ تو بھونے پھاگ نہیں
گر کوئی دیکھے خاک کیا کھاوے
پی کے رکھتے ہیں جی میں یہ غرا
مالک چار دانگ عالم ہیں
یاد آتی ہے چین کی صورت
لگ ہے ہوں کواڑ کے جوں پیٹ
جوں جڑی ہوں کواڑ میں گل میخ
ناک ہے جوں کواڑ کی بسینی
حلقہ چشم حلقہ در ہے
جوں ڈفالی کا ہوئے پھوٹا دف
لوگ کرتے ہیں دیکھتے رخ تمہو
جن کے دیکھے نہ ہو دیں کالے باں
کھینچتا دل میں ہے پشیمانی
جوں کہ چوٹے پہ اوندھی ہو مٹکی
پیٹ تے ہووے پیٹ سے جیسی
ناف ہے جاضرور کی مور سی

کیا کہوں اس کی اور بد حالی منہ ہے چمکا تو سیٹا ہے خالی

دل لیکے زلف اس کی یوں حلقہ زن ہے مجھ پر بیٹھا چمن میں مٹھے جوں سانپوں کے آگے
بتاں اٹھاتے نہیں ہاتھ میسرے کینے سے ہے ہے سنگ کیتیں لاگ آہنگینے سے
ضرد کیا ہے کہ ہوتا ہے تو جمل ناصح ہماری حبیب کو ہے کیا لگائے رہنے سے
نہ اٹھ سکے گامے لب سے حرف بوسہ کا مٹا کے ہی کوئی نام کو ٹیگینے سے

امیں ضعیف میں اتنا ہوا بقول فحال

اک کے آہ نکلتی ہے میرے سینے سے

کیا برا وقت تھا اس شوخ سے جب آنکھ لگی جب تک جیتے رہے روز نہ شب آنکھ لگی
بزم رنداں میں لے دیکھ کے چھپ جاتے ہیں کیا مگر شیخ کی ہے بنت عنب آنکھ لگی
میں گزرا یار کے منے سے جاوے جس کا جی چاہے غرض اب شوق سے عاشق کہاوے جس کا جی چاہے
حیات جاوداں بخشے ہے تیغ آبدار اس کی اگر باہر نہ آوے جاگے گھاوے جس کا جی چاہے
یار بھی اب گدہ لگا کرنے یہ بھی اپنے نصیب کی خوبی

ہاتھ میں اپنا سر لے رہنا عشق کی پہلی یہ سلامی ہے

دل گرفتار کیوں نہ ہو میرا بریں جامہ ترے دودامی ہے

زاہد کبھو تو گرد نہ پھر پوشہ اب کے یہاں آگ ہے چھپی ہوئی پرے میں اب کے
کیا چشم منماں سے رکھیں مفسانِ دہر دریائے تو بھرے نہیں کا سے جاب کے
پھرتا ہے کیوں بٹکتا لے شیخ ہر طرف تو کتنا ہے جس کو کعبہ وہ یار کی گلی ہے
کہا کرتے ہو مجھ کو قابلِ جبر و جفایا ہے جو کوئی چاہے کسی کو لے میاں اس کی تیرا ہے
برہمن دیر کو پوجے ہے اور کعبہ کے تیرے زاہد پرستش ہم جسے کرتے ہیں وہ نامِ خدایا ہے
رشتہ گلزار ہوا داغ سے سینہ میرا یار کے بھادیں تماشا سے تماشا ہے

اس ماہ رو کے سامنے آتی ہے چاندنی اپنے تئیں اب آپ ہنساتی ہے چاندنی
 منہ دیکھو تیرے سامنے آکر سفید ہو مانی میں آبرو کو ملاتی ہے چاندنی
 دو دن کی چاندنی ہے پھر آخرا ندھیری رات ساقی پلاس شراب کہ جاتی ہے چاندنی

گر آمد آمد اس مہتاباں کے تئیں اہیں

کیوں چاندنی کا کوش بچھاتی ہے چاندنی

غیروں سے اخلاط ہماری بلا کرے گر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے

دنیا میں کہنے کو سب ہی کہلاتے ہیں بے پرہہ وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

۴۴۔ افسوس میر شیر علی۔ خاصہ اضافہ کیا ہے۔

۴۴۔ ۱۰ شعر (۲۸)

افسوس تخلص، میر شیر علی نام، والد ماجد ان کے سید مظفر علی خاں، داروغہ توپ خانہ
 نواب میر قاسم خاں عالی جاہ کے تھے۔ سلسلہ سیادت کا ان کی حضرت اسماعیل اچج کو، کوٹڑے
 بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تھے، پہنچتا ہے۔ وطن بزرگوں کا خاں ایک مگا
 ہے، علاقہ میں عرب کے۔ بزرگوں نے ان کے ہندوستان میں آ کے نار نول
 میں سکونت اختیار کی۔ اس سبب سے وطن ان کا نار نول مشہور ہے۔ میر مذکور کے باپ اور
 چچا کو، کہ سید مظفر علی خاں اور سید غلام علی خاں نام رکھتے تھے، نواب عمدۃ الملک امیر خاں
 مرحوم کی رفاقت میں سررشتہ ملازمت کا نہایت اقتدار اور عز و وقار کے ساتھ توپ خانہ کی
 داروغگی کے ساتھ سر فرما رہے تھے، اور رسالہ معقول سے حضور میں مختار تھے۔ بد شہید ہونے
 نواب عمدۃ الملک کے سید غلام علی خاں کو نیابت صوبہ الہ آباد کی بالذات بھی تھوڑے دنوں کی
 آخر فالج بیماری سے انھوں نے سیر روضہ رضواں کی کی۔ ان کی وفات کے بعد سید مظفر علی خاں
 خانہ نشین ہوئے، اور بارہ برس بے روزگار بیٹھے رہے۔ آخر نواب خان عالم بقا، اللہ خاں
 مرحوم نے انھیں بکواسیا اور سرکار وزیر الملک نواب بجلع الدولہ مرحوم کے مشاہیر

میں تین سو روپے کا واسطے ان کے درماہہ ٹھرایا۔ ان ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن گیارہ برس کا یا کچھ کم زیادہ ہے، لیکن مولد ان کا دار الخلافہ شاہ جہان آباد ہے۔ یہ بھی ہمراہ اپنے والد ماجد کے لکھنؤ میں آئے، اور طور بود و باش کا ہمیں ٹھہرائے۔ بعد کئی برس کے حسب الامر نواب صادق علی خاں کے، کہ بڑے بیٹے نواب میر محمد جعفر خاں صوبہ دار بن گالہ کے تھے، سید مظفر علی خاں وارد مرشد آباد ہوئے اور داروغہ کوپ خانہ وغیرہ کے ساتھ امور رعایت و امداد ہوئے۔ آگے بیان ساتھ تفصیل کے موجب طویل کام کا ہے۔ غرض جب وزیر الممالک نواب سراج الدولہ بہادر مع صوبہ دار بن گالہ شاہ جہان علی شان سے معرکہ آرا ہیں، تو سید مظفر علی خاں بھی ہمراہ رکاب کے تھے۔ بعد میر محمد جعفر خاں کی وفات کے روزگار نواب سیف الدولہ کا انھوں نے نہیں کیا، بلکہ لکھنؤ چلے آئے، اور بعد کئی برس کے حیدر آباد کی طرف گئے، وہیں وصال ان کا ہوا۔ اس ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن آئیس برس کا تھا۔ شعر و سخن کے ساتھ موانست ان کو بہ شدت تھی، اور طبیعت کو مناسبت نہایت۔ چنانچہ صغیر سن سے شعر کہتے ہیں اور اکثر اس شغل میں رہتے ہیں۔ صلاح کا اتفاق ان کو میر حیدر علی حیران تخلص سے ہوا ہے، اور علی ابراہیم خاں مرحوم نے شاگردان کو میر حسن تخلص کا کھلایا ہے۔ اس کی سزا اپنے تئیں نہیں پہنچی، اور یہ خیر اپنے گوش زدن میں ہوئی۔ ابتدا میں یہ سررشتہ روزگار کا نواب سالار جنگ مرحوم کے ملازموں میں رکھتے تھے۔ اور میرزا نواز علی خاں، جو نواب نذکر کے بڑے بیٹے ہیں، گیارہ برس ان کے متعینہ رہے۔ بعد برہم ہونے اس سررشتہ کے، صاحب عالم عالمیان میرزا جوان بخت جہاں دار شاہ کی عنایت اور قدر دانی از بسکہ حد سے زیادہ دیکھی۔ سعادت توسل کی انھوں نے ملازموں میں اس عالی جناب کے حاص کی جس ایام میں اس نیز اوج شہر یار سی کا خیمہ مغرب کی سمت نکلا، اور کوچ شاہ جہان آباد کو ہوا، تو میر نذکر بہ سبب بعضے بعضے عوارض کے رہ گئے، اور ساتھ نہ جاسکے۔ ایک مدت سے یہ توکل و قناعت ہمراہی میں نواب سرفراز الدولہ بہادر کے دن زندگی کے بسر کر رہے تھے، کہ صاحب الامتاق

عالی شان بارلو صاحب نے مشورہ سے عالی قدر سخن آفریں مسٹر گلگرسٹ صاحب، زبانا
 ریختہ لکھنؤ سے طلب کئے۔ بڑے صاحب نے لکھنؤ کے کہ نام نامی اس معدن رافت کا ہر صاحب
 ہے، بہ عزت تمام ان کو بلوا کئے اور مشاہیرہ دوسروں کا پیڑ کا پیڑ کے پانچ سو روپیہ خرچ راہ
 دیا، اور کلکتے کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ جب مرشد آباد میں یہ آئے، تو فوراً محبت سے اسی دن
 غریب خانہ میں تشریف لائے، کس واسطے کہ ان کے نکلنے کی تقریب دو مہینے آگے راقم حقیر
 لکھنؤ سے نکلا تھا اور واردمرشد آباد کا تھا، دیدار سے اپنے انھوں نے نہایت خوش و خرم کیا۔
 اور پلٹے ہوئے وعدہ کلکتے کی سیر کا اس عاصی سے لیا۔ غرض بالفعل کہ ۱۲۱۵ ہجری میں پندرہ ہجری
 میں بلوہ کلکتے میں، صاحبان عالی شان کے ساتھ میرزا کور ملاقاتیں بہ عزت تمام رکھتے ہیں اور
 گلستان کے ترجمہ کاپٹینی کی سرکار سے کام رکھتے ہیں۔ راقم آتم سے ملاقات ایام شباب سے
 ہے۔ فی الحقیقت کہ ذات ان کی زمانے کے انتخاب سے ہے۔ عجیب جوان خلیق اور اہل دل
 ہیں۔ فروتنی اور انکساری میں فرد کامل ہیں۔ منطق و معانی کے بیان میں صاحب استعداد
 ہیں۔ کلمات اور محالجات فن طبابت کے بھی بخوبی یاد ہیں۔ شعر عاشقانہ بہت مرے سے

کہتے ہیں۔ اقسام نظم ہیں۔

کیوں نہ ہو گھنڈا اس بت پر غور کو
 صبر کسی طرح نہیں اس دل ناصبور کو
 آس بت بے حجاب کا دیو ابھی اٹھا نقاب
 دیکھ کے گا پر اسے تاب سے اتنی طور کو
 باقی نہیں فقط، نہیں ڈوبی ہر سب کی زنجیر
 دیکھنا آج ہم نشیں آنسوؤں کے وفور کو
 سچ ہیں یہ خود نمایاں حق ہیں یہ ان نمایاں
 مشعل طور بچہ گیا دیکھ کے اس کے نور کو
 ناز بھرا دہ منہ اگر دیکھے جواک نظر تو بھر
 سمجھ نہ لائے زباں بھولے سے کرچور کو
 دو کسوئے طعنہ زن مجھے ناکسوں کی خوشایں
 میں نے ہی کی نہیں فقط، کرتے ہیں ضرب و زور کو

تو نے افسوس کیا کیا، دشمن جاں کو دل دیا
 یہ تیری عقل جل بجھے، ہلکے شعور کو

سمند گرم چریاں اس سوار کا پہنچا غبارِ فلک اس خاک رس کا پہنچا
توسیع بنا کر تجھے اتنی کیوں ہی بے صبری مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا
لے ہے پاؤں سے لینے وہ لالہ و ہر دم یہ مرتبہ تو دلِ داغ دار کا پہنچا
ہے یہاں تک تو نزاکتِ گلوں کے گھر سے لپکنے تجا ہے اس گلزار کا پہنچا
قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس

حصول کیا ہی جو فردہ ہمارا کا پہنچا

جب تک نہ عشقِ یار و نہ دلِ ناکام تھا اپنے میں کیا چین تھا، اور دل کو کیا آرام تھا
بخشیدو ہم کو کون سے ٹوکا ہے ہم نے بھول کر درو دل تیسری بلا ہو وہ ترا ہمنام تھا
اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن ہی دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا
صبح نہ کرتا ہے یہ دلِ شکباری بیش تر ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیش تر
دل کے تئیں بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار بے وفاؤں سے رہی ہی تجھ کو یاری بیش تر
ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر روتے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر
غیروں سے تو ملے تو ملا کر، وے مجھے کرنی نہیں کسی سے ملاقات تجھ بغیر
بزم میں اس کے نہ ہنستے ہیں نہ ہو سکتے ہیں چپکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ نہکتے ہیں
کما میرا مطلق نہیں مانتا ہے تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہے
کوئی دل۔ مرے پوچھے جیسا ہر وہ لے نالغ تجھ کو نہ خوش آیا، پر مجھ کو تو بہا ہے

۴۸۔ آشفقہ - مرزا رضا قلی - "تأمین تحریریں اور اقوالش

معلوم نہ شد۔ ظاہر اور لکھنؤ میگزائن - علی لطف نے

بہت کچھ لکھا ہے - ۸ شعر (۲۸ - ب)

آشفقہ تخلص، حکیم رضا قلی خاں نام، والد ماجد ان کے حکیم محمد شفیع محمد خاں مرحوم تھے

متوطن اکبر آباد کے۔ بڑے بھائی ان کے میرزا سہو صاحب، خدا مغفرت کرے، ذرا تخلص کرتے تھے۔ عجب دلورے اور ذوق شوق کے ساتھ کربائے معلیٰ گئے، اور وہیں خاک ہوئے، اور برو ضریح مقدس کے دفن ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ احشر بھی ان کا، اور جمیع مومنین کا، جناب سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ کرے۔ دوسرے بھائی ان کے، میرزا رضی صاحب، وہ بھی ان سے بڑے ہیں، بالفعل لکھنؤ میں داو طبابت اور معالجے کی دے رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو اختراعات فن طبابت میں انھوں نے کئے، دیکھنے کا کیا دخل ہے، کسی نے نہیں سنے۔ خداقت اور ریافت ان کے خاندان کی نہیں ہے، محتاج تشریح اور بیان کی۔ ہمیشہ بزرگ ان کے معالج سلاطین نامدار کئے رہے ہیں، اور امیروں سے بلکہ وزیروں سے سدا ناز و انماز کیا کئے ہیں۔ غرض حکیم رضا قلی خاں آشفستہ تخلص راقم آتم کے دوستانہ قدیم سے جوان آزاد وضع، اور خوشنح خطاط وارثہ خراج، اور مایہ ارتباط میں محبت، اور یکرنگی میں خلاصی، اور آشنائیوں کے بہت خاصے، حسن پرستی میں خود لیلیٰ و شیریں کی تصویر، اور عشق بازی میں قیس فرہاد کے پیر ہیں، مشور سخن کا انھوں نے میر سوز صاحب سے کیا ہے، لیکن شاگردوں میں ان کے اتنا کوئی نہیں ہوا ہے۔ میر صاحب مذکور کے طرز ادائیہ میں انھوں نے رنگینی کچھ اور بھی زیادہ کی ہے، سچ تو یہ ہے کہ رنگین ادائی کی داد دی ہو، چہ دے انھوں نے رفاقت میرزا محمد تقی خاں کی کی، جو کہ پوتے میرزا یوسف کوڑ کے تھے، اس سب سے دوڑ حانی برس بود و بخش ان کی فیض آباد میں ہوئی تھی، وگرنہ پرورش انھوں نے لکھنؤ میں پائی ہے، اور کیفیت زندگی کی وہیں اٹھائی ہے۔ مسئلہ بارہ سو آٹھ ہجری میں لکھنؤ سے مرشد آباد میں آئے، نواب مبارک الدولہ ناظم صوبہ بنگالہ مرض الموت میں گرفتار تھے اگرچہ معالجہ میں انھوں نے رنگ مسیحائی کے دکھائے، لیکن قضا و قدر سے لاچار تھے۔ بعد نواب مبارک الدولہ کی وفات کے، خلف الصدق سے ان کے، یعنی نواب عبداللہ صاحب، لکھنؤ میں سید علی خاں بہادر ولیر جنگ سے، نہایت موفقت آئی، اور صحبت نے بہ شدت یکرنگی پائی۔

چنانچہ سات برس کا کل ان کی خدمت میں رہے، اور قریب لاکھ روپے کے ہنگامہ میں پیدا کئے، لیکن خرچ کرنے والے بھی ایسے ہی بلائے روزگار تھے، کہ جس دن مرشد آباد سے نکلے تو قرض دار تھے غزوہ ذی حجہ کو ۱۲۱۴ھ بارہ سو چودہ ہجری میں، اپنے ہی مزاج نازکے ناحق روزگار چھوڑ کھلتے میں چلے آئے، اور زمانے کی بے رنگی کو مطلق خیال میں نہ لائے، بالفضل کہ ۱۲۱۵ھ بارہ سو پندرہ ہجری میں، بہ عزت تمام کھلتے میں اوقات بسر کرتے ہیں اور اک رنگ کی صحبتوں میں دن رات بسر کرتے ہیں طبیعت ان کی موسیقی کی طرف لڑکپن سے ہی، اور ایک مناسبت بھی پھلی چگی ان کو اس فن سے ہی۔ اپنی آشفۃ مزاجی میں غزلوں کو انتظام نہیں دیا ہے، وگرنہ مدت سے ایک دیوان کا سہ انجام ہو چکا ہے۔ یہ اشعار ان کے نتائج افکار سے ہیں۔

جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں	یہاں تک انتظار تھا دل میں
آبلہ ہو کے دم میں پھوٹ بہا	یہ کہاں کا بخار تھا دل میں
مر گئے پر بھی ہم کو خاک نہ دی	آج تک یہ غبار تھا دل میں
کھینچتے ہی تک اسے کمان ابر	تیر فرگاں دوسرا تھا دل میں
دم آتھم جو بھکی آتی تھی	وہ فراموش گار تھا دل میں
دست دلب نزع میں جو ہلتے تھے	شوق بوس و کنار تھا دل میں
دم شماری تک بھی آشفۃ	

قدموں کا شمار تھا دل میں

فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ	ادھر ادھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
نہ پیچ و تاب کو بالوں کے طول و اتنا	ہمارا دل ہی پریشان دیکھتے جاؤ
بجائے انساں کھلتے ہیں پار ہائے جگر	تمھارے جی میں تھا رمان دیکھتے جاؤ
دکھانے آئے تھے دامن کے چاک کی خوبی	ہمارا چاک گریبان دیکھتے جاؤ

کیا خرید زینچا نے مصر میں یوسف خاب عشق کی تم شان دیکھتے جاؤ
 اگرچہ ہو دینگی تصدیق لیکن اس شفقہ
 کوئی گھڑی کا چہان دیکھتے جاؤ
 وصل اس کا خدا قریب کرے دیکھیں تب ہم سے کیا رقیب کرے
 ہجر سے قتل، وصل سے اجار حب میں جو آوے سو حبیب کرے
 گل کا دیکھا چمکے چپ ہونا شور کیوں کر نہ غنایب کرے
 مر گیا ایک صنم پر اس شفقہ
 موت ایسی خدا نصیب کرے!

یہ خرابی تو پڑی مجھ پر ترے جانے سے چنڈ بھی ڈرنے لگے اب مرے ویرانے سے
 کس طرح قید کروں، یہ تو ٹھہرتا ہی نہیں کون برا دے بھلا، اس دل دیوانے سے؟
 میں سمجھتا ہوں کہ تم جا کے نہیں آنے کے فائدہ کیا ہے بھلا جھوٹا قسم کھانے سے
 شعلہ خوں آگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے آج تو آگ ہوا غیروں کے بھڑکانے سے
 دیکھتے ہی اُسے کل میرے یہ اور سان گئے اپنے بیگانے وہاں جتنے تھے سب جان گئے
 اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صد تے تو نہ کر ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے تھے قربان گئے
 مجھ کو کتا ہے صنم، تجھ کو بھی اب بھاگ گئے آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے تجھے آگ لگے
 بوسہ کے واسطے چٹا، تو لگا نہ گئے مجھے بس کہیں دور بھی ہو، منہ کو ترے آگ لگے

۴۹۔ ۵۰۔ دہلوی۔ اسمش میر محمدی خلف الصدق میر سید محمد سونو تخلص

شاگرد و والد ماجد خویش ست۔ ۱۱ شعر

۵۰۔ احسان۔ اسمش میر شمس الدین خلف میر قمر الدین منت تخلص

نظر آتا ہو ملک دل ہا اُجڑا، جلا بھوٹا خدا جانے کہ اس سب کو کس بے رحم نے لٹا

حرف الباء

۵۱۔ بیدل - مرزا عبدالقادرؒ احوال آں قادر سخن در تذکرہ فارسی مسموع

علی لطف نے قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ ۲۱/۲ سطر (۲۹-۱)

بیدل تخلص، میرزا عبدالقادر نام، قوم ختہا، لیکن نشوونما انھوں نے ہندوستان میں پائی ہے، جو دیت ذہن سلیم، اور ذکاوت طبع مستقیم کے باعث تصویر نازک خیالی کی بہت کچھ لکھنے کی کھینچ کر باریک بینیوں کو دکھائی ہے۔ بیشتر اختراعات انھوں نے زبان فارسی میں کئے ہیں، لیکن اہل محاورہ کے مقبول نہیں ہوئے ہیں۔ آسمان جاہ محمد عظم شاہ کے ساتھ توسل رکھتے تھے اور مورد اللطاف و عنایت شاہزادہ عالم دعالیاں کے رہتے تھے۔ قوت جسمانی اور طاقت بدنی قادر قوی نے اتنی انھیں عنایت فرمائی تھی، کہ اور ان کے معاصرین کے حصہ میں کم آئی تھی۔ چنانچہ ایک روز رکاب میں شاہزادے کی عین مواری کے دوادوش میں ایک شیر نکل آیا، اور کئی بیچاروں اجل کے ماروں کو ذائقہ مرگ کا اس نے چکھایا۔ آخر میرزا نے مذکور کے ہاتھ سے کمری کی طرح مارا گیا، اور اپنی جان سے بچا رہ گیا۔ دفعتاً ایسے روئی خلافت سے یہ سبزار ہو کہ روزگار پاکشیدہ، اور دنیا داری سے دست بردار ہوئے۔ طریقہ فقر اور گوشہ نشینی کا اختیار کیا۔ دل کو فراغ یاس اور خون تمناسے رشک گلزار کیا، لیکن دروازہ ان کا کثرت اعتقاد سے مسجود خاص و عام تھا، اور بوسہ گاہ امیران عظام تھا۔ نواب نظام الملک صوبہ دار دکن کا خط کرراور ستواتر اس مرکز دائرہ قناعت کی تحریک میں آیا، لیکن قطب آسمان توکل نے حرکت کو قبول نہ فرمایا۔ ایک بیت فارسی نظام الملک کے جواب خط میں لکھی ہے، اس سے قناعت اور جواں مردی اس شیریشیہ استغنا کی معلوم ہوتی ہے۔ اس بیت کو بہ سبب زبان فارسی کے حاشیہ پر

۵۱۔ دنیا اگر دہند، نہ جہنم نہ جائے فریش من بستہ ام جلائے قناعت ہائے فریش

لکھا ہے، اور ترجمہ اس کا اس طرح داخل کتاب کیا ہے سے
کب عوض دنیا کے سرکوں جا سے چھوڑوں ٹھاؤں کو
باندھی ہے ہندی قناعت کی میں اپنے پانو کو

کیا کہ ان کا از روئے نظم اور شعر کے قریب لاکھ بیت کے مشہور ہے، لیکن اہل دنیا
کی تعریف کہیں ایک مصرع میں نہیں مذکور ہے۔ بحر متدارک اور کمال وغیرہ پانچوں وزن،
جن کے ناظم مخصوص شعرائے عرب ہیں، اور عجم ان سے احتیاط کرتے سب کے سب ہیں،
اکثر میرزا نے غزل ان اوزان میں کہی ہے اور داؤد نازک خیالی کی دی ہے۔ از بس کہ
مدار دیناے دوروزہ کا فایز ہے، ^{۳۳} گیارہ سو تینتیس ہجری میں بلدہ شاہ جہان آباد کے
اندر اس سراے فانی سے عالم باقی کی طرف توجہ فرمائی۔ ان دو بیٹوں نے، زبان رنجیتہ میں
اس قادر سخن کے نام سے شہرت ہے پائی ۵

مت پوچھ دل کی بات وہ دل کہاں تہی ہم ہیں اس تخم بے نشان کا حاصل کہاں تہی ہم ہیں
جب دل کے آستان پر عشق آن کر کھپا پر پردے سے یار بولا بیدل کہاں تہی ہم ہیں
۵۲۔ بہار۔ دہلوی۔ نامش رائے ٹیک چند۔ در عربی مناسبت ۲

در فارسی مہارت داشت۔ بطور سیاحت ایران رفتہ

و در لغات فارسی کتابے موسوم بہ بہار عجم نوشتہ

از یار ایران سراج الدین علی خاں آرزو بود۔ گاہے رنجیتہ

ہم می گفت۔ این ابیات رنجیتہ قلم اوست ۵

وہی اک رسمیں تہی جس کو ہم تم تار کہتے ہیں کہیں بیج کا رشتہ کہیں نہ تار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہر کفر کا اسلام میں ظاہر سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں نہ تار کہتے ہیں

۵۳۔ **بنیوا**۔ موطنش قصہ سنہام از موزونان عہد محمد شاہ مرحوم معاصر

خان آرزو شاہ آبرو بود۔ ایں دو بیت کہ بوسے نسوبیت

در بیاضے بنام سراج الدین علی خاں آرزو ہم دیدہ شدہ

تم ہو بوسے کنار کی صورت میں ہوں امید و کی صورت

بنیوا ہوں زکات حسن کی دے اومیاں مال خاں کی صورت

۵۴۔ **شاہ بیچھا**۔ دہلوی۔ درویشے بود از طائفہ آزاداں۔ اشعار

بسیار می گفت وی نوشت (۳۰۔ ب)

دل مرا گرد لب یار کے منڈلاتا ہے یہ شکر خور شکر چھڑے کہاں جاتا ہے

۵۵۔ **بے قید**۔ دہلوی۔ ہمیش سید فضائل علی خاں ابن میر محمد علی خاں ست

کہ در زمان فردوس آرام گاہ اول بہ نیابت نواب عماد الملک

امیر خاں و بعد ازیں بالاصالتہ صوبہ دار ٹنٹنہ بود۔ بالجملہ

مثنوی خاں مذکور قریب پانصد بیت ست کہ بزبان قدما در پیا

عشق خود با یکے از ارباب طرب گفتہ۔ اما بے نمک واقع است

ایں چند بیت برگزیدہ آں مثنویست۔ ۱۳ شعر (۳۰۔ ا)

۵۶۔ **بیان**۔ احسن اللہ کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ۳ سطر ۵۵ شعر (۳۲)

بیان تخلص احسان اللہ خاں نام، شاگردوں میں سے مرزا منظر جان جاناں کے تھا
سکونت دہلی میں اختیار کی لیکن متوطن اکبر آباد کا تھا۔ شاگردوں میں سے میرزا بے مذکور
عاشق مزاج اور شیریں زبان تھا۔ زبان ریختہ میں صاحب دیوان تھا۔ یہ اشعار منتخب

دیوان اس سخنور خوش بیان کے ہیں۔

وہ بھی کیا دن تھا کہ ہم آغوشِ ہم سے یار تھا

اس تجا بل پر پڑا میں ریختا ہوں گویں

دیکھ کر تابوت کو بہار داروں سے مرے

کوئی کسی کا بیان آشنا نہیں دیکھا

آ کر جوں ہی قاصد نے لیا نام کسی کا

کیوں آج سنا نہیں اپنے میں خوشی سے

عالم کو تاج و گوہر تختِ دلوا دیا

نے دین سے اطلاع ہے، نہ دنیا کی کچھ خبر

ایسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے فیند کے

کب تک اس کی شکایت ہو نہ لب سے آشنا

غیر کے کہنے پر مت بیگانہ ہو کیا رہی

ہم دم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا

آتا ہے تجھ کو ننگ مے نام سے عبت

اگر اک صبح دم آتا وہ اٹھ کر خواب شیریں سے

جگا یا مجھ کو کس کم بخت نے ہائے

تو تو ساقی جام ترسا کر لانا تھا مجھے

رو کر اس سے میں کہا، مرنے ہے یہ بیمار حیف

یہ آرزو ہو کہ وہ نامہ بر سے لے کاغذ

وہ کون دن ہے کہ غروں کو خط نہیں لکھتا

عین شک جاتی تھی البتہ تک بھی آسکتی نہیں

در کے باہر مدعی جوں صورتِ دیوار تھا

وہ کہ جن کی چشم کا میں عمر بھر بیمار تھا

پوچھنے لاگا کہ اس مردے کو کیا آزار تھا

سوائے اس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

اس نام کے سنتے ہی ہوا کام کسی کا

کیا تجھ کو بیاں پہنچا ہے پیغام کسی کا

لے آساں۔ بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

اس عشق نے غرض ہمیں سب کچھ بھلا دیا

خوابِ عدم سے کاہے کو مجھ کو جگا دیا

ایک بیگانہ ہے مجھ سے اور سب سے آشنا

دیکھ تو لے شوخ! میں تیرا ہوں کس سے آشنا

گردن مرا یہی ہے تو آرام ہو چکا

لے شوخ! اب تو شرمینِ نام ہو چکا

ہمارا کیا گریباں، ناصحوں کا پیر ہن پھٹتا

مری آنکھوں کے آگے وہ ابھی تھا

یار کی آنکھوں نے مجھ کو کر دیا کیا بات

مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ اس کا کیا علاج

بلا سے بھاڑ کے پھر ہاتھ میں لے کاغذ

قلم کے بن کو گئے آگ! اور جلے کاغذ

رہم آتا ہے بیاں اب مجھ کو اپنی آہ پر

اک بار فوج عشق پڑے مجھ پہ ٹوٹ کر لے کے قرار و دین و دل و ہوش کوٹ کر
 لینا اگر ہے دل کو تو لے بھی اسے کہیں سینہ میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر
 ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی کہ مثل خار پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر
 کیا ایسے سے درد دل کو کہئے ایدھر تو سنا اُدھر فراموش
 میں بس کہ خاک میں ترے کوچے کی مل گیا تس پر بھی تیرے دل میں ہی نہیں سے عجب
 تمنا بادشاہی کی کسی سفد کو ہو دے گی مرے دل میں خدائی کا بھی خط نہ تو کاغذ پر
 کافر ہو جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو اک مختصر سی جاہو میں ہوں اور تو ہو
 منت آئیوے وعدہ فراموش تو اب بھی جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی
 آخر تو شکایت سے مجھے منع کرے ہے سی دیکھو تلک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی
 جہاں روؤں تمنا میں تری لے شمع روپیہ ادگے آتش کل زمین سے حشر نکال لہ لہا
 قمار عشق کی بازی بھی کچھ دینا ہے باہر ہے اسے کہتے ہیں عاشق جو کوئی یاں نقد جاں ہار
 آنسوؤں تک پوچھنے کی غیر کے تدبیر ہے مجھ سے اتنا بھی نہیں کہتا کہ کیوں دیکر ہے
 چرخ کی برہم زنی سے یہ یوگیت بیاباں بیلی و مجنوں کی یک جا اب تلک تصویر ہے
 شبِ فراق کی دہشت سے جان باتی ہو یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے
 جا کہو کوئے یا میں کوئی مر گیا انتظار میں کوئی
 وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا سر رکھے اس کنار میں کوئی
 جادو تھا کہ سحر تھی بابا تھی ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی
 کید مرے کہاں ہی خوشدلی تو ہم بھی کبھو تو آشنا تھی
 رسوا بھی سے کرتی ہولے چشم تر مجھے آنا ہے اس کی بزم سے بار در گرجے
 آیا ہوں اس گلی سے ابھی دم نہیں لیا پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی اُدھر مجھے
 کچھ قفس سوا میری قسمت میں جا نہ تھی تو کیوں دیے فلک نے میاں بال پر مجھے

جھگڑتے تھے سے پیارے حجاب آتا ہے دگر نہ بات کا تیری جواب آتا ہے
 پیو شراب جو انوار کہ موسم گل ہے ہمیں بھی یاد وہ عہد شباب آتا ہے
 اپنے دل سے بھی عداوت ہو گئی ہو اب مجھے دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چلبے مجھے
 کوئی خبر قیس نہ دیوانہ ہوئی گا میں تے عہد میں دیکھوں تیں جدھر تجھوں سے
 کیا زلفیں اُس شوخ کے تھی دیکھی صبح یا شام سے پھولی تھی کسی شب کی صبح
 کب زلف کو میں ہاتھ لگایا کہ اودھر ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

رباعیات

جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہیں گا عالم کے غضب سے جان کھوتا ہیں گا
 پنچوں کو صبا کیسو کہ آہستہ کھلیں زانو پہ مرے وہ شوخ سوتا ہیں گا

مت کیو بیاں جام اجل بتیا ہے یا اُس کے لئے کوئی کفن سیتا ہے
 یارو جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ اتنا کیو کہ اب تک جیتا ہے

سوطح سے یہ عشق بُھاتا ہے مجھے ہر چیز میں یک جلوہ دکھاتا ہے مجھے
 کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یارب! ہر چاہ میں یوسف نظر آتا ہے مجھے

کہتا ہوں جناب ہی میں ڈرتے ڈرتے مدت گزری دعا ہی کرتے کرتے
 ہے اُس کو یہ قدرت کہ بیاں سا محروم منہ یار کا دیکھ لیو سے مرتے مرتے

۴۴ - پیام - دہلوی - آئین شرف المدین علی خاں - در زمان محمد شاہ
 فردوس آرام گاہ بود از دوست (۳۲ - ۱)

دلی کے کچ کلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا
بات منصور کی فضولی ہے در نہ عاشق کی آہ سولی ہے

۵۸۔ بکھاری لعل دہلوی۔ در عصر احمد شاہ بادشاہ ابن

فردوس آرام گاہ بود۔ ازوست۔ (۳۲)

کہتا نہیں کہ ہجر میں کوئی یار چاہے ایک نالہ بس ہی گر مجھے غنوار چاہے
۵۹۔ بیرنگ۔ نامش دلاور خاں معاصر مرزا محمد رفیع سودا بود گویند

در دہلی حلت نمود۔ ازوست (۳۲)

دل کو تجھ عشق میں تسر نہیں اب تلک تجھ کو اعتبار نہیں
۶۰۔ بیگل۔ دولت آبادی۔ نامش سید عبدالوہاب بود۔ استفادہ از میر عبدلولی
عزالت تخلص صورتے می نمود۔ راقم حقیر نہ کو ررا در حکومت

نواب سراج الدولہ ناظم بنگالہ دیدہ است۔ ازوست۔

مراد دل لگر خاں یہ ساتھ لے گئے خاک کی طرح ہاتھوں ہاتھ لے گئے
تری زلفوں نے کئی کئی بچ کھلا دل بے کل کو راتوں رات لے گئے

۶۱۔ پیلیاب۔ نامش محمد سہیل شاگرد یک رنگ بود ازوست

نہ ہوتا اگر کسی سے مبتلا دل تو کیا آرام سے رہتا مراد دل
بخانوں کس پری رو کی نظر ہے ابھی تو تھا مرا چنگا بھلا دل

۶۲۔ بیتاب۔ نامش سنو کہ رائے معاصر میں محمد قائم، قائم تخلص
آزادہ مشرب بود۔ ۳ شعر (۳۲-ب)

۶۳۔ بیتاب۔ شاہ محمد عظیم برادر کتر قاضی مفتخر از سلسلہ نجبا۔ و با علوم سمیہ
آشناست۔ ہر چند راقم آثم اور اندیدہ۔ و صفات حمیدہ اور
از زبان بعضے شنیدہ۔ از موزونان عمدہ شاہ عالم بادشاہ

از دست ۵

رفتہ رفتہ بت خوش قدم آفت ہوگا قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہوگا
نگیں کی طرزیہ کیا مجھ کو سخت بھاتی ہے کہ ایک نام کی خاطر جگر کھداتی ہے
۶۴۔ پاکباز۔ نامش میر صلاح الدین لپہر سید جمال از نبایر سید جلال ست
در دہلی اشعار خود از لفظ مصطفیٰ خاں یک رنگ و میر عبد الول

عزت تخلص صورتی می گزرائید ۵

مجھے درد و الم رہتا ہی نہ گھیرے مٹا خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صبا
۶۵۔ تھا۔ اسمش بقار اللہ۔ خاصہ اضافہ کیا ہے ۱/۲ سطر ۲ شعر (۲۳-ل)

بقا تخلص محمد بقا نام، بیٹا حافظ لطف اللہ کاشاگردوں میں سے میرزا فاخر
تخلص کے تھا۔ فی الحقیقت عزیز کلمہ سنج و باریک بین، و معنی بند و سخن آفرین تھا۔ میرزا
رفیع سودا تخلص کے مسخ اکثر چڑھا، اور اس نہنگ بحر معانی کے ہجو میں کچھ کچھ دہیات
کمر لگا، لیکن میرزا نے مرحوم نے مطلق اعتنائ نہ کی، اور بیات کسی کہ میں نے جس کی

ہجڑ کی، نام اس کا اسی تقریب تمام عالم میں ہوا مشہور ہے، سو تیری ہجڑ نہ کروں گا، کہ تیرا مشہور کرنا مجھے نہیں منظور ہے۔ غرض اس عزیز سے زمانے نے موافقت کبھی نہ کی اور صورت روزگار کی بیچارے نے آئینے میں خیال کے بھی نہ دیکھی۔ افلاس سے تنگ آ کر کسی کے کہے سے کچھ اعمال تیخ کو اکب کے شروع کئے تھے۔ خیال میں اس سوداے غلام مجنوں ہوئے، اور جب تک جئے سودائی رہے۔ سلاسل بارہ سوچھ بھری غمی کہ حالت میں سودائی کے یہ بات سوچھی کہ تحصیل دولت عقیٰ کی کیجئے اور خاک راہ سے کربلا معلّا اور نجف اشرف کے دیدہ دل میں سرمہ حق نہا دیجئے۔ یہ غم کر کے جہاز پر سوار ہوئے اور منزل مقصود کی طرف قدم گزار ہوئے۔ اثنائے راہ میں اس دار فاسے، موافق نام اپنے کے، سفر ملک بھاگایا۔ خوشایہ حال کہ انجام تو بہ خیر ہوا۔

یہ چند شعر اس راہ رو جادہ بقا کے گوشہ خاطر میں تھے، سو لکھے جاتے ہیں۔
 یاد میں تڑپے ہے دل اس ابروئے خمیاری کی
 آج کچھ ناخن بدل ہے آہ! اس بھاری کی
 دیکھے، ہیں منصب مجنوں پہ یہ یلیٰ اصفیٰ
 خاک میں ہم کو ملا، کس کو سرفراز کریں
 کیا خط لکھیں اس کو حرکت ہاتھ سے کم کر
 خادم مرے اب ہاتھ میں تخت ششم ہو
 کس نے چین میں رنج کیا عندلیب کو
 غنچے رہے ہیں انوتوں میں اب اپنی حبیب کو
 اس لیے کچھ نہ چوسے قح، اور قح سے ہم
 تو کیوں ٹلے سب سے قح، اور قح سے ہم
 پاتے ہیں میکہ میں بقا روز فیض سے
 خم سے سب سے قح، اور قح سے ہم

۶۶۔ سیدار میر محمدی۔ کوئی اضافہ نہیں۔ ۳ سطر ۷۵ شعر

بیدار تخلص میر محمدی نام۔ شاہ جان آبادی دوستوں میں سے خواجہ میر درد تخلص کے تھے تراکت سے معنی کے بخوبی آشنا اور زباں دانان دلی سے ہمیشہ ہم نوا رہے ہیں کہتے ہیں کہ کلام اپنا انھوں نے اصلاح کی تقریب سے خواجہ میر درد کو دکھایا ہے اور

اُس نقادِ بزار معانی سے فائدہ بہت سا اٹھایا ہے۔ زبانِ ریختہ میں صاحبِ دیوان ہیں
کچھ اشعار منتخب ان کے دیوان کے لکھے گئے یہاں ہیں۔

تو نے جو بد توں میں ادھر کو گزر کیا نالے نے آج کچھ تو ہمارے اشر کیا
غیرت نہ آوے تجھ کو تنگ نہ رہا حریف جس دل میں تو مقیم تھا وہاں غم نے گھر کیا
ہم غافلوں کی آہ نہ اودھر نظر گئی اُس نے ہزار اپنے پیسے جلوہ گر کیا
اس کھیل سے کہ اپنی خرہ کو کہہ باز آئے عالم کو نیزہ بازی سے زیر و زبر کیا
دیوانے کو پری سے پھر اب کیا دوچار لے آنکھوں کیا کیا مے جی کا ضرر کیا
کیدھر ہے تو کہاں ہوا جات کہ بار بار میں نے بلند دست دعا ہر سحر کیا

بیدار ایسے رونے سے اماں باز آ

داناں و آیت کو تو لو ہو سے ترکیا

آنکھوں میں چھارہا ہے انہیں کہ تو تیرا ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ ظہور تیرا
بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلوہ اُس کو جو تو نہ دیکھے ہر گاہ قصور تیرا
جب تمہا میں لے کر لے سردِ ریاضِ خوبی کس کا تو آنت جاں ہے تو کہا تجھ کو کیا
کھنے لاگا دل گم گشتہ ہے تیرا مجھ پاس جب کہا میں نے کہاں ہے تو کہا تجھ کو کیا

یہ کون ہے شکار نکلا ہر دل ہوا میسر و اندر نکلا

جینے کی نہیں ہے آس مجھ کو تیرا اُس کا جگر کے پار نکلا

ہم خاک بھی ہو گئے پر اب تک دل سے نہ ترے غبار نکلا

جب بام پہ بے نقاب ہو کر وہ صبح کو ایک بار نکلا

اُس وز مقابل اُس کے خورشید نکلا بھی تو شرمسار نکلا

نالہ ہر چند ہم نے کر دیکھا آہ اب تک نہ کچھ اشر دیکھا

آج کیا جی میں آگیا تیرے متبسم ہو جو ادھر دیکھا

بے پیدا رکھی آنکھوں سے ساقی اشکِ سرخ ایسے سے گلگلوں کا کوچہ میں گویا تیرے سبب لوٹا
 سبزہ خط تیرے عارض پہ نمودار ہوا جیسا کہ آئینہٴ صفات پہ رنگار ہوا
 آج آتا ہے نظروں مری آنکھوں میں آج آتا ہے نظروں مری آنکھوں میں آج
 کھینچ کر زلف کی تصویر کو خط میں بھجوں تاکہ معلوم کرے حال پریشان مرا
 اے شانہ کھولو گرہ زلف سوچ کر کہ دل سیکڑوں میں اس میں گرفتار دکھنا
 ہم چشمِ ابر دیدہ تر گرچہ چھو سکا لیکن غبارِ غم سے دل سے نہ دھوسکا
 جواب کے چھوڑے مجھے غم تری جدائی کا تمام عمر نہ لوں نامِ آشنائی کا
 اُگے ہے نیچے مرجاں مزار سے اُس کے شہید ہو جو کوئی اُس کفِ خانی کا
 مرے قدم سے ہے سرسبز بوستانِ جنوں میرا ایک آبلہ گل ہے برہمنہ بانی کا
 کو تو کس سے میں پوچھوں نشانِ جاگِ دست کہ آشیانہٴ عفا ہے آستانہٴ دوست
 حالِ سن کے ہنس دیا میرا کچھ تو آیا ہے مسرِ بانی پر
 آج ساقی دیکھ تو کیا ہے عجب رنگیں ہوا سرخ تے کالی گھٹا اور سبز ہے مینا کا رنگ
 اُس سے دو چار ہو گئے ہم سوچی سے شمار ہو گئے ہم
 فراق میں باندھ خواہ مت باندھ اب تیرے شکار ہو گئے ہم
 آئری لگی میں مر گئے ہم جی تھا سو شمار ہو گئے ہم
 خاک عاشق ہے جو ہوتی ہی شمارِ دہن اے مری جان تو مت بھارِ غبارِ دہن
 غلشِ خارِ رہِ عشق سے اب اے ناصح نہ رہا ایک بھی ثابت مرا تارِ دہن
 ہم ترے اس دلِ نازک سے خطر کرتے ہیں در نہ یہ ناپے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
 شبِ ہجران میں نہ پوچھ کہ میں کیا کرتا ہوں صبح تک سماع کی مانند جلا کرتا ہوں
 صورتِ اُس کی سما گئی دہن میں آہ کیا آن بھاگئی دل میں
 تم کو کہتے ہیں کہ عاشق کا فغاں سنتے ہیں یہ تو کہتے ہیں کہ باتیں ہیں کہاں سنتے ہیں

اٹھ گیا ہم سے گو مکدر ہو خوش رہے وہ جہاں ہو جید ہو
 اس سے پیدا رہ بات تو معلوم دیکھنا بھی کہیں میسر ہو
 تعجب ہے کیا ناتوانی سے میری کہ قصا دشمنہ نہ شتر ہو
 دل کو کرتا ہے نگاہوں میں شکار واہ وا ہے تری صیادی کو
 دیکھ آکر مری آنکھوں کی بہار کر دیا باغ ہراک وادی کو
 تری مجلس میں اگر ہو گزر پروانہ نہ پڑے شمع پر ہرگز نظر پروانہ
 ہے زمانہ سے جدار و زوشہ تنگ شام کہتے ہیں جسے ہے سحر پروانہ
 بوسہ شمع کو جلنے کے بہانے آیا دیکھو لے بزم نشیناں ہنر پروانہ
 قید سے شمع کی ممکن نہیں چھوٹے بیدار رشتہ شمع سے باندھ لے پر پروانہ
 دیکھ تجھ کا کل مشکیں کی ادائیں شام دونوں ہاتھوں سستی لیتا ہوں بلاتیں شام
 اُس کے بھڑائے ترے مرہم کا کل سے رحم ہاتھ اٹھا کیوں نہ کرے تجھ کو دعائیں شام
 ایک دن گر نہ ملی تجھ سے تو آشفہ ہوئی دیکھ لے کا کل مشکیں کی دفائیں شام
 تھم گیا اشک شب بھر میں روتے روتے سحر وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
 مردم چشم سے پوچھ لے مہ تاباں تجھ بن کون سی شب کہ نہ گزری مجھے رتے رتے
 کیوں کر عاشق سے بھلا کوچہ جاناں چھوٹے بلس زار سے کیوں کر کہ گستاں چھوٹے
 کس کے آگے میں کر دوں چاک گریباں کہ تو جو ترے ہاتھ سے ناصح مراد ماں چھوٹے
 عاشق کا اگر دیدہ خوں بار نہ ہو دے تو رشک چمن کو چہ دلدار نہ ہو دے
 بخشی ہے جسے تجھ نگہ چشم نے مستی وہ مست قیامت کو بھی ہشیار نہ ہو دے
 بیجا ہے شکایت ستم یار کی بیدار ممکن ہے کہ معشوق دل آزار نہ ہو دے
 نہ وفا ہے نہ مہر و الفت ہے لے ستمگر یہ کیا قیامت ہے
 گل صد برگ دیجو اس کے ہاتھ دل صد چاک کی کنایت ہے

جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہو گئے —————
 کہاں ہو تو کہ میں کھینچوں ہوں راہ میں تیری —————
 اب تک مرے احوال سے وہاں بخیر ہے —————
 فولاد دلاں چھوڑو زہنسا نہ مجھ کو —————
 کس باغ سے آتی ہے تاجھ کو کہ یہ آج —————
 لب رنگیں ہیں ترے رشک عقیق یمنی —————
 ہار پہننے تجھے جو پھولوں کے نشان ہو آ —————
 نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے —————
 زاہد اس راہ نہ آست ہیں میخوار کئی —————
 کف پایں ترے صحرا کی نشانی بیدار —————
 میر مجلس رنداں آج وہ شرابی ہے —————
 ترے اے پری پیکر سینہ پر نہیں پستاں —————
 دوستو جانے دوا بھانڈا اٹھاؤ ہم سے —————
 مہرباں خیر تو ہے کس پہ یہ غصہ کیجئے —————
 جو کچھ چاہیے آپ فرمائیے —————
 ڈراتے ہو کیا قتل کرنے سے ہم کو —————
 شکوے جو دل میں تھے سوزِ اموش ہو گئے —————
 بزمِ نقشِ قدم انتظار آنکھوں سے —————
 لے نالہ جاں سوز یہ کیا بے اثری ہے —————
 چھاتی مری جوں سنگ شراروں بگھری ہے —————
 کچھ اور ہی ہو تجھ میں سیم سحری ہے —————
 زیب دیتی ہے تجھے نام خدا کم سخن —————
 ختم ہے گلبدنوں میں تری نازک بدنی —————
 اتنی رخصت دیجئے بندہ نوازی کیجئے —————
 ابھی میاں چھین لئے جبہ و دستار کئی —————
 مر گیا تو بھی پھپھولوں میں رہے خار کئی —————
 خون دل جس سے مرابادہ گلابی ہے —————
 طاق حسن پہ گویا شیشہ جہابی ہے —————
 یہ ہے وہ زخم کہ بہ ہو نہ کسی مرہم سے —————
 آج آتے ہو نظر کچھ تو مجھے برہم سے —————
 یہ غیروں کی باتیں نہ سنوائیے —————
 اگر یوں ہی جی میں ہے آجائیے —————

رباعی

بیدار رواں ہے اشک دریا دریا —————
 بتلا تو کہ ہے دیدہ تر و دریا دریا —————
 رونے سے ترے تمام خانہ ہے خراب —————
 حیراں ہوں میں اس میں ہے گمراہ دریا —————

۶۷۔ پروانہ۔ مراد آبادی۔ آئیں سید پروان علی درین زماں کہ عہد
عالم ہشاہ است شیندہ شد ترک دنیا داری کردہ لباس فقر
پوشیدہ از دوست ۵

الفت جو کی ہے تم نے میاں اس کا ساتھ دو
یاد دل جو لے گئے ہو مرا میرے ہاتھ دو
اپنا تو دل زمانہ سے اب اتنا تنگ ہے جو دم ہے زندگی کا سوشیشہ چنگ
۶۸۔ پروانہ۔ آئیں راجہ جونت سنگہ پسر ہمارا جہنمی بہادر دشاگرد
لالہ سرپ سکھ دیوانہ تخلص ست۔ احوال کہ سال بیت و جام
جلوس شاہ عالم بادشاہ است در لکھنؤ می گزرانند۔ موزنی
بطع شعر فارسی و ہندی می گوید۔

یوں آگ دی جگر کوں اس دل کے داغ کرتے ہیں جس چراغ کو روشن چراغ سے
بہل زرا تو دیکھ کہ گلچیں چین میں آج بوکر رہا ہو گل کے تئیں کس داغ سے
۶۹۔ بہل۔ احوال معلوم نیست (۳۲-۱) ۵

بائند نام عشق کا ہرگز نہ لیجے
سب کیجے یہ ایک محبت نہ کیجے

۷۰۔ بہل۔ آئیں گدا علی بیگ۔ درین زماں کہ عہد شاہ عالم بادشاہ است
شیندہ شد در فیض آباد میگزراںد مشنوی دینوک نامہ

ازوے شہرتے داہرہ ازوست - ۵ شعر

۱۔ سبیل - سید جبار علی - کوئی اضافہ نہیں - ۲۴ سطر ۱۲ اشعار (۱۲ اب)

بہل تخلص، سید جبار علی نام، میوٹن جبار کھڑکی - چند مدت انھوں نے عظیم آباد میں گزر کئے ہیں اور تھوڑے سے دن ہمارا چہیت سنگ، بنارس کے راجہ کی وکالت میں اوقات بسر کی ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ۱۱۹۶ھ گیا رہ سوچیا نوے پجری میں میرنکور سے بلوہ مجر آباد بنارس میں مکر اتفاق ملاقات کا ہوا ہے۔ جوان سلیم الطبع اور سخن نغم نظر پڑا، آزاد وضع اور وارستہ مزاج دکھائی دیا۔ یہ اشعار اس کے خلاصہ دکھائے ہیں۔

نامہ درد و عالم میں نے جب آغاز کیا جو ترے غم کے سوا تھا قلم انداز کیا
اتنا بھی داغ عشق سے معمور ہو گیا سب سے کام خانہ زنبور ہو گیا

یار تیری ہی زلف میں کچھا ایک زنجیر لاکھ دیوانہ
کیا خیال آئے بلاؤں سے اُسے پر ہیز کا ہے جو ہمارا اس تری چشم بلا انگیز کا
آگ ہر ساعت بستی ہی نہ تھا چشم سے ہے تماشاستخوانوں میں مری گویز کا
جب غمزدہ چشم یار دیکھا سو تیر جگر کے پار دیکھا
یاد آگئی مشقت خاک اپنی اڑتے جو کہیں غبار دیکھا

دل خن و خاشاک کی صورت اگلتا ہی رہا گو سدا دامن کو اپنے وہ جھپکتا ہی رہا
جست و جو میں یار کی گم کردہ راہوں کی طرح میں کبھی ایسے کبھی اودھر بھگتا ہی رہا
خط ترانام خدا خط ہے اداؤں کا دیکھے انجام کیا ہوتا ہے اس آغاز کا
کیا اس کو جنادیں ہم جو ہم نے کیا ہوگا کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دل کو دیا ہوگا
دل میں بزرگ موج تھارے وصال کا بڑھ بڑھ کے اشتیاق کی بارگھٹ گیا
ہر دم مجھے نیاز آئے ناز ہی رہا انجام کار عشق کا آغاز ہی رہا

صیاد فائدہ ہے رہائی سے کیا مجھے — اڑنے سے جب مرا پر پرواز ہی رہا
 سدا نکلا ہی کرتا ہے گھیل کر آتشِ غم سے — سرشک آنکھوں سے میری روغنِ بادم کی صورت
 خدا نہ گزند و کھلاوے کسی کو غیرِ نبیل کے — تمہارے خنجرِ مرگانِ خوں آشام کی صورت
 تیرنگاہ کہ لگی جھوٹ جھوٹ کر — چھاتی مشبکہ وار ہوئی پھوٹ پھوٹ کر
 یہ دلعشقی مثل نے نے نواز کے — نکلے بے بند بند سے اب پھوٹ پھوٹ کر
 پہلو میں رکھوں میں دلِ ناشاد کہاں تک — لے درد کروں نالہ و فریاد کہاں تک
 در آج قفس کا ہے کھلا کیجئے پرواز — لے ہم قفساں خاطرِ صیاد کہاں تک
 زلنے سے نزلے ہیں جگر افکار کتنا ہوں — کہ لوگ ابرو جسے کہتے ہیں میں تر و اکٹا ہوں
 جز یاد حق نہ ہو ترے دل میں کبھو گره — دے سجدہ وار منہ پہ اگر اپنے تو گره
 ہر دم نمود قبضہ شمشیر کی طرح — رہتی ہے ابروؤں میں ترے تند خو گره
 دل کی طلب ہے اور تمنا ہے جان کی — کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی
 در دوام سے منزلتِ دل ہی بس بلند — یعنی کیس سے ہے گی بزرگی مکان کی
 لے خانہ اس غلام ارشاد کیجئے — گو کام کا نہ ہوئے تو آزاد کیجئے
 کوئے تباں تاک تو رسائیِ محال ہے — جب تک یہ شتِ خاک نہ برباد کیجئے
 پیارے یہ وضعِ چشمِ مروت سے دور ہے — دل لے کے اس طرح بھی نہ آنکھیں چرائیے
 روبرو تیرے ہی گرفتارم نہ یہ دل کیجئے — پھر اس آئینہ کو جاکس کے مقابل کیجئے
 اٹھتا ہے وہ غبار ہمارے فرار سے — ٹکریا کرے ہے جونت کو ہمارے
 آوارگی سے بات کروں آہ کس طرح — دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے
 گریہ افزا اس قدر اعضا مرے سارے ہو — ہر بن موجوش سے آنسو کے قرارے ہو
 پیش آئی ہمارے وہ جو کچھ کہ تھی پیش آئی — اب یہ دیرِ دولت ہی اور اپنی یہ پیشانی
 عشق کی بازی میں سبیلِ دل جلے و رکا ہے — کس لئے تو اس قدر بیٹھا ہے جی ہائے ہو

میری ہی یاد ذکر ہی تیرا ہر آن ہے — گویا کہ اس لئے مرے منہ میں زبان ہے
 عہد و پیمان بتاں بس کہ یہ سالوسی ہے — ایک اُمید تو سو باعث مایوسی ہے
 دلغ آتے ہی دیئے عشق نے تیرے کہ تمام — محبوب تو یہ مرے جلوہ طاوسی ہے
 آئیے جلد کہ بسمل مجروح ہنوز — ہر لب زخم سے مشتاق قد مبوی ہے

درباعی
 دُکھ درد کو کب تک حکایت کیجئے — دوراں کی کہاں تک شکایت کیجئے
 اس کشورِ دل پہ فوجِ غم کا ہے هجوم — یا شاہِ نجات میری حمایت کیجئے

حرف التاء

۷۲۔ تانا شاہ - بہت کچھ اضافہ کیا ہے - ۲ سطر، اشعر - (۳-۱)
 نام نامی اور اسم گرامی اس بادشاہِ عشرت دوست کا ابو الحسن تانا شاہ ہے۔ سلاطین
 نامدار اور خواقین عالی مقدار دکن سے تھا اگرچہ پشما عیش و نشاط کا اور آوازہ مسرت و
 انبساط کا اس عیس مجسم کے ماہ سے ماہی تک مشہور ہے، لیکن کچھ تھوڑا سا احوال اس سرورِ ارا
 بارگاہِ عیش و کامرانی کا یہاں لکھنا ضرور ہے جس ایام میں کہ عالم گیرِ مکران نے عادل شاہی
 اور نظام شاہیوں کو زیر و زبر کیا، اور صوبہ دکن کو بعدیت سی خرابی کے لیا، تو ابو الحسن
 تانا شاہ بھی نظربندی میں آئے، اور فلکِ نیرنگ بار نے بدے اس عیش و عشرت کے
 اور ہی رنگ دکھائے۔ سا ان عیش سب برہم ہوا، اور مجمعِ اربابِ نشاط حلقہ قائم ہوا۔
 خلدِ مکان نے جس قدر تنگی ان کی اوقات میں چاہی، انہوں نے قبول کیا، لیکن حقہ کے
 مقدم میں بہت سماجیت کے ساتھ اتنی بات کہلا بھیجی کہ اس کا شوق مجھے نہایت ہے،
 جو رعایت کہ اس کے سامان میں ہوگی وہ عین غنایت ہوگی، از بس کہ یہ بادشاہ

عشرت دوست آٹھ ہفتہ عیش میں مجبور رہتا تھا، تحفہ ایک سو منہ سے نہیں چھٹتا تھا اور یہ بھی معہول تھا کہ بعد ہر چلم کے ایک شیشہ سے گلاب کے حقہ تازہ ہو دے، پھر ایک شیشہ میں بید مشک کے آٹھ بردار نیچے کو بھگو دے، شغل میں عیش و نشاط کے از بسکہ دن کو کم سوتے تھے، سیکڑوں شیشہ گلاب خالص اور عرق بید مشک کے دن رات میں خرچ ہوتے تھے۔ یہ سب احوال مفصل غلامکان کو معلوم تھا۔ علاوہ اس کے بادشاہ نے اس عجز سے کما بھیجا۔ بارہ سولہ شیشہ گلاب کے اور آٹھ شیشہ بید مشک کے حکم فرمائے۔ سبحان اللہ! یا تو حقہ آٹھ ہفتہ پر منہ سے نہیں چھٹتا تھا اور اُن کے دو محفل کے رشک سے دھواں حید کا حقہ میر آسمان میں گھٹتا تھا، یا بیچ فلک حقہ باز کی آٹھ چلیں دن رات میں یہ پیتے تھے اور گھونٹ گھونٹ کر عجب بیج و تاب کے ساتھ جیتے تھے۔ اس میں بعد کئی دن کے حضرت غلامکان نے فرمایا کہ سولہ شیشہ گلاب اور بید مشک کے ہر روز حقہ کے مصرف میں آنے اسراف ہے، اور امورات شرعی میں پاس خاطر بیجا بیجا، اور تکلف رسمی معاف ہے۔ آٹھ شیشہ ہر روز یہاں سے جایا کریں۔ ایک شیشہ سے بعد ہر چلم کے حقہ تازہ کر کے آٹھ چلیں دن رات میں پیئیں، جب حضور سے ہر روز آٹھ شیشہ آنے لگے، تو یہ دن رات میں لاچار چار چلوں سے دل بہلانے لگے۔ یہ ماجرا سن کر غلامکان نے صد کے مارے چار شیشوں کی اور تخفیف کی۔ انہوں نے اپنے حقہ بردار کو دو چلوں کی پروا لگی دی۔ بعد کئی دن کے جب دو شیشے اور کم ہوئے تو ایک چلم دن رات میں یہ بیا کرتے تھے۔ جس دن ان دونوں شیشوں کا بھی آنا موقوف ہوا، اس دن انہوں نے عرض کیا۔ جہاں پناہ کی دولت سے اتنا کچھ بعد خرچ کے جمع کیا ہے کہ دس چلیں روز اسی خرچ کے ساتھ سالانہ سال پلا سکتا ہے، امید ہے کہ جلد ہی خانے کے خرچ کا غلام کو حکم ہو دے کہ نہال نمک حلال کا زمین میں سرخروئی کے ہو دے۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؑ

کو امورات شرعی کا بہشت شدت و حیان ہے، اگرچہ مسجد کا کھود ڈالنا، خزانہ اُس کے نیچے
گڑا سُن کر نہایت آسان ہے، تو جو ہمارے مصرفِ بیجا کا کفیل ہوتا ہے ابھی ایک دم میں
جمع پونجی سر پر ہاتھ دھر کے روتا ہے۔ غرض اُس دن سے پھر حقہ نہ پیا، جب تک کہ ان کی
نظر بندی میں رہے اور اس ہمارے فانی سے عالم باقی کو تشریف لے گئے۔ سبحان اللہ
چشمِ حقیقت میں سے اگر کوئی دیکھے تو دنیا جائے حسرت ہو، بلکہ خانہٴ رحمت سے

کدھر ہیں خسرو و جم لطف کی قباد کدھر کہاں سکندر و دارا کہاں ہے کیا دوس
جو نسبت جاہ میں لکھیں وہ چشمِ عبرت کچھ ان کے ساتھ گیا غیر حسرت و سنوس
اگرچہ ملک گیری اور کشور کشائی کے معاملہ کو سمجھنا شاہانِ عالی تبار پر ختم ہوا ہے،
گدائے گوشہ نشین کو دخل ان امورات میں کیا ہے۔ لیکن بعضے دانشمند کہتے ہیں کہ خلد کہاں
استیصال بادشاہانِ دکن کا جو اس محنت سے کیا اور مکہ مسجد کھدوا کے وہ کچھ مظلمہ اپنی
گردن پر لیا، خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ہے۔ تحصیل حاصل سے بھی اس میں کچھ کیفیت
زیادہ ہے۔ کس واسطے کہ پیش از تسخیر و کن کے بھی خراج و باج اس طرف چلا آتا تھا اور
بادشاہانِ ہندوستان کا شہنشاہ کہتا تھا۔ آں اس مشقت کا اعجبہ نظر آیا، کہ اس
حسن ترود نے شاہنشاہ کو بادشاہ کر دکھایا۔

واقف رموزِ ملک سے ہیں شاہ و شہزاد

ہے تو گدائے گوشہ نشین لطف کچھ نہ بول

غرض شاہِ عالی جاہ ابوالحسن تانا شاہ کی طرف لوگ اس مطلع کو منسوب کرتے ہیں
اور باعتبارِ محاورہ و کن کے اور بندشِ قدیم کے کہ اس مطلع میں ہے، ابراہیم خاں محرم
بھی گفتگو پر لوگوں کی گردشِ دل کو دھرتے ہیں۔ مطلع یہ ہے :-

کس در کموں جاؤں کہاں مجھ دل پہلن بھرا ہے

اک بات کیے ہو گئے سجن، یہاں جی ہی بارہ با سجن

۳۔ - تاباں - اسمش میر عبدالحی جوان رعنائے منظور ناظران خاصہ مفتون

سیلماں نامی بود در آوانِ جوانی زمانِ فردوس آراہ گاہ

انتقال نمود بجالست با مرزا منظر و مرزا محمد رفیع سودا دا

زیبای اور روشن تر از سخن سرلی او بود از دست

(۶۰ شعر)

تاباں تخلص میر عبدالحی نام، شاہ جہان آبادی۔ نہایت عزیز خوب صورت اور صاحبِ حال تھا، ایسا کہ دلی سے شہر میں بے مثال تھا۔ ہندو مسلمان ہر گلی کوچہ میں ایک نگاہ پر اس کے لاکھ جان سے دین و دل نذر کرتے تھے اور پرے کے پرے عاشقانِ جانناز کے یاد میں اس لبِ جان بخش، میحادم کے مرتے تھے بکلف یہ ہے کہ اس رعنائی اور دل ربائی پر خود بدولت بھی دل کو کھو بیٹھے تھے اور ہنستے ہنستے بے اختیار صبر اور اختیار کو رو بیٹھے تھے۔ اس بے دردی اور شیریں ادائی پر مانند فرہاد کے چاشنی درد سے آگاہ، اس سرد مہر اور لیلیٰ صفتی پر مانند بجنوں کے ہمیشہ سرگرم نالہ و آہ تھے، یعنی ایک سلیمان نام لڑکے کو چاہتے تھے اور اُس کے دردِ محبت سے باوجود وصل کے اٹھ پہر کراہتے تھے۔ وہی سلیمان کہ بالفعل شاہ سلیمان کر کے معروف تھا اور ادا کرنے میں راہ و رسم درویشی کے بہ شدت مصروف، اس موضعِ ضعیف نے عالمِ پیری اُس کا سلسلہ بارہ سو ایک ہجری تھے کہ بلدہ لکھنؤ میں دیکھا۔ اگرچہ پریش سیف اور قد خمیدہ رکھتا تھا لیکن اس کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کسی وقت میں بڑے بڑے گردن کش، سولی کے ناکے سے نکالے ہوں گے۔ غرض میر عبدالحی تاباں تخلص۔ میرزا جان جاناں مظہر سے اور مرزا رفیع سودا سے ہمیشہ صحبت رکھتے تھے، بلکہ میرزا رفیع خود ابنِ بزرگ نظر توجہ کے کہ اُن کے حال پر تھی اکثر اشعار کو ان کے اصلاح کرتے تھے۔ عینِ شباب کے عالم اور جوہن کے عروج میں کہ

زمانِ فرمانِ فرمائے محمد شاہ فردوس آرام گاہ کا تھا اس ماوتابانِ حسن نے جامہ زندگی کو
ماندگیاں کے چاک کیا ہے۔ یہ منتخب ان کے دیوان کا ہے ۵

سہ سہ خط سے دونا ہوا حسن یار کا آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا
اکثر جو اس زمین کو ہوتا ہے زلزلہ شاید گڑا ہے جسم کسی بے قرار کا
کس کس طرح سے دل میں گزرتی ہیں حسرتیں ہے وصل سے زیادہ فزا انتظار کا
اگر کو چھپا رکھیں میں دیکھ کے سمجھا تباہیاں تو تہ خاک بھی جلتا ہی رہے گا
کوئی دوسرا مجھ سا تباہیاں نہ ہوگا کردل دے تجھے پھر پشیمان ہوگا

جفا سے اپنی پیشیاں نہ ہو ہو اسو ہوا تری بلا سے مرے جی پہ جو ہو اسو ہوا
نہ پانی خاک بھی تباہیاں کی ہم نے پھنٹا دم ہی ترے روبرو ہو اسو ہوا
بتیاہوں کی عشق کے کرتا ہے کیا علاج تباہیاں یہی جو دل ہے تو آرام ہو چکا

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا جس کو دیکھا سو اپنے مطلب کا

میں بہت جامہ زیب پر ہم نے کوئی دیکھا نہیں یہ چپ ڈھب کا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں چھپکا ایسا قاصد تو جائیو لپکا

دیا ہے جی میں اپنا دیکھ کر سچ جس کے جامہ کی اُسی کالے کے دامن کیجیو یار و گھنہ میرا

لیا تھا دوستی سے جن نے دل ہائے وہ اب دشمن ہو ہے میرے جی کا

مجھے ترسا کے اس کا فرنے مارا نتیجہ کیا یہی تھا عاشقی کا

ہو نہٹوں پر تیرے ظالم مستی کی یہ ٹھری یا ان کے تئیں کسی نے مل کیا ہے نیلا

اکھلا صنم باغ میں کل گیا تھا اے دیکھ کانٹوں پہ گل لوٹتا تھا

یا چاہ سے کھینچ یوسف کو اپنے ترا عشق تباہیاں قیامت رسا تھا

غاس نے مرا منہ پھر آکر کھلایا ابھی روتے روتے ہی چپکا رہا تھا

مری لوحِ تربت پہ یار و کھانا نہ اُس سنگِ دل سے کوئی جی لگانا
 ترے غم سے نیاں ہے یاں تک تو جھکو اودھ بات کنا اودھ بھول جانا
 گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کئے کہ کچھ حال نہیں مجھ نے کا ساری عمر بھٹکا
 صبا میرا پیغام اُن تک تو لے جا کہ تجھ بن رہیں ہم کہاں یہ کیلجی !
 کسی بات کا میں نہ شکوہ کروں گا ترے جی میں آوے سو مجھ کو کہے جا
 ایسے کے تیں کوئی سر پر بھی چڑھاتا ہی؟ کھینچے ہے تری زلفیں کیا شوخ ہی شیانہ
 تمہارے پھر میں رہتا ہے غم ہم کو میاں صفا خدا جانے جس گے یا میرے گے ہم میاں صبا
 مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں لیکن لکھا قسمت کا کوئی بھی ٹٹا سکتا ہی کیا قدرت
 غیر کے ہاتھ میں اُس شوخ کا دامان ہو آج میں توں اور ہاتھ ہے اور میرا گریبان ہر آج
 لے میری خبر چشمِ مرے یار کی کیوں کر بیمار عیادت کرے بیمار کی کیوں کر
 کہتے ہیں اثر ہلکا گریہ میں ہیں یہ باتیں اک دن بھی نہ یاد آیا روتے ہی کیوں اتیں
 سُن فصلِ گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں کیا بلبلوں نے دیکھو دھو میں مچائیاں ہیں
 بیمار ہے زمین سے اٹھتی نہیں عصا بن نرگس کو تم نے شاید آنکھیں دکھائیاں ہیں
 قسمت میں کیا ہے دیکھیں جیتے رہیں کہ مر جائیں قاتل سے اب تو ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
 آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہے پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں
 شب کو پھرے وہ رنگِ باہ خانہ بخانہ کو کو کو دن کو پھروں میں داؤ خواہ خانہ بخانہ کو کو
 گئے نالے ترے برباد جوں باگِ حُجرت اثر دکھا تری فساد میں دُنم نے جی چپے
 سلیمان کیا ہو اگر تو نظر آتا نہیں مجھ کو مری آنکھوں کی تپلی میں تری تصویر بھرتی ہے
 تباہ کس شہرِ ناپساں میں کب کوئی داؤ کو پہنچے مگر ہیاں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے
 تو بھلی بات کبھی میسر ہی خفا ہوتا ہے کیا بھلا چاہنا ایسا ہی بُرا ہوتا ہے
 تیرے ابرو سے مراد دل نہ چھٹے گا ہرگز گوشتِ ناخن سے کہوں کوئی جدا ہوتا ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے تجھے بے مروت، مروت کہاں ہے
میں شکوہ کروں جو یہ ظالم سے لیسکن مجھے آہ و نالہ سے فرصت کہاں ہے
بیاں کیا کروں نا تو انی میں اپنی مجھے بات کہنی کی طاقت کہاں ہے

جو اُس کی کمر میں نے دیکھی تہا بیاں

رگ گل میں ایسی نزاکت کہاں ہے

جو کرتا ہوں فریاد میں اُس کے آگے تو کہتا ہے تہا بیاں تو جاتا نہیں ہے
ابھی بست ہو جا گا لا توں کے مارے ترا سنو رکھ مجھ کو بھاتا نہیں ہے

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی بے خود ہو چکا رہتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کا لاصبح ہوئی شیشے میں جو کچھ کہئے ہو باقی ساقی

مختصر

بیاں میں کیا کروں دیوانگی کا اپنی افسانہ نہ میرا گھر میں جی لگتا نہیں بھاتا ہو دیرانہ
خوش آتا ہے مجھے لگیوں میں سنگ کے دکانا ارے ناصح عبت ہے یہ ترا بہودہ سمجھانا

پری رو ہو جداجس کا سو ہو کیونکر نہ دیوانہ

عبث مت بکنیں میں ماننا کہنا ترا ناصح مری آہ و فغاں کرنے سے بتلا تجھ کو کیا ناصح
میں اپنے جی ہی سے بیزار ہوں مت تو ناصح بھلا چاہے تو اپنی آبر و کو لے کے جاتا ناصح

مجھے بے طح آتا ہے تری باتوں پہ چھنجلانا

تو کیوں بہیودہ بکتا ہے نصیحت کے سخن اکثر سنوں کیوں کر تری باتیں کہ میرا حال ہے تیر
رہوں آرام سے بے یار لے ناصح بھلا کیونکر کہ میری زندگی اور موت ہی موقوف اس جا پر

اگر آوے تو جی جانا دگر جائے تو مرجانا

لے ہو جا گا یعنی ہو جائے گا ۱۲



کبھی راتوں کے تیں کرتا ہوں گھر میں نارواغلاں
کبھی بھرتا ہوں صحرا بیچ میں دھشت سے ہوجاں
مے تیں اس طرح سے دیکھ کر خبا رو سرگرداں
کوئی کہتا ہے سودا کی کوئی کہتا ہے دیوانہ

۴۔ تمکین دہلوی۔ اسمش میر صلاح الدین در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ
در لباس آزادہ جالاں می زلیست۔ از دوست ے

حسن اور عشق کو جس ذکر ایجا کیا مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا
۵۔ تقی دہلوی۔ اسمش سید محمد تقی معروف بمیر گھاسی۔ گاہے فکر خنثیہ

می نماید از دوست ے

تجھ بھر میں لے لشکر خدایاں کے شاہ سینے پہ میرے غم سے یہی حالت آہ
جیسے رکتی ہوئی یہ دریا کی بھر چھپے کو نہ پھر سکے نہ آگے کو راہ
۶۔ تصور۔ تہا تحریر اوراق معلوم نہ شد کہ کیست د کجا لیست۔
شعر بسیارے از دے بہ نظر رسیدہ۔ این بیت

از آں جملہ است ے

دیکھے جو ترمی چشم نیست کو کجا۔ پھر شتر لک د کبھی ہشیار نہ ہوں
۷۔ تصویر۔ مرشد آبادی۔ شاہ جواد علی۔ دردیشے ست نوشق
از کردہ از تقریر سخنوراں بردارد ممکن ست کہ کلاش

صورتے پیدا کند از دوست ے

قد و قامت اس بت مغرور کا ایک جھمکا ہی خدا کے نور کا
 ۷۸۔ تمنا۔ عظیم آبادی۔ اسمش خواجہ محمد علی خلیف خواجہ عبداللہ تائید جوان
 سعادت مند و از مجاہد راقم آتم ست طبعش اشعار آبدار را
 طالب گاہے بظلم ریختہ راقب ست اس اشعار آں ستودہ
 اطوار ست۔ ۶ شعر (۴ ب)

حرف الثاء

۷۹۔ ثاقب۔ اسمش شہاب الدین۔ درد دار الخلافہ دہلی زماں محمد شاہ
 فردوس آرام گاہ، معاصر مرزا محمد رفیع سودا بود۔ از دست
 قتل کا کس کے ہے اب قصہ تھلے دل میں
 کیوں دکھاتے ہو میاں سان پہ تروا کتیں
 ۸۰۔ ثابِت۔ اسمش شجاعت اللہ خان اصلش پانی پت و از شاگردان
 مرزا جعفر علی حسرت و بنایر نواب لیر خان ست از دست
 آتے ہو تم تو دل میں کسی بار اس طرف
 پر دیکھتے نہیں کبھی اے یا ر اس طرف
 ۸۱۔ ثابِت۔ اسمش اصالت خاں۔ قوم افغان۔ از مدتے و عظیم آباد

سکنی گزیدہ۔ تبتغ زبان اردو نمودہ۔ عمرے در ریختہ گوی
بسر بردہ۔ در نیولا کہ ۱۲۹۵ ہجریہ باشد باستصواب مرزا
محمد علی فردی تخلص فکر اشعار می نماید۔ ایں ابیات از افکا

اوست۔ ۱۰ اشعر (۴۱)

حرف ابیم

۸۲۔ جہاندار۔ مرزا جواں بخت علی لطف نے وہ ذکر چھوڑ دیا ہے
جس میں علی ابراہیم نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ جب جہاندار
بنارس آئے تو علی ابراہیم وہاں حاکم تھے اور جہاندار
کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی عنایتوں سے بہرہ ور ہوئے
تھے (وغیرہ) اس حذف کو درگزر کرنے کے بعد علی لطف
کے بیان میں بعض مفید اضافے نظر آتے ہیں۔

۱۳^۱ سطر ۹ اشعر (۴۲۔ ۱)

جہاندار تخلص، میرزا جواں بخت جہاندار شاہ نام، خورشید آسمان بلند اختر می
اور سر فرازی کا ولی عہد شاہ عالم بادشاہ غازی کا، رونق دینے والا بارگاہ جہاندار
اور جہاننانی کو زینت بخشنے والا مسند ملک گیری اور کشورستانی کو، ہر خط جہاندار
کا اس کے واسطے روشن کرنے عالم کے، مانند خطوط شعاعی آفتاب کے دور کرنے والا
تاریکی فداکت کا تھا اور دوست دریا نوال آس کا افراط جو دو کرم سے مانند یہ بیضی کے

روشن کرنے والا خوش ناموسی امارت اور ایالت کا بخشش نے اُس کی، دشمنی آسمان کے
 دل سے فلک زدوں کی نکال، اور بہت نے اُس کی گرہ بدطالعی کی پیشانی سے بختوں کی
 کھوں ڈالی۔ جس ایام میں کہ ناموافقت سے اُمرار دولت کی نشان کیوں شان اس
 فلک جناب کے دار الخلافہ دلی سے بیچ حرکت کے آئے، تو سنہ ۹۸۵ھ گیارہ سو اٹھانوے
 ہجری تھی، کہ خود بدولت و اقبال لکھنؤ میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے
 جو مراتب و آداب خدمت گزاری کے تھے، سب ادا کئے خواہی میں بیٹھنے کے سوا
 گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے۔ باوصف اس ناز پروری کے کہ کبھی پیادہ
 چار قدم کاہنے کہ چلے تھے۔ پانچوں ہتھیار باندھے ہوئے ایک الاپچی اور گوری کی بخشش
 پر دس دس مرتبہ حجرہ گاہ پر سے جا کر آداب بجالاتے تھے۔ غرض اس شہزادہ عالی تبار
 کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی، کہ مہینے میں دو مرتبہ ہماشااعرے کی اپنے
 دولت خانہ میں ٹھہرائی تھی۔ شعرائے باوقار کو اپنے چوب دار بھیج کر مشاعرے کے
 دن بلواتے اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے۔
 چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا، تو اس پیمچاں نے یہ عذر کہہ بھجوا یا کہ ”کمترین نے
 مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بس کہ ان صحبتوں میں مناظرہ ہی کو یاد
 عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن زندگی
 میں حاضر ہوں اور اس تحم ناکاشتنی بے مغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض میں بود“
 پزیرا نہ ہوا، پھر چوب دار آیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ ”تیرا حاضر ہونا مشاعرے میں
 نہایت ضرور ہے، مناظرے کا مطلق ہمارے ہاں نہیں دستور ہے“ غرض اہما سے
 نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا اور شرف سعادت ملازمت کا حاصل کیا۔ کمر
 غزلیں اس دن ازراہ تفضلات کے پڑھوائیں اور ہر شعر پر کیا کہوں کہ کیا کیا عنائیں
 فرمائیں۔ پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا، اور سامعین کو مورد عنایت ابد

فرمایا۔ سلطانہ بارہ ہوا ایک ہجری میں بلدہ بنارس کے اندر اس سرسبز آرائے بارگاہ
شکوہ و اجلال نے تخت نشینی ملک فنا کی چھوڑ کر اورنگ آرائی کے کشور بقا کی اختیار کی۔
یہ اشعار منتخب اس سلطان عالی تبار کے ہیں۔

نہ پوچھو دہریں کیا کر چلے ہم اسی ہی آرزو میں مر چلے ہم
رہے اک شب جو اس نام کرے میں بسانِ شمع رو رو کر چلے ہم
اکیلے تھے ہم اب اک فوج غم ہے ترے در سے معشکر چلے ہم
نہ تھے جوں گل کبھی اور اقِ دل جمع کہ اس گلشن میں گرا ہتر چلے ہم
رہے در بیتاں کے تم جہاندار
خدا حافظ تمھارا گھر چلے ہم

جدا ہو تجھ سے صنم سخت بے قرار ہوں میں یہ دیکھ آئینہ سا چشم انتظار ہوں میں
بسا ہی میرا سراپا جو عطرِ فتنہ سے یہ کس کی زکسِ قنار سے دوچار ہوں میں
زنجور سے فلکِ جلا کر سے گہرا کر مثالِ ابرہاری کے اشکبار ہوں میں
نظر پڑا ہے وہ آدیزہ گہر جب سے صدف سے چشم کی تب سے گہر تار ہوں میں
ہے آفتاب کا سر پر مرے جو پر تو مہر
بسانِ ماہِ جہاندار آتشکار ہوں میں

ہیں بسکہ جزو تن مرے طاؤس وار داغ رکھتا ہے ایک ایک عجب ہی بہارِ باغ
رعنائی تیری دیکھ کے لے سروِ باغِ حسن جوں لالہوں پہ کھاتے ہیں سب گلخوار داغ
آتشِ پیسے دل کے جہاندار چوں سنیہ
چاہوں جو ٹھہرے، کر نہیں سکتا قرار داغ

۸۳۔ جرأت۔ شیخ قلندر بخش۔ اضافہ کیا ہے۔ ۶ ۱/۴ سطر ۸۲ شعر (۴۵-۱)
جرأتِ تلخ، بیچی امان قلندر بخش نام، بیٹا حافظ امان کا۔ شاعر شیریں کلام ہے۔ ظاہر

لفظ ”امان“ کا ان کے بزرگوں کے نام پر بطور خطاب کے زمانِ اکبری سے چلا آتا ہے اور جراتِ مذکور رشید شاگردوں میں میرزا جعفر علی حسرتِ مخلص کے گنا جاتا ہے۔ علمِ موسیقی میں مشعل بھلاچنگ رکھتا ہے اور سار کے بجانے میں نہایت دستِ رس رکھتا ہے۔ نجوم میں بھی اس شخص کو دخل تمام ہے، ایسا کہ ایک عالمِ کھنڈ کا اس کا منتظرِ احکام ہے۔ تمام عمر عزیز کی بے کاری میں بسر ہوئی ہے اور بے روزگاری میں کٹی ہے۔ ابتدا میں نواب محبت خاں محبتِ مخلص اعانتِ اخراجاتِ ضروری کی کرتے تھے، بالفضل کہ سلسلہ بارہ سو پندرہ ہجری میں، صاحبِ عالم دعالیاں میرزا سلیمان شکوہ کی سرکاری سے کچھ امداد ہوتی ہے۔ اگرچہ بصارتِ چشم سے یہ عزیز معذور ہے، پر ملاقاتوں کو دوستوں کی پھرتا دور دور ہے۔ گو کہ آنکھوں سے کچھ نہیں سوچتا ہے لیکن مضمون نگین سوچتا ہے زبانِ ریختہ میں صاحبِ دیوانِ عظیم الشان۔ یہ اُس کا منتخب دیوان ہے۔

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا _____ دن گیارہ رات ہوئی رات گئی دن آیا
 دن بدن تحلیلِ تو جرات ہو جاتا ہے کیوں؟ _____ آہ! یہ بیٹھے بٹھائے تجھ کو کس کا غم لگا
 دل کو لے عشق سوئے زلفِ سیہ فامِ بیخ _____ رہنروں میں تو مسافر کو سرِ شام نہ بھیج
 روشن ہو اس طرح دل میراں کا داغ ایک _____ اُجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک
 میرے ہونے سے تو کچھ گرمی بازار نہیں _____ ہوں میں وہ شے کہ کوئی جس کا خریدائیں
 دل تو اُٹھے ہی یہ حیرت سے میں کیونکر روؤں _____ ابرِ تصویر کو گریہ سے سرِ دکار نہیں
 درد کیا جانے کیا کیا یہ بیاں کرتا یا ر _____ دہنِ زخم کو گویا لبِ گفتار نہیں
 تیرے بیمار بیمار نہ ہو گا کوئی _____ جس کو ظاہر میں جو دیکھو تو کچھ آزار نہیں
 جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں _____ کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں
 روکے میں پوچھا کہ مقصد جانے ہو تم مرا _____ ہنس کے بولامیں کسی کے کام سے واقف نہیں
 کیا قتلِ دِعا عالم تو نے جنہش سے اک ابرو کی _____ اگر یہ جھوٹ ہو تو تیغِ برہم ہاتھ دھرتے ہیں
 یعنی قسم کھاتے ہیں

بزرگ طاقتِ تصویر ہیں ہم بارغِ حیرت میں
 نالہ و آہ فغاں بھی مراد م بھرنے میں
 اے ستم ایجا د کب تک یہ ستم دیکھا کریں
 کچھ تو نیلے آرزو دشنام دے تلوار کھینچ
 کہتے ہیں آپس میں ہمسایہ مری فریاد سے
 کیا کیا میں نے گناہ جو اپنے لوگوں سے یہ تم
 آنے کی خبر ہے اس کے لیکن
 اُس کے آنے میں اب جو دید ہے کچھ
 جب نہ تب غول مرا ہی پیتا ہے
 کب اپنے آشاں سے صحنِ گلشن میں اترتے ہیں
 آپ کا جان کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں
 تو کریں غیروں سے بائیں اور ہم دیکھا کریں
 چشمِ حسرت سے کہاں تک اہم بہ دم دیکھا کریں
 مصلحت یہ ہے کہ اس کے پاس سے گھر چھوڑ دو
 کہتے ہو جا کر اُسے بستی کے باہر چھوڑ دو
 آتا نہیں اعتسارِ دل کو
 یہ بھی قسمت کا ہیر پھیر ہے کچھ
 غم بہت اس کا مجھ پہ شیر ہے کچھ

تھایہ جرات ہی اس کے کوچ میں
 وہ جو اک خاک کا سا ڈھیر ہے کچھ

جاتے ہیں اُس کے در سے پہ جانا محال ہے
 رونے میں اور آتشِ الفت بھڑک اٹھی
 کیا قہر ہے کہ بزم میں اُس شہنشاہ کی مجھے
 جا بیٹھتے تھے در پہ جو اس کے وہ دن گئے
 کس کی سنوں بات میں لے مزاں
 دھیان تو رہتا ہے تمہارا مجھے
 ہے اسی عالم میں لیکن اُس کا عالم اور ہے
 غمِ فراق ویں کچھ یاد دلاتا ہے
 آنکھ لکھے نہیں پاتی کہ جگا دیتا ہے
 برگِ گل جوں کوئی دریا میں بہا دیتا ہے
 نہیں معلوم مجھے کون بتا دیتا ہے
 غم بہت دنیا میں ہے پر عشق کا غم اور ہے
 گر کسی ڈھب کوئی مجھ کو ہنس دیتا ہے
 سب کو ٹک خواب جو آتا ہی تو ٹک اُس کا خیال
 سخت دل کی مرے یہ انشک داں میں ہی بہا
 گھر سے وہ جا دے جہاں میں بھی ہیں مریں جو

سخت تجھ بن قلق اس دل کا سا تا ہے مجھے — کہ بٹھاتا ہے یہ اور گاہ اٹھاتا ہے مجھے
 دل بھڑکے ہے ملک مصحفیہ و جان دکھا دے — سرگرم ہے آتش اسے قرآن دکھا دے
 رہنے کی جا جان میں ہم خوب پاس گئے — جوں درد اہل درد کے دل میں سما گئے
 ہم گشتِ جہان میں جوں آتشیں انار — اک دم کی زندگی کا تماشا دکھا گئے
 چہرے گل چاکِ قفس سے دمدم دکھا گئے — سب نے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دکھا گئے
 شب بزم یار میں ہم بیٹھے توتھے پر اس کی — چوٹن سے تھا یہ ظاہر یہ شخص یہاں سے نکلے
 عزیز و صل میں بھی ہم جو رو کر نہ سوتے تھے — سواندیشہ تھا روزِ بحر کا اس دن کو روتے تھے
 کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شرب وصل کدھر تھی — ملک زلف سے جو رخ پہ نظر کی تو سحر تھی
 ترے بن بستر اندوہ پر کچھ یاد میں کر کے — پڑا روتا ہوں پیروں یا ز منہ پر آسین دھر کے

۸۴۔ جوان دہلوی نامش کاظم علی۔ بحال کہ ۹۶ھ ہجری ست

در لکھنؤ می گزرا ند۔ در سنہ مذکور اشعار ایتھاں

از لکھنؤ بہ بنارس طلبیدہ تحریر زیریفت۔ از دست ۸۔ شعر

۸۵۔ جوشش۔ شیخ محمد روشن۔ کوئی اضافہ نہیں۔ ۶ سطر، ۲۴۰ شعر

(ورق ۵۳)

جوشش تخلص، شیخ محمد روشن نام، وطن ان کا عظیم آباد ہے، خوش یاقتی ان کی
 جو کچھ کہئے اُس سے زیادہ ہے۔ طبیعت ان کی نظم ریختہ میں نہایت رسا ہے اور معنی بیگانہ
 سے بہ شدت آشنا ہے۔ چاشنی ورد کی کلام سے ان کے ظاہر اور علم عروض سے یہ

۱۱۔ جب گھریں آگ لگتی ہے تو قرآن دکھاتے ہیں کہ اس کی برکت سے بجھ جائے ۱۱

بخوبی ماہر ہیں۔ شیوہ اختیار انھوں نے میر درد کا کیا ہے اور اس طور کو بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ ”جس ایام میں یہ تذکرہ لکھتا ہوں تو شیخ مذکور نے اشعار اپنے مجھ کو بنارس بھجوائے، تاکہ نام اُس کا اس تذکرہ میں لکھا جائے۔ نہایت پسند آیا مجھ کو اسلوب ان کے بیان کا، چنانچہ اس طرح لکھا گیا انتخاب ان کے دیوان کا۔ کس طرح سے اوصاف ہو خلّاق جہاں کا قدرت نہ قلم کی ہے نہ مقدور زباں کا عاشق کو ہے کب جلوہ معشوق کی طاقت مہتاب کو دیکھے نہیں مقدور کستاں کا اس گلشن ہستی سے نکل راہِ عدم لے نیرنگ نظر آوے ہی کچھ رنگ یہاں کا عنقا کی طرح گو کہ نشانہ نہیں رکھتا ملتا ہے پتا نام ہی سے اس کے نشان کا

اس دل کو دکھاتا ہوں میں بازارِ محبت
خطرہ نہیں جو شش مجھے کچھ سود دزیاں کا

ہم چشم کیوں کہوں میں اسے شعلہ زار کا عالم ہے کچھ جدا ہی دل داغ دار کا سرکار بے خودی کا یہ مختار کار ہے کیا اختیار ہے دل بے اختیار کا پیتا ہے گر تو بادہ عشرت سمجھ دے جو شش بڑا ہے دردِ سراس کے خمار کا بزم میں یک شب بھی نہ مایہ دل گلگیر کا فائدہ لے شمعِ اشک و آہ بے تاثیر کا دمدم آلودہ رہنا خون سے عشاق کے جو ہر ذاتی ہے یہ جو ہر تری شمشیر کا دیکھ کر رنگِ صنم تیری جفا کاری کا کوہن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا چشم پر آب ہے لبِ ششک باغِ آشفقہ زورِ عالم ہے غرض دل کی گرفتاری کا مسکراتا ہے مجھے دیکھ رقیبوں کے حضور یاد ہے اس کو عجب طور دل آزاری کا جی سیر میں گلزار کی تن کجِ قفس میں یہ صیبر گرفتار ادھر کا نہ ادھر کا گر کوئی کاٹ بھی لے سر ترے دیوانے کا پر یہ سودا تو کبھو سر سے نہیں جانے کا

کیوں نہ مضطرب ہوں اُسے دیکھ کے دکھو تو
 ہاتھ اٹھاتا ہی نہیں بابر جو بچھانے سے
 شمع کے سامنے کیا حال ہے پروانے کا
 دل تری زلف میں اُجھانے مگر شانے کا
 سر اُس کی تیغ سے جتنا کہ جدا نہ ہووے گا
 کسی طرح سے حق اس کا ادا نہ ہووے گا
 کل اُن نے بیٹھ گئے غیروں میں کی نگہ چھپر
 یہ تیر کس کے جگر میں لگا نہ ہووے گا
 دل دگر پہ ہی آفت نہیں فقط جوشش

جو ہے یہی ترار ونا تو کیا نہ ہووے گا

غیروں پر تو ستم کرے گا ہم پر جو کبھی کرم کرے گا
 ہم سا ہی وہ ہوگا سادگی میں باور جو تری قسم کرے گا
 جوشش مت رو دل دگر کو کس کا کس کا تو غم کرے گا
 دیکھ کر حسن گفزاروں کا خانہ ویراں ہوا ہزاروں کا
 دیکھیں گے اس کی چشم پر فن کو ہوش اُڑ جائے ہوشیاروں کا
 اُس کی آنکھوں کو پچھیں جوشش منہ تو دیکھو شراب خواروں کا
 ہو چشم جاب وار دیکھا ہستی کو نہ پائدار دیکھا
 جوں شیشہ ساعت اس جہاں میں دو دل کو نہ بے غبار دیکھا
 ہم مری گئے یہ تو نہ آیا بس ہم نے ترا قرار دیکھا
 اس ادا کا تری ہوں زیوانا دیکھنا مجھ کو اور چھپ جانا
 آج ہے جاں لب تر جوشش جی میں آوے ترے تو آ جانا
 یاں مدعی اپنا کسے لے یار نہ دیکھا ہے کوئی جسے تیرا طلب گار نہ دیکھا
 سو توں کو جنگا مارے تلے نے عدم کے پر طالع خوابیدہ کو بیدار نہ دیکھا
 کل بزم میں سب پر نگہ لطف و کرم تھی اک میری طرف تو نے ستر گار نہ دیکھا
 جز چشم تباں میکدہ دہریں جوشش ہم نے تو کسی مست کو ہشیار نہ دیکھا

کتا ہے ایک عالم انصاف کر ہمارا سنا نہیں کسی کی بیدادگر ہمارا
 اوروں کی عیبتی اپنا ہنر نہیں ہے اپنی ہی عیبت جی ہے یہ ہنر ہمارا
 سرگشتہ اس جاں میں جس گد باد میں ہم تھک کر جہاں کہہ گئے وہ ہی ہو گھر ہمارا
 اپنا تو کچھ گناہ نہ آیا ظہور میں کیا بات ہو گئی کہ وہ بیزار ہو گیا
 جہاں میں بادِ عشرت پیایا نہ پایا سلوکِ بخت نے ہم سے کیا کیا نہ کیا
 نگاہِ لطف سے دیکھا ہی غنیمت ہے سلام آنے ہمارا لیا لیا نہ لیا
 جب عشق میرا شہرہ آفاق ہو گیا اک عالم اس کے حسنِ مشاق ہو گیا
 کس سے ہوئی ہے دوستی اسی کہ ان کو آنا ہمارا دل پہ ترے شاق ہو گیا
 ہوا ریگِ واں کی طرح جس جاگہ گزرا اپنا بجز آواز کے کوئی نہ تھا واں ہم سفر اپنا
 لگا دی دل میں آگے آہِ سوزاں کیا کیا تو نے جلا دیتا ہے اپنے ہاتھ سے بھی کوئی گھر اپنا
 شبِ فرقت ہے بیتابیں ہی دردِ پہلو میں نظر آتا نہیں ہم کو تو بچنا تا سحر اپنا
 تعلقات جہاں سے خبر نہیں رکھتا ہزار شکر کہ میں دردِ سر نہیں رکھتا
 خفا ہوں جان سے دل کھول کر میں دانا ہوں تری گلی میں کسی کا میں ڈر نہیں رکھتا
 مجھ سے ظالم کو اپنا یا رکھا ہم نے کیا جبر اختیار کیا
 اٹھ اے طبیبِ جا مجھے آرام ہو چکا مرنے ہوں کوئی دم کو مرا کام ہو چکا
 اب بھی کہیں اٹھاوے گا چہرے سے زلف کو معمور تو شکار سے یہ دام ہو چکا
 مینا تھا اس کو دل سولیا ان نے نامہ پر اب میرے اس کے نامہ و پیغام ہو چکا
 تنہا یہ عشق میں نہ دلِ ناتواں جلا مانند نخلِ شمع ہر اک استخوان جلا
 نہ دل رہا نہ چشم رہی نہ جگر رہا اے اشکِ تیرے ہاتھ سے کیا کیا مکان جلا
 وہ کیا ہوا زمانہ رونے میں جو اثر تھا چشمِ خوں نشانِ تھی یہ دل ہی جگر تھا
 غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا مجھ کو وصالِ یارِ عیسر کہاں ہوا

بے طاقت اس قدر یہ دل ناتواں ہوا حرفِ ناتواں بھی اُس کی زباں پر گراں ہوا
 سر پر کھڑا ہے کھینچے ہوئے تیغِ ککشاں جلاؤ میسری جان کا یہ آسماں ہوا
 ہزار پیا کر کے گاہِ ہزار چاہے گا مری طرح نہ کوئی تجھ کو مایہ چاہے گا
 کوئی اس غمِ کدہ میں اپنی غنچہ آری نہیں کرتا دیا ہے ایک کو دلِ دہ بھی لدا رسی نہیں کرتا
 جو ترے سامنے آئے ہیں سو کم ٹھہرے ہیں یہ ہمارا ہی کیلچا ہے کہ ہم ٹھہرے ہیں
 ایک عالم کی جاں ترشش ہے یہ آہ ہے یا قلم ترشش ہے یہ
 رویے تا ہو سبز کشتِ اُمید اب تر دہے یہ تلاش ہے یہ
 دیدہ ترکِ دوست رکھ جو ششش بہت تحفہ گلابِ پاش ہے یہ
 اپنی وہ بے ثبات ہستی ہے کہ سدا نیستی کو ہستی ہے
 نام سنستے ہو جس کا دیرانہ وہی سودا یوں کی بستی ہے
 جی میں جس وقت کہ مضمون کمر آتا ہے بگم نازک ہی مجھے باز دھتے ڈرتا ہے
 چشمِ تراہ بہ لبِ خستہ جگر یوں ششش بے طرح حال مرا مجھ کو نظر آتا ہے
 شبنم کی طرح سامنے اُس آفتاب کے ہونے کو تو ہوئے تھے ولین نہ ہو سکے

رباعی

کچھ کام نہیں ہیں وفا سے تو ہاتھ نہ کھینچو جفا سے
 کل سب سے گلے گلے ملے تھے تھے ہم بھی تو صورتِ آشنا سے

چشم سے غافل نہ ہوا چاہیے اس کے مقابل نہ ہوا چاہیے
 دل کا ضرر جان کا نقصان ہے اب کہیں مائل نہ ہوا چاہیے
 فرما دینے بے فائدہ غارِ اشکبانی ہے گھر کیجئے کس دل میں ای کی کو کہنی ہے
 نہ کوئی دوست ہی نہ کوئی مراد شمن ہے ایک یہ دل ہی غرضِ دوست ہی یا دشمن ہے

قطعہ

ایک دن کا مبرا ہے میں اٹھا تھا سیر کو دیکھتا کیا ہوں یہ جھگڑا ہر سربازار ہے
برہمن کتا ہیبت خانے میں ہیذبت خدا شیخ کتا ہے غلط کعبہ ہی میں وہ یا رہے
اس میں جو شش بول اٹھاسنتے ہونچ و برہمن

جلنے دو اپنی طرف دیکھو یہ کیا کر رہے

مکن نہیں کہ دیکھے روئے مشکفتی جب تک بزرگ غنچہ گریباں نہ بھاڑے
جاہ و حشم کی خواہش دولت کی آرزو ہے دودن کی زندگانی اس پر یہ جستجو ہے
صورت پرست ہوں میں مانند آئینہ کے جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے روبرو ہے
کھتا ہوں ردِ دل تو وہ کتا ہے کیا مجھے چپ رہے بس زیادہ نہ باتیں بنائے
لاکھوں ہی کے قتل گنگار مجھی سے رہتی ہے مڑی اک تری تلوار مجھی سے
کوئی سوائے شانہ و ہاں چھوٹا نہیں دیکھو تو کوئے زلف میں کیا بند و بست ہے
کشورِ عشق میں رسوا سربازار ہوئے اُس کے ہاتھ آپ کے جس کے خریدار ہے
میں آنہ سکوں اور صبا جا کے رہی ہے کوچہ میں ترے یا رعب بادہی ہے
جی چاہے تو ملے جو نہ چاہے نہ ملے دل میں تو ہمارے نہ یہی ہے نہ وہی ہے
جو شش تو یہاں تک ہوا سوائے خلایق جو دیکھے ہے کتا ہے یہ دیوانہ وہی ہے
دل میں بھری ہو آگ اور آنکھوں میں آہ ہے مانہ شمع حال ہمارا خراب ہے
دیکھا ہے جب زلف کو شانے کے ہاتھ میں جو شش ہمارے دل کو عجب پیچ و تا ہے
لے عشق مجھے خوار کیا کیا کیا تو نے رسوا سربازار کیا کیا کیا تو نے

جس طرح دل کا داغ جلتا ہے اُس طرح کب چرل جلتا ہے

اُس رخ صاف کے آگے جو کبھی آتا ہے آئینہ اپنا ہی منہ دیکھنے لگ جاتا ہے
ہوئے صحرانیش تشریف لاوے جس کا جی چاہے در و درباں نہیں رکھتے ہیں آئے جس کا جی چاہے

گرہ میں غنچوں نے نافے کے نافے باندھ لئے
چمن میں کھس جو گئی زلف مشک بو تیری
مرنا تو بہتر ہے جو مر جائیے
جی سے کسی کے نہ اُتر جائیے
سوئے حرم یا طرف بت کدہ
الغرض لے شیخ جدھر جائیے
نت نئے عذر ہیں نہ آنے کے
ہم دیوانے ہیں اس بہانے کے
قطرے میرے آنسو کے ہیں اک بخت شر سے
کیا آگ بستی ہے مے دیدہ تر سے
آشنا جب ہوئے اُس بت ہر جانی سے
در بدر خاک بسر پھرتے ہیں سودائی سے

رباعی

گر جان دے کوئی پر نہ اس کے ہونگے
جی شوق سے یس گے اس کا جس کے ہونگے
جو شش نہ رکھ ان تہوں سے ہرگز امید
یکس کے ہوئے ہیں اور کس کے ہونگے

۸۶۔ جو ہر۔ اسمش مرزا احمد علی مولد شش دہلی ست واصل آبادی

از ایران بود۔ در دہلی بیاس خاطر دوستی بمعرفہ خانہ جنگی
کشتہ شد۔ اکثر شعر فارسی و گاہے ریختہ می گفت۔ از دوست۔

آتش دہ چمن ہو یا برقِ اشیاں ہو

اے مرغِ نالہ کچھ ہو یک شبِ تو پر نشاں ہو

شاید کہ پہنچے تجھ تک اماندہ کوئی ہمسایہ

آوارہ بیاباں لے کر دیکارواں ہو

۸۷۔ جو دت۔ مرشد آبادی۔ نامش ہر دیرام۔ صلش از کنگ و سلسلہ

از مسلکان نواب علاؤ الدولہ سرفراز خان مرحوم است

بارا تم آتشا بود۔ در بلدہ مذکور بعد شاہ عالم بادشاہ انتقال نمود

سوائے اس رباعی بیتے ازوے نرسیدہ از دست -

واعظ تیری بات دل سے کہنے کا نہیں

پتھر کی چوٹ شیشہ سننے کا نہیں

جازا بد خشک تھی جب تک مرے پاس

لو ہو میری چشم تر سے بہنے کا نہیں

۸۸۔ جرأت - نامش میر شیر علی۔ گویند معاصر مرزا محمد رفیع سودا بود

از دہلی بدکن رفتہ دیگر احوالش معلوم نیست۔ از دست

نہ اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں رہیے

بہارا آئی ہے کیونکر خانہ زنجیر میں رہیے

کیا اس کے بیاباں کو اس ابر کی پروا ہے

گریہ سستی مجنوں کے تردد امن صحرا ہے

۸۹۔ جولان - امش میر رمضان علی۔ در عہد محمد شاہ فردوس آرام گاہ بود

از دست۔

رہتے ہیں ات دن خفا تجھ بن جیونیکے ہم سے شخص کیا تجھ بن

۹۰۔ میاں جگنو۔ خالہ زاد شیر افکن خاں باسطلی مخلص در عہد محمد شاہ

فردوس آرام گاہ بود۔

ایسے مریضِ عشق کو آزار ہی بھلا

چنگا ہو تو ستم ہو یہ بیمار ہی بھلا

۹۱- جانِ عالم خاں - برادرِ زادہ نواب روشن الدولہ - از قلمِ ازمانہ

میر سید محمد سوز تخلص ست - از دوست

چھوڑ عارضِ دل نے گھیر از لعلِ مشکیں فام کو

صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

لگا خوابِ نوحہ سے یہ ملنے گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں دل نے

۹۲- جہول - گوینداز مردم دہلی و دوستانِ خواجہ میر درد بودہ - بہر تقدیر

سلامت گفتار از اشعارش پیدا ست

کبھی گرتا تھا قدم پر کبھی ہوتا تھا نثار

کیا بھلی موت ہوئی رات کو پروانے کی

میں نہ کہتا تھا پیارے مجھے کم دے تو شراب

آج سے مجھ کو قسم ساتھ تیرے آنے کی

میں بھی بہیشت ہوں در تو بھی نیٹ بخود

طرح اب کس سے میاں پوچھے گھرنے کی

۹۳- جہول - الہ آبادی - اسمس شیخ غلام مفضل بن شاہ تیمور سہرامی

از قلمِ ازمانہ مولوی محمد برکت مرحوم ست - بدستِ کہ چشمش

از بنیائی مائل گشتہ - درالہ آباد بانزوامی گزرا نڈا بایں
خاکسار آشتا - و ذہنش در فہم معانی رسامست - از دست

وجود اس جہاں کا عدم دیکھتے ہیں عجیب اب ہی یہ جو ہم دیکھتے ہیں
مٹے سے تھی بیچ و تالینے دل کا جب اس لطف کا بیچ و خم دیکھتے ہیں
آفتِ جاں ہو گئی آخر یہ بنیائی مجھے جو بلا کہنے سوان آنکھوں نے دکھائی مجھے
دل مرا ہر شے کچھتا ہی صنم کی زلف سے ایک دم کہ چین دیتا ہی یہ سودا کی مجھے

حرفِ الحاکم

۹۴ - حاتم - دہلوی - ایک لفظ بھی اضافہ نہیں کیا - ۳ سطر ۴۴ شعر -

(در بق ۵۶، ب)

حاتم تخلص شاہ جہان آبادی مشہور رخیہ گوئیوں میں سے دہلی کے تھا - ہم عصر شاہ
نجم الدین آبرو اور میرزا رفیع سودا کا - شاعر خوش بیان تھا - صاحب دو دیوان تھا ایک
دیوان میں نہایت خراجِ ابہام کیا ہے اور دوسرا بطور متاخرین کے سرانجام کیا ہے - جامع ہے
طور متاخرین اور طرز ابہام کا ہے

گلشن اس گل بن مری نظروں میں دریاں ہو گیا جھاڑ جھاڑ اور بوطا بوطا دشمن جاں ہو گیا
ایک نے پانی نہ اب تک نبض کی رفتار حیف دردمیر اتھتہ مشقِ طبعیاں ہو گیا
اشکِ خوں آلودہ میرے اس قدر جاری ہیں کہ با بجا لعلوں سے ہندوستان چشتاں ہو گیا
شورِ دریا تک ملاحظت کا تری پہنچا ہی شور بے ٹکڑے ترے لب کے نکلے ہو گیا
فیضِ صحبت کا تری حاتم عیاں ہند میں طفلِ کتب تھا سو عالم بیچ تا باں ہو گیا

سجن نے یاد کرنا نہ لکھا اور ہم رہے غافل
 بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر
 ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی
 کہ کہیں سب جہاں وصال ہوا
 مثالِ تجسوسیں مارتا ہے
 لیا ہے میں نے اس جگہ کنا را
 بائے پن سے مجھے سودا ہی تھے گسیو کا
 بال بازہا میاں بندا ہوں تھے گسیو کا
 مجھے درکار نہیں مشک و عیسرو صندل
 ہوں دیوانہ میں پری رو کے چونکے لوکا
 زور چتر ہے مرے دل کا بوتر حاکم
 سرت کرتا ہے جب اڑتا ہے اسی کے کوکا
 ہر اک سخن ہوا ہے ہمارا مثالِ قند
 شیریں لبوں کے جب تہی ہوئے لئے بہن ہم
 ترے رُخسار و قد نے دھوم ڈالا گلستان میں
 آدھ بلبل سسکتی ہے ادھر قمری بلکتی ہے
 دو چار اب تجھے کیوں کر بچے ہم چشمی کے دعوے
 کہ زکس کی چمن میں دیکھ کر گردن ڈھلکتی ہے
 پری ہم جان کر اُس کو چھپائے شیشہ خالی میں
 یہ تو بھی دخترِ زردہ مینا سے تنکتی ہے
 جب تمھاری آنکھیں عالم کو بھائیاں ہیں
 تب سے جہاں میں تم نے دھو میں محائیاں ہیں
 زلفوں کا بل بتانا آنکھیں چرا کے چلنا
 کیا کج ادائیاں ہیں کیا کم نکاحیاں ہیں
 حاکم کے بن اشار سے سچ کہ چشم و ابرو
 کس سے لڑائیاں ہیں کس پر چڑھائیاں ہیں
 تمھارے انگوٹے کے شوق میں گلشن کی سب کلیاں
 چمن میں سن خبر آنے کی استقبالی چلیاں
 لگن میں تجھ سے تکر کے عجب مجلس میں غم گزرا
 شمع رو رو کے ساری رات سرتا پا کھڑی چلیاں

۹۵۔ حشمت - میر مختتم علی خاں دہلوی ولد میر باقی - برادر میر ولایت اللہ خاں

بھلیہ خوبی آراستہ - از مشاہیر شعرائے دہلی ست شعر فاری
 نیکو می گفت و ترکیب بند ریختہ از دے بسیار شہرت دارد
 باعتبار اظہار واسوختگی دل نشین مردم افتادہ است
 بنا بریں چند بیت و دوسہ بند آں دریں مقام ثبت افتاد

ارتجاش در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ است۔

۹۶۔ حسمت۔ آتش محمد علی۔ از دوستان میر عبدالحی تاباں بود خود را

بزینت زناں می آراستہ۔ اما ہمت مردانہ داشت

چنانچہ ہمراہ قطب الدین خاں در مراد آباد کہ محاربہ

با پسران محمد علی خاں روہیلہ رودادہ بود بدلیسری

کشتہ شد۔ گویند استاد تاباں بود و سلیقہ نظم رنجیہ

داشت۔ از دست

خط نے ترا حسن سب آڑا یا یہ سبز قدم کہاں سے آیا

جیہ آخراں چمن میں ہوئی آشنائے گل تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل

۹۷۔ حریریں۔ دہلوی، آتش میر محمد باقر۔ کوئی اضافہ نہیں۔

۳ سطر ۱۹ شعر (ورق ۵۸) ن

حریریں تخلص، میر باقر نام، متوطن شاہ جہان آباد شاگردوں میں میرزا جان بابا
منظر کے تھے، دل سے جب جدائی آنھوں نے لاچار کی، تو عظیم آباد میں بود و باش اختیار
کی۔ رفیق تھے نواب باقر ہنگ سید احمد خاں صولت جنگ کے، زندگی بسر کی ہے انھوں
ساتھ رعایت نام و ننگ کے۔ بہت فہمیدہ اور آشنائے درست، دوستیوں میں نہایت
چالاک و چست۔ زبان رنجیہ میں صاحب دیوان ہیں، خلاصہ اشعار ان کے دیوان کے
لکھے گئے یہاں ہیں۔

غم نے آباد کیا خانہ دیدار میرا ابر شرکاں سے ہوا سبز بیاباں میرا

یہ کہہ کے باغ سے خست ہوئی بیل کہ ”یا قمت!“ لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوڑیں ششیاں اپنا
گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جو ریا را آخر _____ ہیں لہجہ و الم سے ہو گئے بھت برا آخر
غم نے لیا ہے گھر مجھے یاں تک کہ اب _____ دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
فصل گل آخر ہوئی، کیا دیکھ ہوئے شاد ہم _____ کچھ کر لے صیاد اب ہونگے نہیں آزاد ہم
رحم آتا ہے مجھے اس شست خاک اپنی پہ پلے! _____ خوب رویوں کی ہوا میں ہو چکے برباد ہم
اُس بے وفا کے ہاتھ سے کچھ مجھ کو جس نہیں _____ پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دست رس نہیں
ویراں ہوا خزاں سے چین پیاں تلک کہ اب _____ چاہیں کہ جل مرے تو کیں خار و خس نہیں
کچھ کہا شاید اُن نے قاصد سے _____ دل پہ میرے وہ اضطراب نہیں
اُدے نہ کیوں کہ رشک مجھے برگ پان سے _____ لیتا ہے کیا مزہ وہ سخن کے لبان سے
نہ وصل میں اُسے راحت نہ چہر میں آرام _____ کسی طرح سے حویں دل کے تیر قمار میں
تو نہ ڈر، تلک اٹھا نکالے تیں _____ میں سمجھا لوں گا اضطراب کے تیں
کیوں کہ خاطر خواہ دل کے درد کی تقریر ہو _____ کب یہ معنی لفظ میں آتے ہیں کیا تحریر ہو
کچھ گئی ہجرت میں کچھ وصل میں گریاں گزری _____ کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گزری
خواباں کے درد و غم نے کیا ناتواں مجھے _____ یاں تک کہ موبھی تن پہ چسپے ہیں گراں مجھے
کیوں کہ کروں جفا کی شکایت میں اُس سستی _____ کرتا ہے وہ وفا میں کھو مختاں مجھے
وفا میری اگر جو روجفا تجھ کو نہ سکھائی _____ تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی
خزین میں درد دل کا کس طرح ظاہر کروں اُس سے _____
مجھے کہتا ہے ”تیرا دل کہاں ہے“ قیامت شوخ! میرا بدگماں ہے
مجھے کہتا ہے ”تیری بات مجھ کو خوش نہیں آتی“

۹۸- حیدر - آئین غلام حیدر - احوال معلوم نیست اس بیت بنام او

دیدہ شد -
تمہاری یاد میں اے گلبدن آنکھوں کے لوہو سے
مرہ کے ہاتھیں یا قوت کے دانوں کی مالا ہے

۹۹- حیدر - دکنی - آئین میر حیدر علی شاہ - در شمشیر زنی ہنر و

بانگہ و زبان آور بود - اما دلاور نہ بود - در حکومت نواب
شجاع الدین محمد خاں شجاع الدولہ مرحوم از دہلی وارد
بنگالہ شدہ با نواب علاؤ الدولہ سرفراز خاں خلف
نواب مذکور بسری برد و اشعار بطور قدما می گفت بطرز
خاص کہ موجب تماشائے مردم بود اشعار می خواند
تمام دیوان ولی دکنی را مخمس کردہ و غزلیات دیوان حافظ را
تفسیر نمودہ اما جہولنہ را نیکو می گفت - عمرش قریب
بصد سال رسیدہ - در عہد احمد شاہ ابن محمد شاہ فردوس

آرام گاہ در صوبہ بنگلہ ارتحال نمود - از دست
پلے ہیں بن کئی محبوب بن سنا کر آج
خدا پناہ دے جس طرف کو یہ ڈھارا جائے

۱۰۰- حبیب اللہ - احوال معلوم نیست - اس بیت بنام او

بگوش خوردہ

سوزاں سے موبوکتا ہوں میں شانے کی طرح
ہاتھ میں تجھ زلف کے ہول کے ابجھانے کی طرح

۱۰۱۔ حیرت۔ مراد آبادی۔ آسمش مراد علی۔ از موزوفان عہد شاہ

عالم بادشاہ است از دست

کیا قافلے یاروں کے آگے کہیں ٹھیرے ہیں
فریادِ جرس کم ہے یا کچھ ہیں بہرے ہیں

۱۰۲۔ حسرت۔ دہلوی۔ مرزا جعفر علی۔ کچھ اضافہ ہے۔ خلیل نے

یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے ۱۱۹۶ھ میں ان اشعار کو
لکھنؤ سے بنارس طلب کیا۔ ۳ سطر ۲۲ شعر (ورق ۵۹)

حسرت تخلص، میرزا جعفر علی نام، متوطن شاہ جہاں آباد کے، بیٹا میرزا ابوالخیر کا تھا
صاحب قصائد و دیوان ہے اور سر حلقہ موزوفان خوش بیان ہے۔ اکثر نو مشق لکھنؤ کے مع
جرات دم شاگردی کا مارتے ہیں، اور یا استاد کہہ کے پکارتے ہیں۔ نجاس کے اندر
دکان عطاری کی یہ غریزہ رکھتا تھا اور اوقات اسی وجہ حلال سے بسر کرتا تھا۔ ۱۲۱ھ
بارہ سودس ہجری میں تختہ بند کر کے دکان وجود کو سیر بازارِ عدم کی ہے۔ خدا بخشنے اس
عاقبت محمود کو۔

اتنا سودا یہ دل زار ہوا، کچھ نہ ہوا
کاشکے عشق جتا نہ میں اُس کو حسرت
کچھ بھی یہ عشق سے بیزار ہوا، کچھ نہ ہوا
میری صورت سے وہ بیزار ہوا کچھ نہ ہوا
بجائے تجھ کو مریضِ عشق سے ملتے حذر آیا
کہ آئینے میں شکل اپنی جو دیکھی مجھ کو ڈر آیا

رقیبوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا
 غریب کیا کموں قاصد تو میرا کام لایا
 نہیں بچوں شبنم اس دہن کے صفت اُن کو
 یہ لذت دی کہ پانی مٹھ میں ہر غنچے کے بھر آیا
 اسی جہان میں رکھتے ہیں ہم جہان جدا
 جاب دار ہے اپنا بھی آسمان جدا
 تری فرقت میں ہے شام و سحر جھکو عجیب شکل
 جوش کا ٹی تو دن مشکل، جود کا ٹا تو شب مشکل
 کرم سے کھول جو عقدے پڑے ہیں کام میں میرے
 تھے آگے ہیں سب آسائش مے آگے ہیں سب مشکل
 مجھے ہم بت کے بندے، برہمن سارا کرتے ہیں
 حرم کے رہنے والو! تم سے عشق اللہ کرتے ہیں
 جیلے جو شمع اپنے دیک ہی خواہش ہو جاو
 یہ افسانہ سنا کر قصہ ہم کو تاہ کرتے ہیں
 تصور نے ترے ظالم ہیاں تک غرقہ ڈالا
 برنگِ بلبائے وائے یہ کیا زندگانی ہے
 کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اسی کو سر گرانی ہے
 کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیدار کرو گے
 لودل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کرو گے
 تالاج کیا صبر دودل و جاں پھر اب آگے
 کیا خاک بچی ہے جسے برباد کرو گے
 ترے بن کس طرح پیارے مری اوقات گزری
 ابھی سے دل کو مبتلا ہے کیونکر رات گزری
 کیا راہ میں غیروں سے ملاقات لگائی
 جو صبح سے یاں آنے تک رات لگائی
 اُٹا جو زمانہ ہے تو اس صید نے دل کو
 صیاد کے ملنے کے لئے لگات لگائی
 اس زلفا میں جاو قات پائی
 اس دل نے عجب ہی رات پائی
 ہمارے کام پہ ہر خند آسمان پھرے
 مجھے قسم ہے! جو تو اس طرف کو آن پھرے
 چلا تھا شکر غم چڑھ کے گھر پہ بچوں کے
 مجھے جو دیکھا تو دو ہیں ادھر نشان پھرے

رباعی

دل دردِ بتاں سے آہ کیونکر نہ کرے
 پر آہ تو بت کرے جو اس سے نہ ڈرے
 وہ شکل ہی جیسی دشمنوں میں گھائل
 دم لیوے تو سر کٹے، نہ دم لے تو مرے
 لے اصل مسودہ میں اسی طرح اٹلا کھا ہے ۱۲
 لے یہ مصرعہ جرات ک طرف بھی منسوب ہے ۱۳

۱۰۳- حیران - دہلوی میر حیدر علی - خاصہ اضافہ کیا ہے۔

۲ سطر ۱۰ شعر (۵۹ ب)

حیران تخلص، میر حیدر علی نام ساکن شاہ جہان آباد کے۔ شاگرد رائے سرب سنگھ دیوانہ تخلص استاد کے۔ علم شعر سے تو بخوبی آگاہ نہیں ہیں، لیکن اشعار ان کے سب کے سب دلچسپ اور شیریں ہیں۔ بندش شعر کی ان کے استادانہ ہے۔ استاد جانتا ان کو ایک نام نہ ہے۔ نواب امیر الدولہ حیدر بیگ خاں مرحوم کی امارت میں، اگرچہ نوکر وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مغفور کے تھے، لیکن رائے میکو لعل سے کہ مالک و مصلحتی کا تھا، تو اس رکھتے تھے بعد رائے مذکور کے مرنے کے ایک آدھ برس تو تنخواہ کی طرف سے اذیت اٹھائی، پھر تو ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ مرحوم سے کچھ ایسی موافقت آئی کہ پچاس کے سو روپے اضافہ کیا اور سو سوار کا رسالہ بالفعل کہ سالہ بارہ سو بندرہ ہجری ہیں، مع رسالہ تنخواہ لکھنؤ میں لیتے ہیں اور داد عیش کی دیتے ہیں۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے ہیں گریبی وضع ہے اور یہی ہیبت نصیب! تو ہمیں ہو چکی بس اس سے ملاقات نصیب! ہم لب گور ہوئے خوں بہ جگر اس غم سے کہ نہ غنچہ دہن سے نہ ہوئی بات نصیب! صبح ہر روز اسی غم میں ہمیں ہوتی شام آہ جاگیں گے مرے کون سی اب رات نصیب! کچھ ہمیں شکوہ نہیں جو رستے تیرے ہر گز ہم ہمیشہ سے ہیں لے جان کچھ آفات نصیب!

مسجدوں میں پھرے نت سجدے پھرتے حیران

شیخ جی پر نہ ہوئی تم کو کرامات نصیب!

ہو انہ ہم کو کبھی سیر باغ و کشت نصیب کریں گے زیت کا گیا یا دہم سے رشت نصیب

دل مستفردہ کا آج پوچھتے ہو حال غم فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب

لے اس فقرہ میں قافیہ کی پابندی سے سخت تعقید پیدا ہو گئی ہے مطلب یہ ہے کہ سرب سنگھ جن کا تخلص

دیوانہ ہے اور جو استاد ہیں۔ حیران ان کے شاگرد ہیں ۱۲

اپنے جانے کا وہاں دن کو ہونے لگا تو کھڑے
 درد دل غیر کے ہونے سے نہ کہنے پایا
 دیکھئے کیسے بنے آن پڑی بات کڑھب
 کل مہیر ہوئی کجیر اس کو ملاقات کڑھب
 دیکھ اُس سے کون کہے تابِ تماش کماں
 کسے ہے ہوش بجا، دل کدھر خواں کماں
 ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربط و
 تمہیں اب آنے کی فرصت ہمارے پاس کماں
 کیجا بھن گیا، کب تک کر دگے ہائے بیداری
 اٹھوں میں ہی جہاں سے یا کہ اٹھ جائے یہ بیداری
 کل کہا میں نے میرے گھر چلے
 اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
 سن کے تیوری بدل لگا گئے
 رسم و راہِ ادب تو سب دینی
 جھک کر کتا ہے میرے گھر چلے
 دیکھو اختلاف کی خوبی

۱۰۴- حیدری - دہلوی اسمش شیخ غلام علی - پدر بزرگوارش در پتہ

عالم مصروف و صلاح و سرا د موصوف بود - بہ سبب

برہمی اطوار روزگار ترک وطن قدیم ساختہ اقامت

در عظیم آباد انداختہ - نوشق است - اما طرز گفتارش

روانی دارد - از دوست

یہ دل اسیر زلفِ گرہ گیر ہی رہا

مجنوں ہمارا بستہ زنجیری رہا

۱۰۵- میر حامد - در سلسلہ فریدان حضرت میر نصیر کہ جانشین خواجہ

باسط مغفور اندر - السلاک دارد - در گفتو و نجات میر

موصوف بسر می برد - شغف است آزادہ حال و نیکو خصال

شوق بسیار جمع اشعار دارد از دوست :

دنیا نے دنی کو جو کہ فانی سمجھے وہ قصہ عمر کو کہانی سمجھے
 دریائے حقیقت کو وہی جاو پیر جو مثل جہانے زندگانی سمجھے
 ۱۰۶۔ حضور۔ دہلوی۔ ہندو سیت شیندہ شند و دہلی میگزینر اند

از دست۔

زبان شمع سے روشن ہوا یہ اہل مجلس پر
 کہ یہاں حج دم گزرتا ہے ترقی میں تنزل ہے
 ۱۰۷۔ حسرت۔ عظیم آبادی۔ شاید ہی اضافہ کیا ہو۔

۷۔ سطر ۵۴ شعر (ورق ۶۲)

حسرت تخلص، ہیبت قلی خاں لقب، ساکن عظیم آباد کے۔ شاگرد میرزا جان جہاں منظر
 کے تھے چند روز انھوں نے رفاقت نواب شوکت جنگ کی، کہ خلف نواب صولت جنگ
 ناظم پرگنہ کے تھے، کی ہے اور کچھ دنوں ان کو خدمت عرض و معروض کی نواب سراج الدولہ
 ناظم بنگالہ کے حضور میں رہی ہے ۱۱۹۵ گیارہ سو پچانوے ہجری کے اندر نواب بارک لڑو
 میر مبارک علی خاں بہادر صوبہ بنک کی رفاقت میں نہایت غربت اور پریشانی کے ساتھ
 اوقات بسر کرتے تھے ۱۲۱۰ بارہ سو دس ہجری میں اس سمرائے فانی سے سفر کر گئے۔
 بڑے ہی لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، بذلہ گوئی اور علم مجلس میں انتخاب تھے۔ قریب
 دو ہزار بیت کے دیوان اس عالی دودمان کا ہے۔ یہ انتخاب ان کے دیوان کا ہے۔

رات کا بیج ہوا یہ خواب مرا
 مل گیا صبح آفتاب مرا
 تیرے کو چہ سے باز نہیں آتا
 یہ دل خانماں خراب مرا

۱۔ اس لفظ کو قدامت کے لیے کے موافق بہ وزن نہ پڑھنا چاہیے۔ ورنہ مصرع ناموزوں ہوگا ۱۲

نہ جانوں کرے کیا حنا کا گانا لہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
 عجب طرح کا عشقِ حسرت لے ٹھانا کبھی اُس کے کوچہ نہ آنا نہ جانا
 بسکہ دکھ دیتا ہے میرے دل کو وہ بدخو را کل نہیں پاتا ہے مارے درد کے ہلو مرا
 دل ہوا غم میں اب کی سی طرح پر جلے ہم شراب کی سی طرح
 ہاتھ میں جام لے لانا مجھ سے صبح کو آفتاب کی سی طرح
 چھپاؤں اشکِ گلگوں کس طرح ہائے! گریباں ہو رہا ہے جا بجا سرخ
 اشک پر اشک چلا متصل آوے باہر یہاں تلک روئے آنکھوں سے دل آوے باہر
 بعد مرنے کے ہماری خاک کو برباد کر دے گہوے کو کو لے گھنوں کا گھرا باد کر
 ترے جمالِ جہاں گیر سے بنے کیوں کر میں ایک تیرا دیوانہ ترا نزار میں دل
 زلف و رخ یار دکھیتا ہوں کیا میل و نہار دکھیتا ہوں
 پھر یار سے ان دنوں میں بارے صحبت کو برا ر دکھیتا ہوں
 آپ ہی اپنے یار تھے، جانا نہیں غیر میں بھولے تھے، پہچانا نہیں
 ہم نہ ہوں تو ہو، تو سب چرچا کریں ”شمع ہے محفل میں، پروانہ نہیں
 کعبہ بھی ہم گئے، نہ گیا ان بتوں کا عشق اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
 مر گئے انتظار کے ہاتھوں کیا کہیں! اپنے یار کے ہاتھوں
 پھر سچا دمی کرے تو اٹھیں سو کہاں روزگار کے ہاتھوں

رباعی

فریاد سے ہم سہمی کرے کون سرکس کا پھر ہے یوں مرے کون
 چل کش مکش جہاں سے حسرت ہوتا رہے نت ورے پرے کون
 سدا بارش ہی میں رہتی ہیں میری چشم تر ساد تو ایک دودن برس کر ہم سے آسکتا ہے بر ساد

اڑائے لے دولے! شورش سودائے ڈب کو
 بہار آئی، تو کیدھر دیکھتا ہوں پھونکے گھر کو
 مجھے افراطِ رقت میں بجا نہیں بات کہ آئی
 کہ کر سکتا نہیں ڈوبا ہوا لقمہ سر پر پانی میں
 سنا ہے آج میخانہ میں جام مے پر مستوں نے
 لٹایا دینِ دنیا دونوں ہمت اس کو کہتے ہیں
 ہم دو انوں کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں
 اس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں
 دیکھ اس لب کے ترسے، آگ میں جل دیا قوت
 تیرے ان دانتوں کی جھلکی سے گھر جلتے ہیں
 ان پتنگوں کی میں جرأت پہ مواتا ہوں
 بے کیلجے ہیں یہ کسخت، قہر جلتے ہیں
 تو جو دل گر میاں کرتا ہیگا مجھ سے ہر دم
 دیکھنے والوں کے حسرت سے گھر جلتے ہیں
 نہ جی لگایو آس سے جو درموند نہ ہو
 کسی کا دل کسی ظالم کے پائے بند نہ ہو
 گو دل بروں کے ماہ سے رخ پر نقاب ہو
 پوشیدہ ہو سکے ہی جو کوئی آفتاب ہو
 لب بام آکے یہ تیرا کھڑے رہتا تو آفتاب
 سوا تیرے پہ گویا آفتاب آیا، قیامت ہے
 داغ دل پھیر تازگی پہ ہوئے
 اب شگوفہ بہار کرتا ہے
 ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہے
 ادھر بہار، ادھر ایک شیشہ دل ہے
 پلا شراب ہوئے شراب آتی ہے
 گھٹا بھی اپنا جھکڑا کھڑی کھاتی ہے
 لے اڑا کام اپنا پر دانہ
 ہائے ہم بال و پر نہ رکھتے تھے
 جیسے بھٹکے پھرا کے حسرت
 یار کے دل میں گھر نہ رکھتے تھے
 قفس ہی میں ہیں رہنے دے صباد
 کہاں اب اڑ سکیں جب بال و پر گئے
 مجھے کچھ بھی ہے حسرت فکر دل کی
 کہاں کھو اُسے تو ہائے گھر سے گئے
 ناصح عبثِ سامت میں مبتلا کسو کے
 کچھ دل بھی گیا پیرے ہی پیرے سے کیا کسو کے
 یہ گل ہزار اپنے جامے میں پھول بیٹھے
 ویسے کھلے نہ دیکھے بند قبا کسو کے
 جدائی کی ہوا دہکا گئی اب آگ سینے کی
 لگے اڑنے بھوکے آہ کے کیا طرح جینے کی

رباعیات

ناشاد کا میرے حال جیسے نہ گیا جی بہک میں آیا، طلال جی سے نہ گیا
یہ لوحِ فزا پر ہمارے لکھنا ”ہم گئے کپڑے ترا خیال جی سے نہ گیا“

زاہد جو نہیں ہے میرے دل سے آگاہ کہتا ہے کہ ”کافر ہے تو لے روئے سیاہ
ہوں جس کی پرستش میں کہوں کیا یا رو آتا ہے وہ بت، دیکھو اللہ! اللہ!

کب شہر کو چھوڑے، جو سیانا ہوگا صحرا دیکھے گا، جو دوانا ہوگا
ہم دونوں میں سیر کر کے دیکھا حسرت رہنا تو وہاں، جہاں کہ جانا ہوگا

میں خانہ میں کیا پھرے ہے مثلی مثلی زاہد واعظ سے دور، بھٹکی بھٹکی
قاضی سے ڈرے نہ محتسب سے ہرگز یہ دخترِ رز ہے، جس سے اگلی اگلی

۱۰۸۔ حضور۔ اسمش شیخ غلام محیی۔ از اعزہ عظیم آباد یگانہ عالم دار
دورست با آنکہ خود را بہ شاگردی کسے ندادہ طبعش موزون

وسلم افتادہ است۔ در اوائل حال مختصرات متداولہ صرف
و خوراز عمومی مولوی محمد باقر تحصیل کردہ من بعد پیر
روزگار در آمد۔ درینو بلا قلیل تجارت معیشت می کند

از اجاب مولفِ حقیرست۔ ہنگام تدوین اس تذکرہ
منتخب کلام خود را دادہ کہ دریں صحیفہ انضمام باید ہوتا

آرامیدہ الطوار دایں اشعار فنجہ افکار آں
دوستدارست (۶۰ شعر)

۱۰۹ حسن - دہلوی آتش میر محمد حسن از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا بود
از دست :

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑ دیو
خجرتو ایک نام کے لئے مٹھ نہ موڑ دیو
۱۱۰ حسن - آتش میر محمد حسن - غالباً ہماں میر حسن دہلوی مذکور باشد
تفریق احوالش تا تحریر ایں اوراق بر اقم فقیر نہ رسیدہ
این ابیات منسوب بہ میر حسن ست - (۱۱ شعر)

۱۱۱ حسن - دہلوی خواجہ حسن کوئی اضافہ نہیں - ۹ سطر ۴۰ شعر (۶۶)

حسن تخلص خواجہ حسن نام متوطن شاہ جہاں آباد کے بیٹے خواجہ ابراہیم بن غیاث الدین
بن محمد شریف بن ابراہیم کے ہیں۔ جو کہ مشہور خواجہ کہنا کر کے تھے۔ چشتی اور ساکن ہنگو گنج
ہیں۔ بڑے ہی لطیف گو اور بزم سنج ہیں۔ علم موسیقی ہندی سے بخوبی ماہر اور استعداد اس
علم کی ان تصانیف سے ظاہر علم نجوم میں بھی دخل بھلا چکا رکھتے ہیں۔ اور فقر و درویشی میں
تواضع و لکھنؤ معتد اپنا رکھتے ہیں۔ علوم متداولہ سے بھی خوب آگاہ ہیں خصوص علم تصوف کے
بادشاہ ہیں۔ تو سب امورات دنیا میں ان کو ذواب سرفراز الدولہ میرزا حسن رضا خاں سے ہے
اور یوں ملاقات تو ایک جہاں سے ہے۔ بخشی نام ایک رنڈی ارباب نشاط سے ہے اُس پر
مرستے ہیں اور اکثر نام اُس کا مقطع میں غزل کے داخل کرتے ہیں۔ زبان ریختہ میں صاحب دیوان
ہیں۔ کچھ اشعار منتخب ان کے لکھے گئے یہاں ہیں :

حال دل اپنا میں ہر ایک سے کھوا دیکھا
وقت نگارہ نہ رو سکتے تھے لے چشم مجھے
گھورتے ہوں مجھے کیا قدر کی نظروں سے تم
دیکھنے سے مرے کاہے کو غضب ہوتا ہے
تب اس حلیہ کو نہ کچھ کام ہوگا
یہی شورشن عشق ہے تو اسی !
رہی بے قراری اسیروں کی نہیں
موتے ہم تو پر بے قراری وہی ہے
وہاں کسی ڈھب سے پہ ہوتے نہ پیرا دیکھا
شدت گریہ سے اے خاک نہ سو جھا دیکھا
ایک عالم نے آپ کو گھورا دیکھا
کیا غضب ہو گیا گریں نے بھی دیکھا دیکھا
کہ جب میرا یہاں کام اتنا ہوگا
اس آغاز کا کیوں کہ انجام ہوگا
تو ضیا و کھڑے تر ادا م ہوگا
خدا جانے کب دل کو آرام ہوگا
اگر نزع سے جان بخشی حسن کو
تو اس میں تھارا بڑا نام ہوگا

جو بندہ خانے میں آئے گا، فقیر تم کو دعا کرے گا
عالم اس جور کی جو جلوہ گری کا دیکھا
پہنچے وہاں کچھ جیتیں پیغام ہمارا
دل دلا سوں سے کرے ہی آہ زاری بے تر
بھلا میں دو اندھ سی پر یہ نا صحیح
یہاں تھک کے بیٹھو ہو کیا راہ میں تم
ٹک جلا دے ہمیں گویا ہوتا
میں تو سب طرح سے تیرا ہوں میا
مانوں تب وعدہ فردا اے یا
اے مرے شکس سر مرگاں پر
تو جو ڈھونڈے ہی حسن خلوت کو
کسی کے دل کو جو خوش کر دے خدا تھا اچھا کرے گا
پھر یہ جلوہ نہ کسی جور و پری کا دیکھا
یہاں تب تیں آخسر ہی ہوا کام ہمارا
خانہ ماتم میں ہو پرے سے زاری بے تر
مرے ساتھ کیا ہے عاقل کو دیکھو
چلو راہ دو اپنی منزل کو دیکھو
اے لب یار مسیحا ہوتا
پر جو تو بھی کہیں میسر اہوتا
جب ترے وعدے کو فردا ہوتا
قطرہ کیا ہوتا ہے دریا ہوتا
عین خلوت میں اکیلا ہوتا

سرگرمیاں میں جھکا دل میں ٹھہرے ———— موندھے آنکھ کو تنہا ہوتا
 چلنے سے کب اٹک ہاتا ہے ———— دریا ہے کہ جوش مارتا ہے
 آکر بلا سے قتل ہی کر جائے مجھے ———— صورت اسی بہانے دکھائے مجھے
 غم نے ایذا جو لے صنم بخشی ———— یہ بھی سرکار کی کرم بخشی
 حقیقت کہیں کیا ہم اس انجمن کی ———— نہ تھی وہاں خیر اپنے ہی تن بدن کی
 اگر جاں کنی میں وہ جاں بخش آوے ———— تو ہونوع سے جان بخشی حسن کی
 یہ تو نے مجھ سے نالہ سب کچھ نہ کی ———— یہاں دل جلایا اور وہاں تاثیر کچھ نہ کی
 کیوں تم خفا ہو، کب میں کسی بات پر سیلا ———— موجب تھارے قول کے تقریر کچھ نہ کی
 کچھ اور تو ہوا نہیں ہے ساری عمر میں ———— تقصیر یہ ہوئی کہ میں تقصیر کچھ نہ کی
 قرآن ہے جاں کنی میں حسن حیف تم نے رات ————
 اب اس کی جان بخشی کی تدبیر کچھ نہ کی
 ملک اپنا یہ رونے پہ اگر دھیان لگا دے ———— ساون کی جھڑی دیدہ گریبان لگا دے
 شمشیر نگہ تیز ہے آگے ہی جو چاہے ———— اور سنگ سے سرمہ کے زراں لگا دے
 دن رات مری تجھ سے دعا یہی یارب! ———— اس بت کا مجھے آٹھ پہر دھیان لگا دے

کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے ———— پرٹک لایا ہو کہ یہ دل تمللانے سے رہے
 ہم نے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی ———— بے سبب آپ جو ایدھر کے آنے سے رہے
 آہ کس کس بے وفائی کا میاں کیجے شمار ———— اور تو سب ایک طرف منہ بھی دکھانے سے رہے
 اُس نے کس کس طرح ٹالا ہم کو اپنے در سے پر ————
 دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے ————

۱۱۲۔ حسن دہلوی۔ میر غلام حسن۔ کوئی اضافہ نہیں خلیل نے انہی حالات کو جو لطف نے اپنی طرف سے پیش کئے ہیں میر حسن ہی کے قلم سے لکھا ہے کیوں کہ انہوں نے لکھنؤ سے خود حالات بھیجے تھے۔ میر حسن نے اپنے متعلق جو الفاظ لکھے تھے ان میں سے علی ابراہیم حسبِ نیل نقل کئے ہیں :

” از سائر اقسام اشعار ابیات مدونہ من قریب ہشت ہزار
بیت ہست و تذکرہ در ریختہ نوشتہ و اصلاح سخن از میر ضیا
گرفتہ ام و مدحیت از دہلی وارد لکھنؤ گشتہ با نواب سالار جنگ
خلف ایشان ملقب بہ مرزا نواز ش علی خاں بہادر سردار جنگ
می گزیرا نعم“

حسن تخلص، میر غلام حسن نام۔ شاہ جہان آبادی۔ بیٹا میر غلام حسین ضاحک تخلص کا
اولاد ہے میرا جی ہمدانی کے دلی کے پیرانے شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔ صغیر سن سے
وارد لکھنؤ میں ہوئے۔ نواب سالار جنگ اور خلف ان کے میر نواز شمس علی خاں سردار
کی رفاقت میں اوقات انہوں نے ساتھ غزوت اور غربت کے بسر کی ہے اور اصلاح سخن کی
میر ضیا الدین ضیا تخلص سے لی ہے۔ اقسام علم سے تو جمع علوم میں انہیں افسار
بیچ دانی ہے، ہاں گرا شعراء میں ان کے البتہ ایک صفائی اور روانی ہے۔ قریب
آٹھ ہزار بیت کے انوار نظم میں دیوان ان کا ہے اور ایک تذکرہ بھی ہندی گویدوں
زبان ریختہ میں لکھا ہے۔ سب سے بظاہر اور بدستور کے احوال میں کیا خوب مثنوی لکھی ہے۔
اور سنہ ۱۲۰۵ بارہ سو پانچ ہجری میں میرروضہ رضوان کی کی ہے یہ اشعار منتخب دیوان

ان کو کردار کے ہیں ۵

گر کیجیے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا تو چاہیے خامہ بھی اُسے ایک زباں کا
 چھوٹا نہ وہاں تغافل اس اپنے مہرباں کا اور کام کر چکا یہاں یہ اضطراب جاں کا
 نہ رہتی تھیں آپس نہ تھمتے تھے آنسو حسن تجھ کو کیا رات غم تھا کسی کا
 ایسی ہی آہ! باتیں اُس بے وفائے چھریں روتے ہی روتے جس میں دوز جہاں گزرا
 کچھ تو صد ہے آہ! تر خاک بھی، کہ جو ادھر کو لگ رہا ہے حسن کو شش نقش پا
 اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا جیسے کوئی بھولا ہوا پھر تا ہے کچھ اپنا
 چھوڑ دے کوئی کسی کے لئے جس طرح سے کچھ ہم نے منتیں تری کون مکاں بھوڑ دیا
 اپنی جاگ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیسا تیری خاطر سے ہیں آتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
 وہ ملک دل کہ اپنا آبا و بھٹا گھوٹا سو ہو گیا ہر تجھ بن اب وہ مقسام ہو کا
 دامن صحرائے اٹھنے کا حسن کا جی نہیں پانوں ڈیوانے نے پھیلا یا، بیاباں دیکھ کر
 اب جو چھوٹے بھی ہم نفس سے، تو کیا ہو چکی وہاں بسا رہی آخر
 اُس شوخ نے پھینکا ہے مگر تیر ہوا پر جاتا ہے جو دل کا مرے پیچھے ہوا پر
 دیکھا جو وہاں نہ اُس کو، گماں مو طرف گیا آئے نہ ہوتے کاش کہ ہم کوئے یار تاک
 آن کر غمگدہ دہریں جو بیٹھے ہم شمع ساں اپنے تیں آپ ہی روٹیے ہم
 اس کی جبنم سے ہم بچے نہ تنگ آتے ہیں اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جگاتے ہیں
 حُسن میں جیتیں گرمی نہ ہو، جی دیوے کون شمع تصویر کے کب گردِ تنگ آتے ہیں
 اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا مشکوہ نہ کریں ہو کر آزدہ تم ایسے ہی تو بولا نہ کریں
 ترے بن باغ میں جنتِ نچے دل کے کھلے تیں خراش ناخن غم سے جگر کے زخم چھلے تیں
 نہ لیٹ اس طرح مجھ پر زلف کو کچھ اگلے ظالم زرا اٹھ بیٹھ تو اس دم کہ دو نو وقت ملتے ہیں
 ہے منرا دل کی جرز نفوں کے گیا پرے میں شب کو کیوں نکلا اکیلا جو پھنسا پرے میں

کہتا ہے تو کہ ”تجھ سے میں ہی نباہتا ہوں“
 مجھ پر ہی تیرا یہ ستم و جور کچھ نہیں
 روٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور سے حسن
 صیاد کی مرضی ہے یہ اب گل کی ہوس میں
 وہ اور زمانہ تھا کہ خواباں میں تھی الفت
 دم رکتا ہوا آتا ہے لب تک ترے غم سے
 دل اپنا اسی باتوں سے اٹھ جاتا ہے تجھ سے
 تیرے ہننام کو جب کوئی پکارے ہی کہیں
 غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو
 دیکھنا زلف و ریح تمہیں ہر وقت
 کہنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گزرتی
 جان و دل ہیں اداس سے میرے
 ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دلبر کو
 کیا چھڑے پوچھے ہے کہ ”گھر تیرا نہیں؟“
 سیر ہے تجھ سے مری جان جدھر کو چلے
 جب میں چلتا ہوں ترے کوچہ سے گھر کے کبھی
 نغمہ عشق سے ہیں سجھو دوز تارے
 دن تو قہ ہی تو قہ میں کہاں تک گزرتے
 جی تو ایسا ہی خفا تھا کہ نہ ملے گا کبھو
 گر بخت اپنے جاگیں تو اک کام کیجئے
 اب میں بھی بلے قراری پر اپنی لیا قرار

تو بھی کہیں ہوشیا میں یوں ہی چاہتا ہوں
 لیکن ترا ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں
 یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے اور کچھ نہیں
 نامے نہ کروں مرغ گرفتار نفس میں
 ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی دس میں
 عقدے پڑے ہیں بسکہ مرے تارِ نفس میں
 جا بیٹھے ہے تو دل کے جو نکس و کس میں
 جی دھڑک جاتا ہے میرا کہ کہیں تو ہی نہ ہو
 کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو
 شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو
 ہر ایک جان تو ہے جس بن نہیں گزرتی
 اٹھ گیا کون پاس سے میرے
 میں بھی جی رکھتا ہوں مجھ کو بھی ہوس آتی ہو
 کہنے کو تو گھر ہیاں ہے، یہ جی اپنا دہیں ہے
 تو ہی جیب ساتھ نہ ہونے تو کہہ کر چلے
 دل مجھے پھیر کے کہتا ہے ”ادھر کو چلے“
 ایک آواز نہ پڑو سا نہ کے ہیں تارے
 مر گئے سچ ہیں بس اب تو کہیں ناپے
 پر ترے ہنس کے پلٹ جاتے ہیں ناچارے
 سایہ میں اس کی زلف کے آرام کیجئے
 بس خیر! آپ شوق سے آرام کیجئے

بھولے سے نام لے کے مرا ہٹ بتا گیا
 کئی دن تیرے چپ رہنے میں اٹل آنکھوں پر سا
 ترا ہر جذب دل تھر سے بھی کچھ سخت تر سا ہے
 گریباں چاک اور خاموش مجھ کو دیکھ کتنا ہے
 رہنے نہ دے گا اس بن یہ دل تو ایک م بھی
 دریا میں ڈوب جائے کہ یا چاہ میں پڑے
 آج اکہیں شتاب کہ مانند نقش پا
 یوں غیر کچھ نہیں، تو بلا کو بری لگے
 کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے
 رہے جس میں خطہ سدا نیستی کا
 آنکھوں کو اس کی دیکھا تو ہستی نظر پڑی
 سارا جہاں خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر
 ہو چاہے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہیے
 مجھ سے نے تجھ کو چاہا تو چاہا باعجب نہیں
 فرگاں سے جھاڑتے ہیں جو اس گلی کے تنکے
 پیاہری لگی یہ مجھ کو تری بات آج کی
 نکل خورشید رو گھر سے کہ عالم خوب تر سا ہے
 دلیکن سخت اگر کہئے، تو کب میرے جگر سا ہے
 ”دکروں کیا بات اس سے یہ تو کچھ دیوار درسا ہے“
 کیوں روٹھ کر ہم اپنا کھو دیں عبت بھرم بھی
 اے عشق پر نہ کوئی تری راہ میں پڑے
 تکتے ہیں راہ تیسری سر راہ میں پڑے
 تو کچھ نہ کہ، کہ ہم غم با کو بری لگے
 دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
 بس اے زندگی! ایسی ہستی سے گزرے
 پھر ساتھ اس کے بادہ پرستی نظر پڑی
 بارے وہ آج آیا تو بستی نظر پڑی
 انصاف کر تو، چاہیے یہ یا نہ چاہیے
 تجھسا جو مجھ کو چاہے، تو پھر کیا نہ چاہیے
 رہتے ہیں ہم دو اس نے روزا زل سے سنکے
 یعنی ”ان کے“

رباعی

دنیا داری میں اور نہ دین داری میں
 حیرت کدہ دہر میں تصویر کی طسج
 چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
 سو یا کرتے ہیں عین بیزار داری میں

رباعی

ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے
 کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو؟
 ہر لحظہ نیا شوق دلا جاتے تھے
 اب تک تو کسی بار تم آ جاتے تھے

مثنوی در جو کھنؤ و تعریف فیض آباد

نہیں یہ کھنؤ ہے یہ زمانا
 زمیں یہ ملک ہے پتھر پہ بستا
 کسی کا آسمان پر گھر ہوا میں
 زمیں گنجان ہے یہ تہہ راہم
 سیگل سے گلی یوں تر رہے ہر
 فراغت سے یہاں کس کا مکان ہے
 کنواں بھی یوں ہے پھر اس تنگ گھر میں
 کنواں کہنا اسے ہے عقل سے قور
 کہوں کیا میں تہ امت اس مکان کی
 ہزاروں راہ اس میں پیچ و پیچ
 جو اس کے زیر سایہ ان نکلے
 جو کوئی رات کو بھولے یہاں گھر
 نہیں امکان جو گھر اپنا وہ پاوے
 زمیں کو فے سے یہ شہر ہم عدو ہے
 چڑھے ہے گو متی جب گرد آکر
 رکھے ہے پار ہو سکنا تب امکان
 سوائے قنیاں دیکھا نہ کچھ اور
 چلائیں یہاں سے دل اپنا اٹھا کر
 عجب معمورہ آباد پایا

زمانے پر عبت رکھنا ہسانا
 کہیں اونچا، کہیں نیچا ہے رستا
 کسی کا جھوپڑا تحت اثری میں
 سما سکتا نہیں ہے غیر کا دم
 بغل جس طرح زنگی کی بے ہی
 ہر اک گھر جس کا سادل یہاں ہے
 پڑے تپلی کا تل جیسے نظر میں
 کہ ہے اس گھر کی چھاتی کا دنا سو
 پڑی بنیاد بعد اس کے جہاں کی
 و لیکن مثل زلف رشتہ رویہ
 رے کے دم اور اس کی جان نکلے
 پھرے گلیوں میں ٹکراتا وہ وردر
 بلا خورشید کو جب تک نہ لاوے
 اگر شیعہ کے نیک اس کو بد ہے
 جاب آسا ہے پھرتے ہیں سب گھر
 چڑھے جب آدمی پر آدمی یہاں
 سو ہے روپوش وہ بھی دیکھ بیخود
 کہ کیجے سیر فیض آباد جا کر
 مثال گل ہر اک دل شاد پایا

کھلا بازار اور رستہ کشادہ
 دورستہ راستے میں اتنا رستا
 وہ جی ہے شہر کا ترپو لیا یوں
 ادھر کو جو بہری، ادھر کو بڑا
 روپے اور اشرفی دیکھے برستے
 یہ فرنی اور فالودے کا عالم
 ملا شربت میں جو اس کو تباوے
 ملائی دودھ کی دیکھو تو گویا
 بندھی پر ہے حلوائی کی دگال
 دھری ہیں گولیاں اور یوں اندر سے
 مٹھائی کی کروں تعریف تا چند
 ہزاروں خانگی اور کبھی آکر
 چکاتے امن کی دکھلا یوں چلے ہے
 وہ سبزہ گان میں زیب بنا گوش
 شعاع اس کی یہ اور منہ کا سپنا
 کوئی کرتی پہن جالی کی سادہ
 کیا اس دم میں تیکہ کو یوں صید

مسافر اس طرف جو آن نکلے
 نہ نکلے وہاں سے غیر از جان نکلے

۱۱۳- چیف - اسمش موتی نعل - ولد لالہ بت بین قوم کاٹیہ - از
 شاگردان میر سوزست - الحال کہ ۱۱۹۶ھ ہند

درکھنومی گزرا ند۔ اشعارش در سال مذکور از انجا
طلبیدہ تحریر یافت (۸ شعر)

حرف النحا

۱۱۴۔ خاکسار۔ دہلوی۔ محمد یار۔ کچھ اضافہ ہے۔ ۳۱ سطر ۶ شعر (۱۷)

خاکسار تخلص۔ محمد یار نام، شاہ جہان آبادی قدم شریف کے خادموں میں سے تھا
بڑا ہی مشاق زبان ریختہ کا۔ ہمیشہ محمد تقی میر تخلص سے نوک جھونک کرتا رہا ہے اور ان کے
اشعار میں مشاعروں کے اندر اکثر تصنیف کیا گیا ہے۔ صاحب دیوان اور شاہ غفر بخش بیان
تھا۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ”شعرا غزنیہ کے میرے ہاتھ نہیں لگے ہیں“ اس
جہت سے اشعار اس کے داخل اس تذکرے کے کمتر ہوئے ہیں۔ یہ اشعار طبع غرادر
اس کہن استاد کے ہیں۔

تھا زینجا کو جو جاں سے مہ کغان غزنیہ	ہم نے بھی تجھ سے توبے مرنہ کی جان غزنیہ
کل مجھے قتل کر اس دشمن دین کا فرنے	بولا لوگوں سے یہ تھا مرد مسلمان غزنیہ
کیوں نہ وہ مصحف رو جاں سے مجھے ہر روز	کس مسلمان کو نہیں دین اور ایمان غزنیہ
خاکسار عرش سے بھی دیکھا ہے تیرا مزاج	آپ میں آذرا اپنے تئیں بچپان غزنیہ
دل شیفہ کر کے کیا لیا تو	لے خانہ خراب کیا کیا تو
تیری زلف سیہ اے پیارے	مجھ کو یک سر ہزار سودا ہے

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے
 رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی اس خانماں خراب کو حکا خدا کرے !
 کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے سے آہ! جوں شمع ہو راحت تجھے جل جانے سے

۱۱۵ - خلیق دہلوی - ہمش مرزا ظہور علی خلیف مرزا ہوشدار -

در موسیقی ہندی و مرثیہ خواندن بغایت مهارت دارد
 بعضے از کتب عربیہ را خواندہ - جوان آرامیدہ و خوش
 ذہن ست - گاہے رنجتہ می گوید - و با وصف تو مشقتی
 بعضے شعرش دل نشین می افتد - از عہد محمد شاہ فردوس
 آرامگاہ حسب الطلب نواب نوازش محمد خان شہادت جنگ
 وارد مرشد آباد شدہ - در آن بلدہ سکنتہ اختیار کردہ
 تا حال کہ ۱۱۹۹ھ ہجریہ باشد در سرکار نظامت بنگالہ
 نسلک و بار اقم آشناست - از دوست -

آئی بہار کیوں دل افسردہ ہے خلیق
 مانند گل کے تو بھی گریباں کو چاک کہ

صحبتِ زندہ دلاں ہے باعثِ آرام جاں
 ہمنشینِ مردہ دل کی ہے عذابِ زندگی
 ۱۱۶ - خادم - عظیم آبادی - نامش خادم حسین خاں - خلیف حاجی

احمد علی قیامت تخلص۔ از منصبداران و عم زادگان مؤلف
 اوراق ست۔ یہ نسبت اجداد پیری از شیوخ بنی ہاشم
 و بہ نسبت اجداد مادری از سادات حسینی ست آرمیدہ و
 سنجیدہ اطوار۔ گاہے بہ موزونی طبع ریختہ می گوید۔ از دوست
 رات دن فرقت میں اس کی اس قدر ناشاد تھا
 آسمان نالے سے اُس کے آسیاے باد تھا
 بے پری جب تھی مجھے تب فکر آزادی نہ تھی
 خوب تھا آرام جب بے رحم وہ صیاد تھا

حرف الدال

۱۱۶۔ درد۔ خواجہ میر درد دہلوی۔ بعینہ ترجمہ ہی صرف
 تاریخ وفات کا اضافہ کیا ہے۔ ۲۰ سطر

درد تخلص، خواجہ میر نام متوطن شاہ جہان آباد کے، خلف الصدق حضرت ناصر دہلوی کے
 ثابت قدمی میں اس قطب آسمان استقلال کی اور زاویہ گزینی میں اس مرکز دائرہ فضل و
 کمال کی یہ نقل مشہور ہے اور زباں زوہور ہے کہ جس ایام میں معمورہ شاہ جہاں آباد کا
 اور ہر ایک کو چہ اُس خجستہ بنیاد کا، مجمع اہل کمال سے اور کثرت منتجبان عظیم المثال سے
 رشک ہفت اقلیم اور غیرت جنت انیم تھا، تو معموری پرشہر کی عرصہ ربع مسکون کا تنگ اور
 وہ خراب آباد تشبیہ سے ہفت اقلیم کی تنگ تھا جب کہ متواتر نزول آفات کے باعث

اور کمرور و دہلیات کے سبب خراب ہوا، اور مصدر عقوبت و عذاب ہوا تو ہر ایک درویش گوشہ نشین نے اور ہر ایک صابر زاویہ گزین نے اور ہر تو نگر مالدار نے اور ہر امیر عالی قدر نے، فرار کو غنیمت جانا اور بھاگے اور کو جبر پاپا بھگاتا۔ مگر وہ سید والا بتا کہ نام نامی اُس کا خواجہ میر درد تھا، اُس قطب آسمان ہستقال نے خیال بھی جگہ سے سرکنے کا نہ کیا، محل بلاد اُس کے اور حال جفاؤں کے ہوئے، اور شاہ جہان آباد کو چھوڑ کر ایک قدم اپنے کنج غزلت سے نہ گئے۔ اگر شیخ فرید شکر گنج اُس کو وہ محل کو دیکھتا، تو چاشنی فقر اُس کی حیران ہو کر مانند فیثکیر کے انگشت تیر کو کاٹتا۔ اور اگر سید حسین خلگ سوار پنج اس عرصہ کے ہوتا، تو زین پوش خدمت کا اُس کے کاندھے پر ڈال کے دوڑتا۔

غرض اس مجمع فضل و کمال کی انتفات طبیعت طرف نظم کے نہ واسطے شہرت اور نام کے ہے بلکہ واسطے گرامانے افسردہ دلائل خام کے ہے۔ اُس شہسوار معرکہ سخنوری کے تو سن تند خرام قلم نے بیچ قلم و معنی آفرینی کے ایک گام بے راہی نہیں کی اور اُس گیتا ز عرصہ مضمون تراشی کے ست رنگ آسمان سیر خامہ سے بیچ میدان بلند مقامی کے ایک قدم کوتاہی نہیں کی تعجب نہیں ہے اگر اُس عنذیب گلشن معنی کے کلام معجز نظام کی تحریر سے صفحہ کاغذ کا ہر رنگ بزرگ گل ہو، اور نغمہ زبان قلم کا ہم آہنگ صغیر لبلیں ہو۔ اگرچہ دیوان ان کا بہت مختصر ہے، لیکن سراپا درد و اثر ہے۔ زبان فارسی میں بھی اکثر غزلیں کہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی خالی کیفیت سے نہیں ہیں۔ رباعیوں کی طرف مسائل تقویٰ میں پیشتر طبیعت آئی ہے اور شرح بھی اُس کے مشکل مقاموں کی آپ ہی فرمائی ہے۔ طریقہ فقر میں بہت بڑے کاسب اور شاعراں تھے، اور راہ طریقت کے طالبوں کے واسطے رہنمائے کامل تھے۔ ۱۲۵۲ بارہ سو دو ہجری میں اُس لبلیں گلشن آزاد نے دام ہستی سے نکل کر شاخسار کو چمنِ عدم کے آباد کیا۔ یہ

منتخب ان کے دیوان کا ہے

مقدور کسے ہے ترے وصفوں کے رقم کا
حقاکہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں بسبج و برہن
آباد تجھی سے تجھے گھر دیر و سرم کا

مانند جاب آئیکہ تو اے درہ دھلی تھی

کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

اہل زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا
پر اب جو کچھ ہے، یہ تو کسی نے سنا نہ تھا

باور نہیں ابھی تجھے غافل پہ غفریب
معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فناء تھا

یک بہ یک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا

محل و گلزار خوش نہیں آتا
باغ بے یار خوش نہیں آتا

جان پہ کھیلنا ہوں میں، میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یار ہے، مجھ کو اُدھر دیکھنا

ذکر و فائیکچے اُس سے کہ واقف نہ ہو
کہتے ہو کس سے یہ تم، ملک تو اُدھر دیکھنا

باہر نہ آسکی تو قیدِ خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت! دیکھا شعور تیرا

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف ہاں
جی میں سمار ہا ہے از بس غرور تیرا

ہم نے چاہا بھی، پر اُس کو چہ سے آیا نہ گیا
وہاں سے جھول نقش قدم دل کو اٹھایا گیا

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر بنم
”بہار باغ کو یوں بھی ہے، لیکن کدھر بنم“

تیری خوں آسائیاں مشہور ہیں اے تیغ یار
ایک نظرہ چھوڑے تو پیوے ہمارا ہی لہو

اس تہی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
لے نشہ ظہور! یہ تیری ترنگ ہے

نہ ہاتھ اٹھائے فاک گو ہمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ہو دو بد و کینے سے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جاوے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

لے اس مضمون کو شیخ ابراہیم ذوق نے اس طرح بانٹا ہے: کہ ہے اس سے دم نوج یہ لہو میرا بکھی جو

مجھ سے کرے تو پئے لہو میرا۔ لیکن درد کی بندش کو نہیں پہنچتا ۱۲

جو ملتا ہے مل، پھر کہاں زندگی
کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
عجب خواب درپیش ہے پھر تو سب کچھ
سنا لو ملک اب اپنی اپنی کسائی
۱۱۸۔ دانایا۔ تخلص دہلوی مشہور بٹاہ دانایا۔ سمش شیخ فضل علی

از معتقدان شاہ برہان الدین و از شاگردان میاں مضمون
دہلوی ست پیشتر در لباس دنیا بود و چندے در سرکار
نواب سراج الدولہ ناظم بنگالہ انسلک داشت احوال
کہ سنہ یک ہزار و یک صد و نو و چہار ہجری باشد
در لباس فقر و اوارستگی و مسکن در بنگالہ بسر می برد۔
ہنگام تدوین اس تذکرہ اشعار خود را بمولف حقیر داد کہ
در تذکرہ ارتسام یابد۔ گفتارش باطوار مضمون مذکور

بطرز ایہام ست۔ اس ابیات از وست۔ ۱۶ شعر (۹۰-۹۱)
۱۱۹۔ ورو تخلص۔ سمش میر کرم اللہ خاں از اقربائے نواب
عمدۃ الملک امیر خاں مرحوم ست۔ گوئی بسیار دلاور
و گرم جوش و زبان آور بود۔ یحمد احمد شاہ ابن محمد شاہ
فردوس آرام گاہ ہمراہ میر علی اصغر گبری در معرکہ قہر پٹہ
شہید گردید۔ ۱۷ شعر (۹۰-۹۱)

۱۲۰۔ ورو مثنیٰ۔ فقیر صاحب۔ لطف نے یہ چھڑ دیا کہ ”غظیم آبادی
بہ خالوی اس خاکسار موسوم بہ زائر حسین خاں مرحوم

اختصاص داشت ... بار اقامت مجتہ داشت

۱۲۵ شعر

دردمند تخلص، فقیر صاحب نام۔ دکن ان کے بزرگوں کا وطن ہے۔ بلکہ ان کا بھی مولد دکن ہے۔ لیکن تربیت انھوں نے شاہ جہان آباد میں پائی ہے اور خدمت سے میرزا جان جہان مظہر کی کیفیت آداب فکر کی اٹھائی ہے۔ مرید بھی مرزا کے ذکر کے تھے چند مدت عظیم آباد میں بود و باش کی ہے اور رفاقت میں نواب غلام حسین خاں اور نواب اعظم خاں کے بیٹے کی گزرا۔ ان معاش کی ہے۔ بعد اس کے پھر دکن گئے اور چند مدت وہاں رہے پھر نواب انوار حسن محمد خاں شہامت جنگ بھتیجے نواب علی وردی خاں شہامت جنگ کے بلائے ہوئے شاہ جہان آباد سے مرشد آباد میں آئے اور طور بود و باش کے وہیں ٹھہرائے۔ رفاقت میں نواب مذکور کی البتہ ایک رفاہ احوال ہوا۔ آخر سال گیارہ سو چھتر ہجری میں بلوچ مرشد آباد کے اندر انتقال ہوا۔ سلیقہ سخن رسی میں اُستاد تھے، اور طریقہ مصاحبت و اخلاط کے ماہر حد سے زیادہ تھے۔ فارسی دیوان ان کا صاحب نظروں کا منظور ہے۔

اور ہندی میں تو یہی ساقی نامہ مشہور ہے

پری اُس کی خوبی کی از بکہ عیوم	لیا ہاتھ قدرت کا صانع نے چوم
ارے ساقی اے جانِ فضل بہار	یہی تھا ہمارا تویسر اقرار
ہمارے بسر نے کی یہ فصل تھی؟	فراموش کرنے کی یہ فصل تھی؟
ترجی جان کی سوں غنیمت ہوں میں	سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں
مری عقل میں کون انبانہ ہے	ارسطو مرا اک دوا ساندہ ہے
فلک چرخ دارے گا گرسد بہار	نہ لاوے گا مجھ سا کوئی رہ بجار
نظر تو کرو فلک چمن کی طرف	شگوفہ کو آیا ہے سستی سے کف
چمن میں بھرا ہے نشہ یار تاک	کہ جاتی ہے نرگس کی گردن ڈھلک

تجھے جان گل کے لہو کی قسم
 تجھے جام کے چشم ترک کی قسم
 ادا سے لہکنے کی تجھ کو قسم
 تجھے جام صہبا کے سر کی قسم
 تجھے نازِ مستی کی اپنے قسم
 قسم ہے تجھے بے سبب جنگ کی
 ارے بے وقابے مرّوت صنم
 تجھے دخترِ رز کی حرمت کی سوں
 تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں
 تجھے ناتوانوں کی طاقت کی سوں
 شبِ عید کے تجھ کو چاؤں کی سوں
 جو تو نے کیا ہے کو مجھ پر حرام
 کہ تو سرکشی سے نہ کر پائمال
 تجھے رحم مجھ پر کچھ آتا نہیں
 نہ توڑ آئینہ اپنے خریدار کا
 یقیں جانیو گر نہ ہو ایک آن
 تو صورت نہ پکڑے ہماری حیات

تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم
 تجھے اپنی پنہاں نظر کی قسم
 نشہ سے بہکنے کی تجھ کو قسم
 تجھے اپنے مینا کے سر کی قسم
 تجھے خود پرستی کی اپنے قسم
 قسم ہے مرے نام کے ننگ کی
 میں دیتا ہوں تجھ کو قسم پر قسم
 تجھے منجھوں کی شرافت کی سوں
 تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں
 تجھے بیقراروں کی فرصت کی سوں
 تجھے اپنی جندی کے پاؤں کی سوں
 تو اتنا کرے ظالموں کے امام
 مرے خون کو اپنے اوپر حلال
 مگر جیونا میرا بھاتا نہیں
 زبیاں خوب ہیں اپنی سرکار کا
 تری مسربانی کا مجھ کو گمان
 نکل جائے جی نا آمیدی کے ساتھ

رباعی

ہے غم سے قیہوں کے مراد ناشاد
 پرویز کے شیشہ خانہ عشرت پر
 اس دھڑکے سے جاتے ہیں سبھی عیش بباد
 سنگ آید لیک سخت آیا نسر باد

۱۲۱۔ دوست۔ تخلص۔ آسمن غلام محمد و مونس صوبہ بہار ست

بار اقم حیر در مرشد آباد ملاقات کردہ عاشق مزاج

بہ نظر آمدہ۔ از اشعار خود قریب صد بیت و انمود۔ ایں

چند بیت از انجاست۔ شعر (۹۵۔ ۱)

۱۲۲۔ دل تخلص۔ شیخ محمد عابد۔ لطف نے یہ چھوڑ دیا ہے۔ ”بہ سبب

مجھے کہ بار اقم آتم دارند ہنگام تالیف ایں مجموعہ مشارک لہیا

خلاصہ دیوان خود را در مرشد آباد ۱۲۹۳ھ تحریر فرستاد

علی ابراہیم نے تقریباً ۷۰ شعر نقل کئے ہیں تعجب ہے

علی لطف کو ایک بھی نہیں ملا۔

دل تخلص۔ شیخ محمد عابد نام۔ متوطن بلوچہ عظیم آباد کے بے مثل اور بے نظیر عالم محبت و داد کے۔ شیخ محمد روشن جو شش تخلص بڑے بھائی ہیں، جن کی خوبیاں باب نجم کے اندر

بیان میں آئی ہیں۔ غرض دونوں بھائی سنجیدہ اطوار اور حمیدہ خصال ہیں، طریقہ یک رنگی

میں بے مثال ہیں یہ ابیات دل خراش اس اہل دل کی تلاش سے ہیں

تیری زلفوں میں پھنسا دل ہی تقصیر ہوئی نقد جاں لیجے سچا ضر ہے گنگاری دل

نلے ہی سدا بھر بھرن عمر کے بھرتے ہیں ہیں خرم میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

جو آئینہ یہ ستم رسیدہ رہتا ہے مدام آب دیدہ

مہارے در پہ جو دریاں نے آتیں کپڑی بزرگ نقش قدم ہم نے بھی نہ میں کچھ ٹپی

اسلہ اصل کتاب میں نمونہ کلام نہیں تھا معلوم نہیں مصنف ہی کو نہیں ملا یا جس نسخے ہم نے نقل کیا ہے اس

مکاتب نے چھوڑ دیا ہے۔ یہ مندرجہ بالا چار شعر ہم نے سخن شعرا، مصنف عبد الغفور خاں نسخہ سے نقل کئے ہیں ۱۲

۱۳۳- دیوانہ - رائے سرب سکھ - کچھ اضافہ کیا ہے تاہم وفاق وغیرہ کا - (۳ شعر)

دیوانہ تخلص، رائے سرب سکھ نام، رشتہ دار راجہ ہمانزین کا تھا۔ نہایت پرگو اور وضع مغلیت پر مرتا تھا۔ دو دیوان زبان فارسی میں اس نے لکھے ہیں، اور اکثر رخیہ گو لکھنؤ کے، مرزا جعفر علی حسرت، اور میر حید علی حیراں، اس کے شاگردوں میں سے ہیں۔^{۱۲} بارہ سو چار ہجری میں لاچار گرم رومی راہ عدم میں کی اور آتش فنا پیکر وجود کو دی۔ فارسی منظوم اس کا دس ہزار بیت سے زیادہ ہے۔ یہ ہندی اس کا طبع زاد ہے۔

جب تب سننے تو کرتا ہی وہ قرار بغیر گفتگو ہم سے اُسے پر نہیں لگا بغیر
بزم میں رات بہت سادہ و پرفن تھے وہ گرمی بزم کہاں اُس بت عیت بغیر
دیکھ بھار کو تیرے یہ طیبوں نے کہا ہو چکی اس کو شفا شربت دیدار بغیر
جان پر آہنی ہدم مری خاموشی سے بات کچھ بن نہیں آتی ہوا بھار بغیر
جس کی خاطر کے لئے یار سب غیار ہوئے

کیونکہ دیوانہ بھلا رہے اب اس یار بغیر
دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے رستم کا کیا جگر ہے جو نہرا گھل نہ جائے

ریاعی

وے یار کہاں کہ یار باشتی کیجے دے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے
اک گوشہ میں بیٹھ کر دیوانہ تنہا اب ناخن غم سے دل خراشتی کیجے

۱۲ مصنف نے جس خاص ہستعاروں میں رائے سرب سکھ دیوانہ کے انتقال کو بیان کیا ہے ان میں ایک خاص جھلک پائی جاتی ہے، جو مصنف کی فراخ دلی پر شعر ہیں ۱۲

۱۳۴۔ داؤد تخلص۔ اسمش داؤد بیگ۔ از موزونان عہد محمد شاہ

فردوس آرام گاہ بود از دست۔ (۹۷-ب)

زلفِ دلبر بجگو سودا ہے لوگ کہتے ہیں تجھ کو سودا ہے

۱۳۵۔ دل تخلص۔ اسمش شاہ فتح محمد معاصر شاہ آبرو بود۔ از نہایر

میرغوث گویا رست از دست:

کیا نیکی تیز تر دیکھیں ہیں فرگاں یار کی

ہم نے سیتاں بھی نہیں دیکھیں کہیں اس سار کی

۱۳۶۔ درخشاں تخلص۔ اسمش منکوبیگ از موزونان عہد شاہ عالم بادشاہ
بود۔ شنیہ شد مدت در فیض آباد رحلت نمود۔ از دست:

یاد اداں وداع عمر کو جہاں کی رات ہے

مانند شمع میری سحر کو وفات ہے

حرف الذال

۱۳۷۔ فرہین تخلص اسمش میر مستعد میر محمد علی در تذکرہ خود نوشتہ کہ از

دوستان من بود۔ (۲ شعر)

۱۳۸۔ ذاکر تخلص مراد آبادی۔ اسمش حسین دوست۔ از سادات

مراد آباد بود از دست۔ (۹۸-ل)

جو چاہو سو کو خنجر ہو کو کوئے حسین دوست کے دشمن کہتیں نزدیکو

حرف الرا

۱۲۹۔ رنڈہ۔ تخلص دہلوی۔ سمش شاہ حمزہ علی۔ جوان خوش روئے بود

مدتے باعلی نقی خاں انتظار تخلص و محمد تقی خاں پسران
علی اکبر خاں، مینکباشی مرحوم در زمرہ سپاہیان معاش کرد
بچندیں لباس برآمده۔ آخر بجزبہ باطن ترک علائق ظاہر نمود
در مرشد آباد سرو پا برہنہ بانگ و کلیم می گشت۔ و در مجمع و
معرکہ حاضر شدہ بر زمین یا صفت پائیں می نشست و اشعار
می خواند۔ و زار نہار می گریست۔ راقم آثم را کر بر آں
آزادہ حال نظر افادہ خالی از حالتی و استقامتی بندد۔

الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و نود و چہار ہجری است
شنیدہ شد بنجایت دارستگی در عظیم آباد بر وضع شاہ ارزانی
و بیکان درویشان دیگر بلا تعین زندگانی می کند۔ کلاش
مربوط است و اکنون بشنیدہ شیفنگاں گاہے درویشانہ
ریختہ می گوید۔ این اشعار آں ستودہ اطوار است۔ (۲۲ شعر)

۱۳۰۔ راعب۔ دہلوی۔ سمش محمد جعفر خاں برادر زادہ نواب لطف اللہ

خاں صادق پانی پتی تقریب سلسلہ ایشان پیش سلاطین
ہند دستان عیان است۔ راعب مذکور از چندے مسکن و

مادی در شہر عظیم آباد اختیار کردہ بغربت و اعتبار میگزرا نہ
 طبعش چوں راغب بگفتن اشعار فارسی ست ریختہ را
 بہ بے پردای میگوید و بار اقم آشناست۔ از دوست
 شعر (۹۹-ا)

۱۳۱- رفعت۔ شیخ محمد رفیع اصل موطنش الہ آباد است۔ اما سکنے

در عظیم آباد اختیار کردہ۔ مدتے از مسلمان نواب عالی جاہ
 میر محمد قاسم علی خاں مرحوم بود۔ الحال از چند سال بخدمت
 مالی آں صوبہ روزگارے باعتبار دارد۔ بسیار دل جوہ
 شگفتہ رو۔ آشنائے قدیم این خاکسار است۔ گاہے طبع موزون
 رہنمون نظم ریختہ می شود۔ از دوست : شعر (۹۹-ب)

۱۳۲- رسوا۔ مہتاب رائے گویند در ایام سلطنت محمد شاہ فردوس آرا مگاہ

اسلام اختیار کردہ بر منون نامی عاشق شدہ۔ از افراط
 محبت کارش بر سوائی کشیدہ عریاں می گشت و باہر کہ
 دو چار می شد میاں گفت و میگریست و آخر کار
 در دہلی بہاں عہد ازین جہاں درگزشت از دست

۱۰ شعر (۱۱-ب)

۱۳۳- رسائی۔ اسمش و احوالش ہنگام تحریر این اوراق معلوم نہ شد

اشعارش مرقوم است۔ ۲ شعر (۱۰۰-۱)
 ۱۳۴- رخسار - محمد چاند گویند در زماں احمد شاہ ابن محمد شاہ با شاہ
 بہ زعفران نامی عاشق شدہ زار و ضعیف بود از دوست۔

یہ دل تپ ہجریں تری جیا ہے
 مرا ایک عمر جب لہو پیاسے

۱۳۵- رضا - عظیم آبادی میر محمد رضا ابن میر جمال الدین حسین جمال تخلص
 از قربان میر حبیب اللہ مرحوم بود۔ از فیض صحبت سخنوران
 عظیم آباد راغب گفتن ز خجہ گردید۔ نوشقست است این
 ابیات از دوست۔ ۶ شعر (۱۰-۱-ب)

۱۳۶- رضا - مرزا علی رضا از دوستان لالہ سرب سکھ دیوانہ۔ و
 بروہب علی نامی عاشقست و مثنوی در بیان عاشقی او

دارد۔ از دوست۔ ۲ شعر

۱۳۷- رضا - تا تحریر این اوراق احواش معلوم نیست۔ شعر بسیارے

ازوے دیدہ شد یک بیت قلمی گشت
 ایک دم تو رضا کے پاس آ بیٹھ
 آج وہ اس جہاں سے اٹھتا ہے

۱۳۸- رقم - بندہ ابن از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا بود
 از دوست ۶ شعر (۱۰۰-۱-ب)

۱۳۹- رنگین - گویند اصلش کشمیر است اما در دہلی ساکن و معاصر مرزا
محمد رفیع سودا بود از دوست :

مدت ہوئی ہم اس میں کچھ بھی اثر نہ پایا
اس واسطے دعا سے آخر کو ہاتھ اٹھایا

۱۴۰- رنگین - مرزا امان بیگ از خوشنویسان خط نستعلیق و از نسلکان
سرکار نواب افتخار الدولہ مرزا علی خاں بہادر بود از دوست
ایک موزلف کا گیس کونشانی بھجا
(۱۰۱-۱) بعد مدت کے کیا یا د صنف نے بار سے

۱۴۱- رشید - از تلامذہ ملا نظام الدین مرحوم و ساکن گھنڈہ بود در سن شباب
در یکے از تفصایا کشته شد۔ در علوم محقول طبعش رسا و
ذہنش بدقت آشنائی داشت۔ از دوست - شعر

۱۴۲- رضا - سید رضی خاں (۱۰۱-۱)

ناصح سے کیا کہے کوئی کچھ بات واقعی
غیر از یہی کہ قبلہ حاجات واقعی

۱۴۳- رستم - مخاطب بہ رستم علی خاں احتشام الدولہ و مشہور بہ نواب ہند
ابن نواب اشرف خاں بن نواب مصیام الدولہ خان دران
مرحوم و بہادر کلاں مرزا محمد حسن مرزا تخلص ست جلالت
شان سلسلہ ایشاں از غایت شہتار محتاج با ظہارست

الحاصل ترم علی خان موصوف بابر در خود از تفرقه روزگار
 ترک دیار خود کرده بهمراهی نواب سعادت علی خان بساده
 مرور و گذار بجانب صوبه بنگاله و بهار نموده - بعد مراجعت
 اصل اقامت در بنارس انداختند - هر چند را قلم حقیق را
 تا تحریر این اوراق با مشارالیهما اتفاق ملاقات ظاهرت
 اما به سماعت صفات حمیده ایشان تعارفی بهم رسانیده
 در بنارس ۱۱۹۶ هجریه برسم اخلاص اشعار مشارالیهما طلبیده
 در حرف الراد حرف المیم ترقیم نموده - ۲۵ شعر (۱۰۲-۱۰۱)
۴۴- حضرت - دهلوی میر قدرت الله خلف میر سیف الله نسبت ثبات گردی
 بامیرزا جعفر علی حسرت تخلص دارد چندے استصلاح از قلندر
 جرأت تخلص نیز نموده - الحال که ۱۱۹۶ هجریه یک هزار و یک صد و
 نود و شش هجری است در لکهنوی گزرانند این چند اشعار
 از بلده مذکور در بنارس طلبیده مرقوم شد - ۲ شعر (۱۰۲-۱۰۱)
۱۴۵- رتبه - مهربان خان - گویند در موسیقی ماهر و در تصنیف بکت و دوبره
 بیله قادر است در فرخ آباد بخد مت دیوانی نواب احمد خان
 غالب جنگ اختصاص داشته مسافر نواز و از تلامذہ
 مرزا محمد رفیع سودا و میر سید محمد سوز تخلص است در تیر اندازی

و شمشیر شناسی یہ طولاً دارد۔ از دست (۱۰۲-ب)

حاصل تو ہوا اصل ہمیں رات پر فہوس
ایک پل میں شب عیش و طرب گئی آخر

حرف الزا

۱۴۶- زکی - دہلوی جعفر علی خاں ابن مرزا مومن بیگ - بہ منصب

سہ ہزاری در منصب داران محمد شاہ مرحوم سرفراز بود۔
و در مقربان نواب عمدة الملک امیر خاں مرحوم امتیاز داشت
گویند بر اجداد سودائی عاشق بود۔ آخر حال بعد انتقال
نواب امیر خاں مرحوم بنا کامی گزرا نیدہ ازیں جہاں
گزشت طبعش در فکر ریختہ رسا و نظم کلامش بطرز قدیمت
مثنوی او کہ اکثر رعایت ابہام کردہ شہرت تمام دارد۔
۵۲ شعر (۱۰۴-ب)

۱۴۷- زرار - مغل بیگ از دوستان محمد تقی میر مت - از دست:

مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اُس کے
کوئی اور بھی جو رویا سمجھا کہ زرار ہو گا

۱۴۸- زرار - دہلوی - ہمش میر مظہر علی بہ صفات حمیدہ موصوف و بہ شاگردی

حقائق آگاہ مولوی شاہ حفیظ اللہ معروف سمت۔ در
زمرہ متوسلان نواب مرزا علی خاں بہادر انسلاک دار
۳ شعر (۱۰۴-ب)

حرف اسین

۱۴۹- سودا - مرزا محمد رفیع۔ بالکل لفظی ترجمہ ہے لیکن لطف نے
چھ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر نواب آصف الدولہ کی
تعریف کے قصیدہ اور سودا کے مدفن کا ذکر اپنی طرف
بڑھایا ہے۔ ۲۲ سطر (ایک سو صفحے تقریباً ۱۵۰ شعر
نقل کئے ہیں) (۱۵۵-ا)

نام نامی اور اسم گرامی اُس شاہ باز عرش پر دواز معنی کا مرزا رفیع ہے۔ متوطن
دارالخلافہ شاہ جہان آباد کے۔ بے شک مقام اُن کی طبیعت فلک فرسا کا موافق اُن کے نام کے
نہایت رفیع اور منیع ہے۔ روز تولد سے ساٹھ برس کی عمر تک دلی میں ساتھ کمال غزوفار
رہے اور طبع رسا کی مربی گری سے انہیں جلیس سلاطین نامدار اور وزراء عالی تبار
رہے۔ اگرچہ ذات اُس یگانہ روزگار کی کثرت اشتہار کے باعث مستغنی ہے تکلیف سے
خامہ مدح نگار کی، لیکن انصاف کہتا ہے کہ کچھ تقویر اس احوال اس مستغنی الصفات کا
لکھا چاہیے اور تذکرے سے اُس شاہ بیت کلیات معانی کے۔ بیان کو ان اوراق
پریشان کے زیب و زینت دیا چاہیے۔ سچ تو یہ ہے کہ میرزا نے مذکورہ سہرہ حلقہ

سخنوران اور سرآمد معنی گستران تھے۔ آشنائے معنی بیگانہ اور مضمون تازہ کے پیدا کرنے میں بیگانہ تھے۔ اقسام نظم سے دیوان اس مطلع دیوان سحر بیان کا بھرا ہے، اور انواع نظم کو کیا کیا زور و شور کے ساتھ بیان کیا ہے خصوصاً طرز قبصرہ کو کس صفائی اور تکلف سے ادا کر کے اس طاق بلند پر رکھا کہ دستِ وہم نازک خیالان ہندستان کا اس کے خیال تک نہ جاسکا۔ آگ کو یاد میں اُس آتش زبان کے جھوم شرار سے جوش قطراتِ عرقِ انفعال ہے، اور بانی کو خجالت سے اس طبع رواں کی خاک میں چھپنے کا زبان ہندی شرفِ ہمزبانی سے اُس کی سر فراز، اور نظم رنجتہ کو طبع معنی آفریں برائے گہنہ اور ناز جب کہ بعد خراب اور دیران ہونے شاہ جہان آباد کے نقل و حرکت کا اتفاق میرزا سے مذکور کو اس شہر سے ہوا، تو اور شہروں کی سیر کرتے ہوئے آخر بلدیہ لکھنؤ میں طویر سکونت کا کیا۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت قدر و منزلت کی، اور چھ ہزار روپے سالیانہ کی جاگیر مقرر کر دی چنانچہ بیشتر قصیدے نواب آصف الدولہ مرحوم کے تعریف میں کہے ہیں، اور کیا کیا تروتازگی کے ساتھ مضامین عالی باندھے ہیں۔ جب کہ سن شریف اس خضر راہ سخن دانی کا شرب برس کو ٹھنجا، تو داعی اجل کو لبیک اجابت کہہ کے سرائے وجود سے پیمانہ نزلِ عدم کا ہوا۔ تاریخ وفات اُس رفیع قدر محفلِ نکتہ دانی کی ہر ایک سخن سنج نے گہی ہے، لیکن یہ تاریخ اُس فرما دے مستون مضمون تراشی کے سنگِ مزار پر کندہ کی ہوئی ہے۔

خلد کہ جب حضرت سودا گئے فکر میں تاریخ کے ماہر ہوا
 بوئے منصف دور کر پائے عناد شاعرانِ ہند کا سرور گیا
 آغا باقر کا امام باڑہ اس محبِ امام علیہ السلام کا مدفن ہے۔ ^{۱۱۹} یہ قدم امام کے باعث
 بے شک رنج مکافات کے واسطے مامن ہے۔ یہ اشعار یادگارِ جرمیدہ روزگار کے
 لکھے جاتے ہیں اور یہ اوراق پریشان اس سے زینت پاتے ہیں۔

ہو اوجب کفر ثابت ہے وہ تعلقے مسلمانی
ہنر پیدا کر اول، ترک کیجو تب لباس اپنا
خوش آئیں کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
کرے ہی کلفت اباہم صنائع قدر مردوں کی
یہ روشن ہی رنگ شمع ربط باد و آتش سے
ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جان تک
بے ماتم اس چمن میں نہیں خفہ۔ ہر طرب
لاف سپہ گری نہ بیکے مردِ راست پایند
سخنی سے گزری اہل سعادت کی یہاں محال

مطلع ثانی

جس کی بہار پہنچی نہ آخر خزاں تک
وہ مرغِ ناتواں تپوں کہ صحنِ چمن سے میں
روضہ میں جن کے حلقہ چشم ملک سوا
ہنگام طوفان کہ ملائک ہمیشہ وہاں
خادم کہے ہیں اُس کے یہ آپس میں دیکھ کر
رہنے کو جگ میں صورتِ افسوس کے تیں
انگشت چوسنے کے لئے طفلِ مشیہ خوار
اس چرخِ دوں پرست تلے بہرِ شبت جو

قصیدہ

ہے سخن سنج اک جوانِ متین
رات جا کریں اُس کی خدمت میں
فخرِ صائب جو وہ کرے تحسین
اُسے دیکھا تو تھا نپٹ عین

میں جو پوچھا؟ کہا سب مت پوچھ
 لیکن لے یا تجھ سے کہتا ہوں
 داغ ہوں اُن سے اب زمانے میں
 یعنی سودا و میر و قائم و درد
 کیا غور و دماغ و کیا نخوت
 مثل شیرازہ کتاب اللہ
 ننگ جانیں جو بزم کا اُن کی
 اور جو احمق اُن کے سامع ہیں
 جیسے سُتھکاں مَنّ یزانی پر
 شعر و قیطع اُن کے دیوان کی
 اُس میں جو دیکھے تو آخر کار
 اتنی کچھ شاعری یہ کرتے ہیں
 غرض اس خبث کے تین سنکر
 کہا سودا کو اُن بزرگوں میں
 اور جو ہووے بھی تو لائق ہے
 ہے وہ مداح ایک ایسے کا
 یعنی نواب سیف دولہ سدا
 رفعت دست جو دے جس کے
 پنچہ آفتاب کی سی طرح
 پنچہ کی بھی گرہ میں بند کیا
 دست پاپا اپنے گم کرے ہے عدو

خبث کرنا کسی کا خوب نہیں
 دل کے گوجھ پہ سب کرینفسریں
 بزم شعرا سے ہیں جو صدر نشین
 لے ہدایت سے تا حکیم و یقین
 کون سا کہہ ہے جو اُن میں نہیں
 سمجھے ہر ایک اپنی چین جہیں
 بوعلی ہو صفت نعال نشین
 دم بہ دم اُن کی کیا کریں تحسین
 رط کے مکتب کے کہتے ہیں آئیں
 جمع ہووے تو جیسے نقش نگین
 یا تو ارد ہوا ہے یا تھیں
 میخ در کون آسمان و زمیں
 ہو کے بے اختیار میں وہ ہیں
 مت گنو اُس کا ہے یہ کب آئیں
 فخر کرنا پھبے ہے اُس کے تین
 مسند جاہ جس کی عرش بریں
 جس کی شمشیر و فرقہ زمین دیں
 دامن خلق کا ہے یہ آئیں
 بہرہ ور ہے ہمیشہ روئے زمین
 تیری بخشش نے مشیت زر کے تین
 یاد کر تیری تیغ و خنجر کیں

پوچھتا ہے ہر ایک سے سچ کہ
سر مرا ٹنگڑیوں میں ہے کہ نہیں
فکر میں تھر کے ترے ہر شب
حالت نزع سے زبیں ہے قریں
ہیند اس کو نہ آوے تانہ پڑھیں
جلے افسانہ سورہ یسین

احکام پر ترے نہ کرے کیونکہ کام تیر
ہے یہ کیاں حلقہ بگوش و غلام تیر
اُتنا ہی چست بیٹھے ہے جتنی کہاں جھوٹ
خوبی کا حق کرے ہے ادایاں تمام تیر
ہمسرے کس کا تیر ترے تیر سے کہ یہ
انگشت ہے فضا کی کہیں ہیں بنام تیر

شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے
کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے میں کئی شکل
ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیاں ہے
گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسوی
تخوہ کا پھر عالم بالا پہ مکاں ہے
ثابت ہے جو ڈگلا تو نہیں موزوں میں کچھ جان
تیروں میں ہی پر گیری تو بے چلہ کہاں ہے
کہتا ہے نفر غرہ کو صراف سے جا کر
بی بی نے تو کھایا ہے۔ فاقہ سے میاں ہے
یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی یہ دگر نہ
سوال بھی پھر ماہ مبارک رمضان ہے
اس رخ سے جیب چڑھ گئے چھتیس مینے
لیتے ہیں بایں روسیسی وہ تو دو ماہ
قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اس
ملا جوازاں دیوے تو منہ موند کر اس کا
بولاجو خطیب اس میں تو مارے اسے اک دھول
ہاتھ آگیا داغ تو پھیڑا بہ وہاں ہے
رینگے سے گدھا آٹھ پر گھر میں خدا کے
نہ ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذال ہے

رستے کے جو آگے کو یہ ہر ایک دکاں ہے
 دربارِ رسد اس عہد میں جو خرد و کلاں ہے
 اس سچ سے رسالہ کا رسالہ ہی دال ہے
 کوئی روئے ہے منہ پیٹ کوئی نعرہ زبان ہے
 ارتقی کا تو تم ہے جنازے کا گماں ہے
 کرتا ہے جو دہاں عرض تو میاں ہر نہ دہاں ہے
 اُس کی تو اذیت بڑی ہی آفتِ جاں ہے
 کیسا ہی اگر اپنے تئیں خوابِ گراں ہے
 منہ صورتِ سونوار کمر شکلِ کماں ہے
 سود و سودِ روپے کا جو کسی عہد کے ہاں ہے
 آوے تو وہ اُس کو نہ خستِ نگر اں ہے
 ٹھنڈی ہو آنے کا اگر اس وقت گماں ہے
 دکن میں بکے وہ جو خریدِ صغناں ہے
 سمجھے ہے فروشنہ پہ دزدی کا گماں ہے
 اس کا تو ہاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے
 ہر کوچہ میں جوں آبِ چکاں اور دواں ہے
 دیکھے جو کوئی فکر و تردد تو میاں ہے
 نیتِ قطعہ تہنیتِ خانِ زماں ہے
 گر رحم میں بیگم کے منے نطفہ خاں ہے
 پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے
 ہوں دورِ روپے اُس کے جو کوئی شہزادی خواں ہے

اور وہ جو ہن کمزور سود ہاں اُن کے ٹھٹھے
 اٹھ اٹھ کے دھمکتے ہیں انہیں مالِ دہ اپنا
 یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پالکی آگے
 کوئی سر پہ کئے خاکِ گریبان کیں کاچک
 ہندو و مسلمان کو پھر اُس پالکی اوپر
 یہ سخری دیکھ کے وہ صاحبِ ارتقی
 گو ہو جئے جا کر کسی عہد کے مصاب
 وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دوزانو
 خمیازہ یہ خمیازہ ہے اور حیرت اور حیرت
 صیغہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
 صحبت ہی یہ اُس سے اگر آقا کے تئیں چھنیک
 دیتے ہیں منگا تیر و کماں ہاتھ میں اُس کے
 سوداگری کیجئے تو ہے اُس میں یہ مشقت
 قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کو ثالث
 گر خان و خوانین کی کرے کوئی وکالت
 ہر گھر میں وہ چاہے کہ میں فتوہ ساچھوٹوں
 شاعر جو سننے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
 گر عید کا مسجد میں پڑھیں جلکے دو گانا
 تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فک
 اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ اُس کا
 ملائی اگر کیجئے تو ملا کی ہے یہ قدر

دن کو تو وہ بیچارہ پڑھایا کرے لڑکے
تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اُس کے
چاہے جو کوئی ریشخینے بہر فراغت
دیتا ہے دمِ غم سے کوئی شملہ کو نسبت
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر
تحقیق ہوا عرس تو کرواڑھی کو نکلی

سب خچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داس ہے
لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے
چھلے ہی تو شعر کے وہ مطعون زباں ہے
گنبد سے کوئی پکڑی کو تشبیہ کناں ہے
ہے آج کدھر عرش کی شبِ درکمان ہے
بے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

دریچہ پستخیل

ہے چرخِ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
جن کے طویلے بچ گئی دن کی بات ہے
اب لکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
تہا وے نہ دہر سے عالمِ خراب ہے
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مریباں
نہ کر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
نے دانہ و نہ کاہ نہ تیار نے سینس
مانند نقشِ نعلِ زین سے بجز فنا
نا طاقی سے اُس کی کہاں تک بیاں کر دو
اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اُس کا حال
قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کر دگے گیاد
جس دن سے اُس فصائی کے کھونٹے بندھاؤ
ہر رات اختروں کے تیس دانہ بوجھ کر

رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا بیک قرار
ہر گز عسارتی و عربی کا نہ تھا شمار
موجی سے کفش پا کو ٹکاتے ہیں وہ ادھار
خست نے اکثر وہاں اٹھایا ہے ٹنگ دھار
پاؤں سے نرا جان کا کوئی نام لے ہمار
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو ایسا خراب خوا
رکھتا ہو جیسے سب گلی طفلِ شیرخوار
ہر گز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
فاقوں کا اُس کے ہائے کہاں تک کر دشا
کر تا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گزار
امید دار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چار
گنہری ہے اس فطاسے ہر لیل ہر ہمار
دیکھے ہو آسماں کے طرف ہو کے بے قرار

خط شعل کو سمجھے ہے وہ دشتہ گیاہ
 ٹھکا اگر پٹا کیس دیکھے ہے گھاس کا
 دیکھے ہے جب وہ تو برہٹھاں کی طرف
 فاقوں سے نہنہانے کی طاقت نہیں ہی
 نے استخوان نہ گوشت نہ کچھ اُس کے پیٹ میں
 پیدا ہوئی ہے تس پہ اگن پاؤ اس قدر
 گزرے وہ جس طرف سے بکھو اُس طرف سستی
 سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہی یا نرنگ
 ہرزخم پہ زبکہ بھنگتی ہیں مکھیاں
 یہ حال اُس کا دیکھ غرض یوں کہے ہی خلق
 یا مہر ہے یا چور ہے جاوے یا مووے گم
 تنہا نہ اُس کے غم سے ہی دلتنگ تنگ نہیں
 القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
 رہتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشتا
 خدمت میں اُن کے میں نے کیا جا کے التماس
 فرمایا تب آنھوں نے کہ لے میری جان من
 لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ سپ
 صورت کا جس کی دیکھنا ہیگا اگر بے کو تنگ
 بدرنگ جیسے لید ہے بدرنگ چوں پشاپ
 مانند شیخ جو کی لکڑن ہے تھان پر
 حشری ہو اس قدر کہ قیامت کو اُس اوپر

ہر دم زمیں پہ آپ کو شکے ہے بار بار
 چوکے کو آنکھیں موند کے دیتا ہے وہ سپار
 کھاتا ہے دانہ گھاس کی جاگہ سدا بچار
 گھوڑے کو دیکھتا ہے تو باد ہی بار بار
 دھونکے ہی اپنی دم کو کہ جوں کھال کو لٹا
 ہرگز دروغ اس کو تو مت جان زنیما
 باد سموم ہووے صبا گر کرے گزار
 خارش سے زبکہ ہے مجروح بے شمار
 کہتے ہیں اُس کے رنگ کو کسی اس اعتبار
 چنگل سے موذی کی تو جھڑا اُس کو کو دکا
 اس تین بات سے کوئی نہ بھی ہووے آشکار
 خوگیر کا بھی سینہ جو دیکھا تو ہے فکا
 آیا یہ دل میں جلسے گھوڑے پہ ہو سوا
 مشہور تھا جنہوں کے وہ اسپ نابکار
 گھوڑا جھے سواری کو اپنا دوستوار
 ایسے ہزار گھوڑے کروں تم اور نشا
 یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
 میرے جس کی نت ہی سگ چشمک کو عا
 بدین اس قدر کہ کرے صطبل آجا
 لاجنب وے جگہ نہیں جوں منہ استوار
 دجال منہ کو اپنے سپہ کر کے ہو سوار

اتنا ہی سرنگوں ہی کہ سب اڑ گئے ہیں انت
 ہے پیر اس قدر کہ جو تلوے اُس کا سن
 لیکن مجھے نہ روئے تو ایریخ یا دہے
 کم رو ہے اس قدر کہ اگر اُس کے نعل کا
 ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روزِ جنگ
 مانند اسپ خانہ شطرنج اپنے پاؤں
 مٹھا تو اس قدر ہے کہ جو کچھ کہ تم حسنا
 دلی میں آن پہنچے تھا جس دن کہ مر سٹہ
 مدت سے کوڑیوں کو اڑائے ہو گھر میں
 ناچار ہو کے تب تو بندھا یا میں اُس پرین
 جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں اُس اوپر
 چابک تھی دونوں ہاتھوں میں کپڑے تھامیں
 آگے سے تو بڑا اُسے دکھلائے تھا نفر
 ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا روبراہ
 اُس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
 پیسے اسے لگاؤ کہتا ہوئے یہ رواں
 کہتا تھا کوئی ہے بڑے کو ہی نہیں یہ اسپ
 پوچھے تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
 کہنے لگا یہ آکے اُس اجتماع میں ایک شخص
 سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
 اس شخص میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک سوار

جڑے پہ بسکہ ٹھوکرؤں کی نٹ پڑی ہی ماہ
 پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے تھا
 شیطان اُسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
 لوہا منگا کے تیغ بناوے کبھی لہار
 رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کا رزار
 جز دستِ غیر کے نہیں چلتا وہ نہینار
 لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں یا
 مجھ سے کما نقیب نے آکر ہے وقت کا
 ہو کر سوار اب کرو میداں میں کا رزار
 ہتیار باندھ کر میں ہوا اُس اوپر سوار
 دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل خواہ
 تلخ تلخ کے پاشنوں سے مرے پاؤں تھے فگار
 پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
 ہلتا نہ تھا جگہ سستی جوں تیغ استوار
 اکثر مدبران میں سے کہتے تھے یوں صکار
 یا بادبان باندھ پونکے دو اختیار
 کہتا تھا کوئی ہیگا ولایت کا یہ حمار
 کہتے ال نے گدھے پہ کیا کیوں تجھے سوار
 گھوڑا نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار
 ڈان چلے ہے سیر کو ہو چرخ پر سوار
 فتنے کو آسمان نے کیا مجھ سے دہاں چا

اس ناجرے کو سن کیا دونوں نے وہاں گزرا
 پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھے دم کمار
 تھا عنقریب ڈوبے خف سے یک کسار
 لڑکے بھی وہاں تھے جمع تماشے کو شبیار
 دوں گا ٹکامیں تجھ کو بھی نو چندہ اتیوار
 لیتا تھا کوئی دوڑ کے موتن سستی اہوار
 ساتھ اُس سمندر خرس نہا کے ہو چشم چار
 کتوں کو ماروں یا کہ مردوں اپنا پیٹ مار
 ایسا لگے نہ تیر کہ ہو دس نہ تن سے پار
 وہاں سے بہر خط کیا جنگاہ تک گزار
 اتنے میں مرہٹے ہو اچھ سے بھی دو چار
 کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کا رزار
 دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار
 لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھوبی کمار کی گدھی اُس دن ہوئی تھی گم
 ہراک نے اُس کو اپنی گدھی کا خیال کر
 دریائے کش کش ہوا اُس آن موج زن
 بدشہمی اُس کی دیکھ کے گر خرس کا خیال
 کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
 رکھتا کوئی تھا لاکے سپاری کو منہ کی بیج
 کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اُس کے گرد و پیش
 جھگڑوں میں جو بھوں سے کہ لڑکوں کو جوت
 پہلی ہی گولی چھوٹے اُس گھوڑے کو لگی
 بارے و عامری ہوئی اُس وقت مستجاب
 یہ کہ کے حق سستی میں ہوا مستعد جنگ
 گھوڑا تھا بسکہ لاغر دست ضعیف و خشک
 جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر
 جب میں نے دیکھا جنگ کی یہاں تو بندھی یہ تل

مقدور نہیں اُس کی تہائی کے بیاں کا
 پردے کو تعین کسے در و دل سے اٹھاو
 ہلک دیکھ صنم خانہ عیش آن کے لے شیخ
 اس گشتِ رہتی کی عجب دید ہے لیکن
 جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
 کھلتا ہے ابھی یں میں طلسمات جہاں کا
 جوں شمع حرم رنگ جھکتا ہے تباں کا
 جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

سودا جو کبھی گوش سے ہنس کے مٹنے تو

مضمون یہی ہے جس دِل کی فغاں کا

جگہ تھی دل کو ترے دل میں اک زمانہ تھا مرے بھی شیشہ کو اس سنگ میں ٹھکانا تھا
 جی مرا مجھ سے یہ کہتا ہی کہ ٹل جاؤں گا ہاتھ سے دل کے تھے اب میں نکل جاؤں گا
 لطف لے اشک کے جوں شمع گلا جاتا ہوں رحم لے آہ شہرِ بار کہ جل جاؤں گا
 چھڑمت بادِ بباری کہ میں جوں نکلتا گل پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

۱۵۰۔ سوڑ۔ سید محمد۔ بالکل ترجمہ ہے۔ لیکن اصل تذکرہ میں سوڑنے اپنے

اشعار کے ساتھ اپنے احوال میں جو نثر کے فقرے لکھے

وہ موجود ہیں بگلشنِ ہند میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

”میر سوڑ شخصے ست کہ بیچکس را از وحلاوتے جز سکوت
 واکراہ حاصل نشود۔ این نیز از قدرت کمال الہی ست کہ ہر یکے
 بلکہ خار و خنہ نیست کہ بکار چنہ پایس اگر منکرے سوال کند
 کہ ناکارہ محض نفتادہ ست اینست کہ ناشس سوختنی ست۔“

(۱۲ سطر، ۲۰۰ شعر (۱۶۲-۱)

سوڑ تخلص سید میزنام ساکن قراول پورہ شاہجہان آباد۔ سید عالی نسب اور
 فنِ سخنوری میں استاد۔ طرزِ وادِ ابندی کے بادشاہ اور صورتِ مضمون در دو آہ تھے
 کلام ان کا سرے پاؤں تک سوڑ و ساز ہے اور پاؤں سے سرنیک ناز و نیاز شعر کے
 پڑھنے میں صاحبِ طرزِ خاص تھے اور آئینِ محبت میں مایہِ مودت و اخلاصِ علم تیر انداز
 اور کمانِ داری میں بہ شدت دل آشنا رکھتے تھے اور حسنِ شفیقہ نوسی میں نہایت
 دستِ رسا۔ ابتدائے جوانی میں انھوں نے ساتھ کام دل کے ایامِ زندگانی کو صرفیت
 نشہ بے خمار کیا اور سنہ اٹھارہویں میں جلوسِ شاہ عالم بادشاہِ نازی کے وارستہ

مزاجی کی تکلیف سے لباس فقر اختیار کیا۔ لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے اور اوقات ساتھ توکل و قناعت کے بسر کرتے تھے۔

۱۲۱۲ھ بارہ سو بارہ ہجری میں مرشد آباد تک تشریف لائے، لیکن اطوار سکونت کے وہاں کچھ نظر نہ آئے۔ اسی سال پھر لکھنؤ تشریف لے گئے اور اس دار قنات سے راہی ملک بقا کے ہوئے۔

علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ ”جس سال یہ تذکرہ میں لکھتا ہوں تو میرے مذکور نے کچھ اشعار اپنے مع چند فقرہ تر لکھ کر مجھے بھجوائے تاکہ داخل تذکرہ کروں“ چنانچہ ایک آدھ فقرہ میرے مذکور کی نثر کا بھی خان مذکور نے تذکرے میں لکھا: ”ترجمہ اُس کا زبان ریختہ میں براقم حقیقہ نے اس طرح کیا ہے کہ جو شے حق سبحانہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے، بلکہ جتنے غارِ نفس ہیں، کتنے ہی کام آتے ہیں اور بندگانِ خدا اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر یہ سوز و غم خالص ہے کہ کسی کو اس سے علاوت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ سوز و سکوت اور گمراہیت کے سبحان اللہ! یہ بھی قدرت الہی کا اظہار کمال ہے کہ ایسی شے خلق کی جاوے جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔ پس اگر کوئی منکر سوال کرے کہ ناکارہ محض تو نہیں ہے؟ خیر تو اس لائق ہے کہ نام اُس کا قابلِ جلالت کے ہے“ غرض میرے مذکور صاحب دیوان ہیں۔ اشعار منتخب ان کے لکھے جاتے یہاں ہیں۔

اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا آہ یارب! رازِ دل اُن پر بھی ظاہر ہو گیا
درد سے محروم ہوں دریاں سے جھک کر گیا یارب خاطرِ تعا سو میرا بارِ شاطر ہو گیا
میں نے جانا تھا صحیفہ عشق کا ہی میرے نام واہ یہ دیوان بھی نقصِ دفاتر ہو گیا
کیا میسائی ہے تیرے لعل لب میں لے صنم
بات کے کہتے ہی دیکھو سوزِ شاعر ہو گیا
دیکھ دل کو چھیر مت ظالم کہیں دکھ جائے گا ہاں بغیر از قطرہٴ خوں اور تو کیا پائے گا

قتل کی نیت تو کر آیا ہے تو کیا دیر ہے
پر مجھے تو مار کر ظالم بہت پھپھٹائے گا
پھر بھی کتنا ہوں تجھے "آسوز کو یوں ستا" ^{سوتا}
مستحق ظالم کہیں تو بھی ستایا جائے گا

مند ہی گر چشمِ ظالمِ دیدہ بیدار ہو پیدا
درودِ دیوار سے شکلِ جمالِ یار ہو پیدا
تڑپتی کیوں ہے اے ببلِ کمالِ اتنا پیڑ لکڑ
کہ تیرا اشک جس جا گر پڑے گلزار ہو پیدا
یہاں تک کفرِ پورا چاہیے گر خاکِ گلشن ہو
بجائے ہر رنگِ گلِ رشیدہ زنا رہو پیدا
قتیلِ خنجرِ مرگاہوں کیوں کیا یہ بھی تعجب ہی
کہ میری خاک سے سبزے کی جاگزار ہو پیدا
میساجی ہے تیری تیغ میں کیا سوز کو ڈر ہے

جو لاکھوں بار ہوئے قتل لاکھوں بار ہو پیدا
جی ناک میں آیا بتِ گلقام نہ آیا
جینا تو اتنی مرے کچھ کام نہ آیا
دنیا میں ہی دوستی ہوتی تیری مرے جا
عالم کی تمنا میں تری جاں بلب آیا
قاصد سے تو پوچھا تھا کہ قاصد ہی توں کا
تھانے کی حالت میں ہی سوز کے لبت

جی ناک میں آیا بتِ گلقام نہ آیا
کھڑے رہنے والو مگر سوتا ہے یہ
بھلا اس کے دل کا تو ارمان نکلا
مراکشہ ایسا تو ہے جس کی خاطر
قتل سے یہ بے گندہ راضی ہے اپنے اس لئے
ابر کے قطرہ سے ہو جاتے ہیں موتیِ ناصحا
ہاتھ میں اک روز تو دامنِ قاتل ہوئے گا
کیا ہیں رونے سے اپنے کچھ نہ حاصل ہوئے گا
درگزر اس خس سے آخر تجھے آوے گا رجم
سوز کا دل جس گھڑی سے سبیل ہوئے گا

کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
 زلفوں سے پڑا طول میں عیش کا
 جو تم سے بتاں ہو گا سو اقلد کرے گا
 خط آن کے یہ جملہ کوتاہ کرے گا
 اپنے رونے سے گراثر ہوتا
 قطرہ اشک بھی گسہ ہوتا
 جن کے نامے پہنچے ہیں تجھ تک
 کاش میں اُن کا نامہ بر ہوتا
 پھر نہ کرتا ستم کسی پہ اگر
 حال میرے سے باخبر ہوتا
 خون مشاق کرتے کیوں ناحق
 گریبوں کو خدا کا ڈر ہوتا
 سوز کو شوق کعبہ جانے کا

ہے بہت پر زیادہ تر ہوتا
 تو محشر تک نہ لیتا نام ہرگز آشنائی کا
 اگر میں جانتا ہے عشق میں دھڑکا جانی کا
 نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اُس کے بھڑپنا
 بیاں ہم کیا کریں طالع کی اپنے نارسائی کا
 خدا یا کس کے ہم بندے کہاویں سخت مشکل ہے
 رکھے ہی ہر صنم اس دہریں دعویٰ خدائی کا
 خدا کی بندگی کا سوز ہے دعویٰ تو خلقت کو

وے دیکھا جسے بندہ ہی اپنی خود نمائی کا
 قاصی ہزار طرح کے قصوں میں آسکا
 لیکن نہ حسن و عشق کا جھگڑا چکا سکا
 دل کی خبر کوئی نہ تری کو سے لاسکا
 قاصد ہو طفل اشک گئے بار بار وے
 کیا فائدہ ہے رونے سے اے چشم زاریں
 کب اشک دل کی آگ لگی کو بھجاسکا
 رسم نے گو پہاڑ اٹھایا تو کیا ہوا
 اس کو سر ایسے جو ترا ناز اٹھاسکا
 اے سوز غم کو چہ قاتل نہ کر عیش
 تو ایک بھی تباہے کرواں جاگے آسکا

خطرہ نہیں ہے جھکولے عشق اپنے جی کا
 ہر صبح منہ چڑھے ہے اُس تند خو کے اٹھ کر
 تو نے خطاب بخشا جب سے بہادری کا
 کیا آہنی کلیجہ دیکھو ہے آہ رسی کا

کتنا نہ تھا میں ایسے دل اس کام سے تو باز آ
دیکھا مزا نہ تو نے نادان عاشقی کا
عارض کو تیرے پیچھے کب اس کی ڈھل ہٹ
پیارے ہزار ہو تو ہے گل کارنگ پھیکا
رستم تو آج تو ہے میدان کے سخن کا
اے سوز کس کو دعویٰ ہی تجھ سے ہمسری کا

تجھ پر تیرا بن مری جان دل دین میرا
ایک باری تو سن افسانہ رنگیں میرا
بوائے گل شاخ ہوا میں سے بھی لیتا ہوں
کس قدر شوخ ہے اللہ یہ گلچیں میرا
زلزلوں کا اگر مجھ کو سرور کا نہ ہوتا
یہاں تک تو پریشاں یہ دل زار نہ ہوتا
خوگر جو ماروے سے طیب اپنے کو پایا
تو زلیست سے مایوس یہ بیار نہ ہوتا
اگر آنکھ اٹکتی نہ کسی شوخ سے جاگر
تو دل بھی کہیں سوز گر فتار نہ ہوتا

ایک دن ایک شخص نے اُس سے کہا
تو نے تو یہ ذکر سنا ہوئے گا
یعنی کہ عاشق ہے ترا جی سے سوز
ہو تبسم یہ کہا ہوئے گا
ہنس نے جس کا جلوہ جا کر چمن میں دیکھا
دو آنکھ کموند ہم نے وہ من ہی میں دیکھا
خوشید آوے جیسے ابر تک کے اندر
عاشق کو تیرے جن نے یوں پیر میں دیکھا
یوں دیکھنے سے میرے کیا فائدہ کسی کو
دیکھا انھیں نے مجھ کو جن نے سخن میں دیکھا
اس سوا کھوج نہ پایا تیرے دیوانے کا
قطرہ خوں ہے مگر خار بیاباں میں لگا
کسی طرح ترے دل سے جواب نکلے گا
مے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا
نکلے کا نہیں سینے سے دل جو ڈھونڈے گا
جو نکلے گا تو جلاسا کیا ب نکلے گا
ہے جیتے جی تو مجھے کوئے یار میں رونا
رہے گا مرگ کے بعد از مزار میں رونا
جو چپکے رات کو شبنم چمن میں روئے تو کیا
مجھے تو ایک سے لے تا ہزار میں رونا
نغم خزاں کا مجھے نے بہار کی شادی
خزاں میں خاک ہے سر بہار میں رونا

تو روز وصل تو لے سوڑ لپنے آنسو پونچھ
 ابھی بہت ہے تجھے پھر یار میں رونا
 بتوں کے عشق سے والہ کچھ حاصل نہیں ہوتا
 اُنھوں سے بات کرنے کو بھی اب تو دل نہیں ہوتا
 جس نے آدم کے تئیں دم بخشا
 اُس نے مجھ کو دل پر غم بخشا
 ساغر عیش دیا اوروں کو
 مجھ کو دیدہ پر غم بخشا
 جس نے ہر درد کو درماں بخشا
 مجھ سے کافر کو بھی ایمان بخشا
 بے نیازی تو میاں کی دیکھو
 گل کو بھی چاک گر میاں بخشا

چشم معشوق کو دی عیاری

سوڑ کو دیدہ گر میاں بخشا

غم تو کہتا ہے کہ میں تجھ کو شا جاؤں گا
 پر مری جان ترے غم کو میں کھا جاؤں گا
 ہم غریبوں کے گھر آنے کا کہاں تم کو داغ
 مت کرو وعدہ عیش ہم سے کہ آ جاؤں گا
 اس طرح جی دوں کہ تو رحم سے بولے صفیہ
 رسم عشاق کشی جان اٹھا جاؤں گا
 باغباں فکر نہ کر تو مرے دیرانے کا
 آشتیاں آتش گل سے میں جلا جاؤں گا

لے چکا دل کو خطا جان جو بانگے بیخاں

سوڑ کہتا ہے یہ گولی تو بچا جاؤں گا

گل ہی نہیں غلام تبسم کی آن کا
 غنچہ بھی زرخیز ہے تیرے دہان کا
 زاہد جو کھینچ کھینچ کے چلے ہوا ہے غم
 بہتر ہے ایسے چلوں سے چلہ کہاں کا

سینہ میں دل کہاں ہے غم رنگاں سے سوڑ

اخگر یہ رہ گیا ہے نشان کا روان کا

جو دل کہ تھا اتنی اُس دل رہا کے گھر سا
 خالی پڑا ہے اب یوں اجڑا ہوا لنگر سا
 ترسانے ترس کھایا احوال سن کے میرا
 بے ترس ڈر خدا سے اتنا نہ مجھ کو ترس
 شاید کہ اپنے گھر کی دی اُس نے خاک رُوئی
 خورشید کی کلہ پر کچھ تو دھرا ہے پر سا

جاتا ہر سو ز حسن کن کتاب ہے ہنسی سے
آنے نہ دیجو اس کو لگتا ہے بد نظرسا

مروت دشمن غفلت پناہ
صرفت العمر فی لہو لعل
ادھر تک دیکھ لیجو مڑ کے آہا
فاہا تھ اھا تھ اھا

یوں دیکھ لے ہے وہ کہ ادا کو نہ ہو خبر
عشاق تیری تیغ تلے او ستم پناہ
چھینے دل اس طرح کہ دغا کو نہ ہو خبر
سراسر اس طرح سے دیں کہ قضا کو نہ ہو خبر
بوسہ لوں اس طرح کہ حسا کو نہ ہو خبر
بوہ لوں اس طرح کہ حسا کو نہ ہو خبر
دل چاک یوں کروں کہ قبا کو نہ ہو خبر
دل چاک یوں کروں کہ قبا کو نہ ہو خبر
اب ضرر کرنے لگا دل کو تباں کا اختلاط
اب کوئی دم کو چا دے گی خزاں ہاں آکے وٹوم
سچ تو ہے ان بے وفاؤں سے کہاں کا اختلاط
غندلیو چھوڑ دو تم گلستاں کا اختلاط
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھ باور نہ آتا
ابے سن تو تجھے ہرگز خبر کا کا ڈر نہیں آتا

کسی کے دل میں ہوگا سو زمر جاے تو بہتر ہے
ابھی میں مروں کیوں کر مجھے تو مر نہیں آتا

کیا دید کروں میں اس جہاں کا
ہرگز نہ ٹلا تری گلی سے
والبتہ ہوں چشم خوں چکاں کا
ممنون ہوں جسم ناتواں کا
سو ز آگے زرا سنبھل کے جانا
جگر سے آہ دل سے نالہ سینہ سے فغاں نکلا
جو دل تھا میرے پہلو میں اب ہر عرش عظم ہے
اتنی محبت کو لگ جائے تو کا
بیٹھائے لگائے گھات بانکا
سرائے تن سے کیا حسرت نہ دوں کا کارواں نکلا
خدا کے واسطے دیکھو کہاں سے جا کہاں نکلا
کہ اٹھتا ہے ہر دم جگر سے بھجوں کا
میں بھولا میں بھولا میں چوکا میں چوکا

فریب محبت نے مجھ کو پھنسا یا

جہاں روزِ پریوں کا رہتا اکھاڑا وہاں اب پڑا ہے گامِ بے دان ہو کا
مراقب کیا دل ربانے نہ چاہا وہ کب چوکتا تھا خدا نے نہ چاہا
چشمِ غفلت کھول کر نگاہ کی تویستِ خوب دہرنے کن کن ملکوں کا کیا خانہ خسراب
مسندِ فرعونیت پر بیٹھے تھے جو مد ناز اہل استحقاق کا منہ سے نہ دیتے تھے جواب
خاک میں نہاں ہوئے ایسے کہ کچھ پیدا نہیں کون سا ان میں ہے رستم کون سا افراسیاب
بارہ ساعت کے لئے افلاک پر میں خود داغ واہ واہ اُن کو بھی کہ لو آفتابِ درماہ تاب
پوچھیو تو باندھ کر کس پر چلا ہے تو کمر میں پڑا کھاتا رہوں گا تا قیامت پچ و تاب
ان دنوں میں سوز کو دیکھا ہے یار و واہ واہ

ایک دنیا دار سے مل کر بنے عالی جناب

اشک کب ہوں تیرے متانے کے خشک کو چے کب ہوتے ہیں مینانے کے خشک
چوری چوری منہ ترے شاید لگا ہونٹ کچھ بے ڈھب میں تپانے کے خشک
زلف کی پلٹوں میں کیا جا کر بھینسا یا اکی ہاتھ ہوں نشانے کے خشک
ٹکڑا میں سنگ سے سرو ہو بھنا رہا تم رو میں گلے سے لگ کر اے آبشارِ ہم تم
میرا ہی سرو مجھ سے سرکش ہو اتر ہی نالے کریں نہ یک جا ہوں سو گوارِ ہم تم
دیکھیں تو داغِ سبب کس کے ہیں اب زیادہ اے لالہ داغِ دل کے کر لیں سمارِ ہم تم
تو میرے دل کو دیکھ اور میں تیرے دل کو دیکھوں دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہارِ ہم تم

تم تو چلے گئے پر یہ سیور ہے اکیلا

اے میرے دردِ صاحبِ یاد گارِ ہم تم

۱۵۱- سوزاں - مخاطب بہ نواب احمد علی خاں شوکت جنگ خلف

نواب افتخار الدولہ مرزا علی خاں مرحوم و برادر زادہ

نواب سالار جنگ بہادر۔ در لکھنؤ بہ سایہ عاطفت نواب
وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر مد دولتمی گزرا نہ۔ در
زمانے کہ میرضیا ہمراہ سوزاں مذکور بود۔ فکر اشعار می نمود
بغایت معنی یاب ست۔ ۵ شعر

۱۵۲۔ سجاد۔ اکبر آبادی میر سجاد۔ ایک لفظ اضافہ نہیں کیا۔

۳ سطر ۳۸ شعر (۱۶۴۔ ل)

سجاد تخلص میر سجاد نام اکبر آبادی۔ وطن بزرگوں کا ان کے آذر باجان ہے لیکن
تر بیت انھوں نے شاہ جہان آباد میں پائی ہے۔ اور شاگردوں میں شاہ نجم الدین آبرو کے
کیفیت طرز اہم شاہ صاحب مذکور سے زیادہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنی وضع کا یہ عزیز بھی
استاد ہے۔ میر محمد اکرم خاں دادا ان کے دارالانشائے بادشاہی میں نواب بھئی خاں میزشتی
کے ہمراہ تھے، بہت مرد سنجیدہ اور حقیقت آگاہ تھے۔ غرض میر مذکور صاحب دیوان پر بیان کیا
یہ غزلیں ان کی منتخب دیوان ہیں :

ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نہیں	جوں فیل مست آئے ہے ابر سیہ پلا
کا فتوتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی	مر جا تم سے اُن کے تو کہتے ہیں حق ہوا
گر تیرے گل کے آنے نہ کھوئے نہیں جو اس	سجھاؤ کیوں پھرے ہے سخن آج فقی ہوا
یعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ ٹوٹ کر	آکھوں نے اُس کے رو دیا آخر کو پھوٹ کر
عشق میں جانے لگا بے طرح مارا	بے طرح دل ہوا ہے آوارا
خط کتر واکے آج قینچی سے	ہم سے ملنے میں جائے ہے کترا
غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جلکے دل	بیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اُس کو بل دیا
تجھ کو لے سجا وغیراز تجھ بیدار کے	اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

بتاں تو چاہتے سچا و تجھ کو کریں کیا پر خدا نے جو نچا ہا
 مقبول اس جہاں کا ہرگز غسنی نہ دیکھا — راجہ وہی ہے جو کوئی یہاں سے گیا ہر راجہ
 شتابی پلائے کہ جاتا ہے ابر — جو کچھ باقی ساتی رہی ہو شراب
 دُور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں — خط چڑا لے جائے دل کو اور باز بھی جائے رلف
 جس خوب و کے دل میں عاشق سے ہونفاق — کہتے ہیں سارے اُس کے تیں حسن اتفاق
 ایک ل لکھتا ہوں جو چاہے سولیا لے اُسے — خواہ زلفیں خواہ مرگاں خواہ ابر و خواہ چشم
 جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں — سب نے درکنار ہوتے ہیں
 بتوں کے تیں کس قدر رہتا ہے — یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے
 اے صنم زنا رہنی تجھ وفا کے واسطے — ورنہ کوئی کافر بھی ہوتا ہے خدا کے واسطے
 کوئی جا کے قاتل کو سمجھائیے گا — کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائیے گا
 کہا دل نے بولو یہ خوبوں کے تیں — یہ دیکھو گے اپنا کیا پائیے گا
 میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف — روز سیاہ و نالہ مشیر ہے یہ زلف
 رہو آہ دل سوز میرے سے فرق — کہ ہے خوشہ چیں اُس کے خرمین کی برق
 دل کو کبھی پیار دلا کر کے لے سجن — لاگائیں گلے سے مرے آج لگ
 بخت جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر — کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چاہا کر

۱۵۳۔ سراج - اوزنگ آبادی امش میر سراج الدین - ازموزون

زمان شاہ عالمگیر خلد مگال بود۔
 ہ شعر

۱۵۴۔ سلیمان - معشوق سید عبدالحی تاباں - این مطلع از مشہورست :

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طاری دل — کچھ بھی ہٹ کا نہ کیا بل بے جگر داری دل

۱۵۵- سامان - جو پوری - میر ناصر گویند از شاگردان مرزا

مظہر جان جانان بود - شعر

۱۵۶- سعادت - میر سعادت علی ساکن امر وہہ - مرید شاہ ولایت آباد

شنوی سلی سخن کہ در زمان نواب قمر الدین خان فرید

دو عاشق و معشوق در دہلی گزشتہ اند گفتم و در

رعایت ایہام می کرد - و اکثر مناقب امہ علیہم السلام

می گفت از دست - شعر

۱۵۷- سید - دہوی - میر امام الدین راقم حقیر اورا ندیدہ - اما خیالی

بعض از دوستان شنیدہ کہ سنجیدہ اطوار بود از دست

ہماری حسن کے کوہ چہ میں بنیوائی ہے

یہ آنکھیں دیکھتے ہو کاہنہ گدائی ہے

۱۵۸- سید - میر یادگار علی - از سعادت بارہ پویشیات و موزونان

عہد شاہ عالم پادشاہ است - از دست

شورشیں باقی ہیں دل میں تس پہ آتی ہے بہار

دیکھتے کیا کیا شگوفے اب کے لاتی ہے بہار

۱۵۹- ساقی - میر حسین علی - احوال شاعر تا تحریر اس اوراق معلوم نہ شد

غزل او بہ نظر راقم خاکسار رسیدہ اما بربک بیت

اکتفارت سے

تفس کو تو چمن میں رکھ جاؤ زادی نہیں ممکن
یہ اتنی عرض بھی لے کر کوئی صیاد کا پھونچے

۱۶۰۔ سکندر - مشہور بحلیفہ سکندر در مرثیہ گفتن کہاں اقتدار و سلیقہ

درستی دارد اکثر در زبان پوربی و مار و اڑی و پنجابی مرثیہ
گفتہ و قصہ تلّاح و ماہی و بادشاہ دل؟ فرار منظوم
ساختہ اگرچہ استعداد علی ندارد۔ اما مرثیہ او مقبول و خاص

عوام مست و در قصہ خوانی و عرق کشی و اوقات و خود را
از شاگردان ناہجی می شمارد۔ از دوست - ۲ شعر

۱۶۱۔ سلیم - عظیم آبادی میر محمد سلیم - از سادات انجا است - بہ تجارت

قلیلے معیشت می کرد۔ در تفہیم و تنظیم شعر طبع سلیم و ذہن
مستقیم داشت۔ مثنوی در ریختہ مشکمہ سناخہ عجیب واقعہ
ناحیہ عظیم آباد - ترتیب دادہ کہ خالی از حلقے نیست و آں
حمیدہ اطوار باین خاکسار آست شنا بود۔ در سنہ یک ہزار و
صد و نو و پنج ہجری در مرشد آباد رحلت نمود و در

ہاں بلدہ مدفون گشت۔ از دوست (ایک پورا صفحہ اور ۳ سطریں
اشعار کے لئے چھوڑ دی گئی ہیں۔ دوسرے نسخہ میں بالکل بعد ہی سے ش کی ردیف شروع کر دی گئی ہے)
(درق ۱۶۵)

حرف الشین

۱۶۲۔ شاہی۔ دکنی شاہ قلی خاں درحیدر آباد از منسلکان تانا شاہ

بود بشیر مرثیہ می گفت۔ از قدا بود۔ ازوست۔

مننا تھیں کا غیر سوں کوئی جھوٹ کوئی سچ مج کے
کس کس کا منہ موندوں سچ کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

۱۶۳۔ شاہی۔ محمد شاہ از دوستان محمد علی خشت بودہ ورنجیہ را بسلامت
می گفت۔ ازوست۔

کیا پوچھے ہے حال ببلوں کا جو آن پہ گزرتی ہے گزرے
گلچیں تجھے کیا تری بلا سے گل توڑ کے تو تو گود بھرے

۱۶۴۔ میر شاہ علی خاں دہلوی۔ جوان زیبائے بود۔ پریشان حال وارد

مرشد آباد گشتہ با حصول مراد مدتے بہ شادمانی گزرا ند

وبعد انقضای دولت نواب سراج الدولہ آوارہ از مرشد آباد

شدہ بہمت لکھنؤ افتاد۔ و بہ عہد دولت نواب عالی جاہ

میر محمد قاسم خاں بہ عظیم آباد آمدہ در زمرہ ملازمان نواب

مذکور انسلک یافت و از بنجا بدکن رفتہ گویند در ان ناحیہ

انتقال یافت۔ ۳ شعر

۱۶۵- شورش عظیم آبادی - میر غلام حسین - ۳۵ شعر
 ایک لفظ کا اضافہ نہیں کیا۔ اس کے برخلاف علی ابراہیم کا
 مطلب ضبط کر دیا ہے۔ نیز ترجمہ کو نہایت طویل بنا دیا
 خصوصاً عبارت قلم کشیدہ کا مطلب غلط لیا۔
 میر غلام حسین مشہور بہ میر بہینیا۔ خواہر زادہ ملا میر
 وحید و شاگرد باقر حرن ست۔ بایں خاکسار آشنا بود
 بہ محض بندار التفات بقیام انکار خود نمی نمود۔
 تذکرہ در ریختہ تالیف نموده۔ خالی از درد
 و حالتی نہ بود۔

در سنہ یک ہزار دیک صد و نو و پنج ہجری رحلت کردہ
 اشعارش مدون و این اشعار خلاصہ دیوان اوست :

شورش تخلص، میر غلام حسین نام، متوطن عظیم آباد کے، مشہور میر بہینا کے تھے
 بھانجے تھے ملا میر وحید کے اور مشورہ سخن کا کیا تھا میر باقر حرن تخلص سے۔ علی ابراہیم خاں موم
 گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ ”میرے آشنا تھے اور بیماری میں غور کی مبتلا تھے فقط
 اپنے خیال فاسد سے انھوں نے اپنے کلام کی قباحتوں پر التفات نہیں کیا ہے، اس
 سبب سے سخن ان کا ہمیشہ مورد اعتراض سخن گروں کا رہا ہے“ ایک تذکرہ شعرا نے
 کا زبان ریختہ میں انھوں نے لکھا ہے، لیکن وہ بھی بسبب ان کی خود پسندی
 خالی خلل اور زلل سے نہ تھا۔ ۱۱۹۵ گیارہ سو پچانوے ہجری میں اس سراے

فنا سے جاوہ نور دمنزل بقا کے ہوئے۔ دیوان ان کا زبانِ رنجیہ میں مترتب ہے
یہ ان کے کلام کا منتخب ہے:

ہمارے پاس بھی آیا نہ آیا — بھر و سا کیا ہے جی آیا نہ آیا
کسی کو خم سے غرض ہی کسی کو جام سے کام — قسم مغاں کی ہر ساقی کے مجھ کو نام سے کام
اٹھی یہ الفت گل کے سبب سبب ایذا — و گرنہ کیا تھا ہمیں ہم صغیر و دام سے کام
ہماری صبحِ نریخ یا رشام نہ لگا — نہ مہر و ماہ کے سے ہم کو صبح و شام سے کام
ہر ایک دم میں ہیں وصلِ ہجر میں موجود — غرض نہ نام سے رکھتے ہیں نے پیام سے کام
رقیب اگرچہ بہت برخلاف ہے شورش
ہوا کرے ہیں ہر یار اپنے کام سے کام

۱۶۶۔ شفا۔ حکیم یار علی، معاصر محمد علی حشمت بودا نزدست:

جوں ڈانک کے ائے سے دوتا کوئے ہی یاقوت

چمکا ہے رنگ پان سے جو ہر ترے لبوں کا

۱۶۷۔ شاعر۔ میرکلو۔ از اقربائے خواجہ میر دردہست۔ بہ سلامت ذہن

درستی سلیقہ انصاف دارد۔ از موز و نان عہد شاہ عالم

بادشاہ ہست۔ از دست۔ ۵ شعر

۱۶۸۔ شیدا۔ میر فتح علی۔ از شمس آباد است مبتنیٰ میر سودر

شاگرد مرزا محمد رفیع سودا و از موز و نان عہد شاہ عالم بادشاہ

از دست ۲ شعر

۱۶۹- شوق - حسین علی از شاگردان سراج الدین علی خاں آرزو بود
و در نسلکان نواب عماد الملک غازی الدین خاں نسلاک

این اشعار از افکار اوست - ۱۵ شعر

۱۷۰- شاداب - لاله خوش وقت رہے و مسکنش چاند پور ندیمہ است - گوئید
در فن اثا سلیقہ داشتہ -

۱۷۱- شہرت - دہلوی مرزا محمد علی - از شاگردان یحیی اماں جرات است
الحال کہ ۱۱۹۶ ہجری است - در کھنومی گزراند - ازوست - ۴ شعر

۱۷۲- شاقی - جهان آبادی - امین الدین - الحال کہ ۱۱۹۶ ہجری است
در عظیم آباد بمسکت و نامرادی می گزراند - ازوست :

مت زخم دل میرے کو کوئی لیتا دو ظالم کو بلکہ زخم دگر کا پیام دو

۱۷۳- شہید - غازی پوری مولوی غلام حسین - مدتے برفاقت نواب

فضل علی خاں غازی پوری - روزگار بہ عزت گزرا نیدہ

مردے ست خوش تقریر و سنجیدہ اطوار و باین کسار اثنا

دریں ولاکہ ۱۱۹۶ ہجری است - در زمرہ افاضل عوالی

مقدار کہ در بنارس باین خاکسار در عدلت مامور اند - شتغال

و ایرود ازوست - ۴ شعر

۱۷۴- شرف - میر محمدی - برادر زادہ نواب خان دوران - در ریختہ گوی

مطلع طرنازک خیالان ست - از دست

صاف دل کا مرتبہ ہی عرش و کرسی بلند جلوہ گر ہے آسمان زیر زمین آئینہ
 ۱۶۵ - شفیع - میر محمد شفیع از ہم صحبتان مرزا محمد رفیع سودا و محمد تقی
 میرست بوارستگی و آزاده مشربی در لکھنوی گزراند
 از دست - ۲ شعر

حرف الصاد

۱۶۶ - مصاصم الدولہ - خاندوران، موسوم بخواجه محمد عاصم از
 امراے فرخ سیر بادشاہ ست - احوال آں امیر
 ستودہ اطوار از غایت اشتہار محتاج بہ تحریر نیست کہے
 بہ موزونی طبع نظم رنجیہ و فارسی می نمود - از دست:
 نزدیک ہے خزاں کا ہوئے گزر چمن میں
 اب شور کرے بلبل آئے جو تیرے من میں
 شکر لب نے بس گر مجھوشی سے آج
 میرے دل کو تل میں مرند کیا ؟
 ۱۶۷ - صنعت - لعل خاں از متوسلان نواب آصف جاہ نظام الملک بوند

این دو بیت بنام او منسوب است :

دل جب سے ترے عشق میں مجھ سے جدا ہوا

بہکا جلا ہوا نہیں جانا کہ کیا ہوا

۱۷۸۔ صفدری حیدر آبادی۔ از قدماست و این معنی از شعر شیدا

بہنہ جامہ بریں پی کے رنگ پینا دیکھیو

شمع کا قوری پہ یہ فانوس پینا دیکھیو

۱۷۹۔ صادق دہلوی۔ میر جعفر خاں۔ بنیرہ حقائق آگاہ میر سید محمد قادی

کہ مزار ایشاں برنالہ بیرم دی از محلات شاہ جہاں آباد

واقع ست۔ صادق مذکور بآئین جد خود در صلاح تقویٰ

آراستہ بود بہارستان جعفری، تصنیف کردہ است

و بعد فوت بہ مقبرہ جد خود مدفون گشتہ۔ از دست (۳ شعر)

۱۸۰۔ صہبہ فیض آبادی۔ میر محمد علی بیشتر مرثیہ می گوید۔ این مطلع

از دست۔ ۳ شعر

۱۸۱۔ صانع بگرامی۔ نظام الدین احمد۔

لطف نے زرا سے مطلب کو کس قدر طویل بنا دیا ہی پھر

علی ابراہیم کا پورا خیال ظاہر نہ کیا۔ اور نہ خود اپنی طرف سے

کوئی اضافہ کیا ہے۔

از دوستانِ این خاکسار و مجتبانِ مرزا محمد رفیع سودا
اشعار فارسی مدون دارد و ریختہ کمتر می گوید از خواندن
اشعار خوب بسیار متاثر می شود۔ بعالمِ اخلاص مشتقی و
ذہنش بفہم اشعار رساست۔

الحال بہ سالِ بیست و دوم شاہ عالم بادشاہ در مرشد آباد
و کلکتہ بسر می برد۔ از دست۔

(دو نوں نسخوں میں یہی عبارت ہے اور دونوں شعر نہیں دئے گئے ہیں)

صانعِ تخلص۔ نظام الدین احمد نام۔ ساکن بگرام۔ علی ابراہیم خان مرحوم نے لکھا ہے کہ
مجتبان قدیم سے میرزا محمد رفیع سودا کے اور دوستانِ صمیم۔ سے اس خاکسار کے تھے۔ بڑے
صاحبِ درد و تاثیر اور طبیعت کی گدازی میں بے نظیر۔ اچھا شعر جب کسی سے سنتے تو گھر کو
روٹے اور بے چین رہتے۔ عالمِ اخلاص اور دوستی میں زمانہ کے افتخار استقامتِ طبع اور
رسائیِ ذہن میں مستغنی روزگار تھے۔ سنہ ہائیسویں تک سلوس شاہ عالم بادشاہ غازی کے ہمیشہ
مرشد آباد اور کلکتہ میں ایامِ زندگی کے بسر کرتے تھے۔ آخر سلسلہ ہجری میں ملک و جود سے
رخت سفر کا بازہ کے راہی کشورِ عدم کے ہوئے۔ فارسی دیوان مترتب ہے ان کا۔ اور ریختہ کا
شوق کمتر تھا۔ یہ اشعار اس نکو کردار کے ہیں۔

سجن کی اس محبت پر دیا تھا جانِ دل صانع نہ تھا معلوم ہو جاوے گا وہ نامہ رباں اپنا
جلے بھنے ترے جس وقت آہ کرتے ہیں تو دودِ دل سے جہاں کو سیاہ کرتے ہیں
قسم ہے تیری ہی گمانے میں یا ترے سنگِ گاہ جگر تک نہیں دل کے تباہ کرتے ہیں

وہی ہوئے ہیں تب تاب جاں سستی آگاہ
جو کوئی دل سے گزر گاہ گاہ کرتے ہیں
خدا بچا دے غم و درد بحر عشق میں آہ
ڈبا کے زور قی دل کو تباہ کرتے ہیں
نہ کہہ گن سے ہوئی بے ستوں میں صانع راہ
بڑے وہ مرد ہیں جو دل میں راہ کرتے ہیں

ہو بے شوق مہن کو دھڑی ہونٹوں جانے کا
نہ جانوں کیا سبب یا قوت کے نیلے بنانے کا
یہیں شاخ گل پر بیٹھ کر کیا شور کرتی ہے
صبا کا آج وعدہ ہے مگر کیاں کھلانے کا

حرف الضاد

۱۸۲- ضمیر دہلوی ملقب بہ سید ہدایت علی خاں و مخاطب بہ نصیر الدولہ
بخشی الملک اسد جنگ بہادر۔ از دہلی بہ عظیم آباد آمدہ سکنی
اختیار کرو۔ بصفات شجاعت و سخاوت معروف۔ و از خوشیاں
نواب شجاع الملک محمد علی وردی خاں مہابت جنگ بود چند
بہ تصویر اسی عظیم آباد بہ نیک نامی گزرایندہ۔ آخر بنا بر فقر
کہ تفصیل آں تطویل می خواہد در دہلی و اطراف آں بھلول
بعضے خدمات بادشاہی بکام و ناکام بسر بردہ۔ اوایل سلطنت
شاہ عالم بادشاہ باز بہ عظیم آباد آمدہ اصل اقامت انداخت
و در حین آباد بر حمت الہی پیوست۔ گاہے بموزونی طبع

شعر ریختہ و فارسی می گفت ۳ شعر

۱۸۳۔ ضیا میر ضیاء الدین ایک بات کا بھی اضافہ نہیں۔ ۱۸۳

ضیا تخلص 'میر ضیاء الدین' نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، میرزا محمد رفیع سودا کے ہم عصر تھے۔ نظم ریختہ میں مالک تھے طبع بلند کے اور صاحب تھے ذہن ارجند کے۔ دلی سے جب کہ لکھنؤ میں آئے تو طور سکونت کا وہیں ٹھہرائے۔ ایک مدت اوقات اسی شہر میں بسر کی اور داد شعر و شاعری کی دی۔ اکثر سخنوروں کو اس دیار کے نسبت شاگردی کی اس شاعر شیریں کام کے ساتھ ہے، اقسام نظم میں ان سے بیشتر ہوئی فکر غزلیات ہے۔ قصیدے سے تو ان کو کچھ انکار سار ہا ہے، اور مثنوی کا خیال بھی کم تر کیا ہے۔ آخر عمر بلدہ عظیم آباد میں استقامت اختیار کی تھی اور طبیعت اکثر ساتھ غزلت و گوشہ نشینی کے بار کی تھی۔ آئینہ پرست اور دردمند رنج و راحت میں ہمیشہ خورسند تھے۔ از بسکہ مدار دیتائے فانی کا فنا پر ہے راہ گزرا جادہ بقا کے ہوئے۔ مالک دیوان رنگین و متین کے ہیں۔ یہ شعر اس شاعر کی د ذہن کے ہیں:

آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کلا سنے لگا	باؤ بھی کھانی نہ مٹی دل نے کہ مر جانے لگا
اُس کے کوچے میں ضیا پھر آج تو جانے لگا	کل کی رسوائی تجھے کیا لیں مٹی نے ننگ خلق
جو کوئی مرنے ہے اُس کے حلق میں پانی چلتے ہیں	پلا دے آبِ خیر ہم کو ظالم تشنہ جانے ہیں
کہ سیلیں دتی پھرتی ہیں گولے خاک ڈالتے ہیں	ہے ماتم کس دانے کا ابھی آج صحرائیں
کہ آج آنسو تری آنکھوں سے کچھ لوہے آتے ہیں	ضیا کہ کہ ہاتھ سینے پر خرد دل کی بھی نے ظالم
صحرائیں تو نے مجھوں وحشی ضیا کو دیکھا	گر بایں دُخاک اڑتا جوں ابرو جوں گولا
یہ جام بھر رہا ہے مبادا پھٹک پڑے	لے آہ نکل نہ کہیں دل تھک پڑے
اک آہ اُس نے پھینچی اور آنسو ڈھلک پڑے	تیرے ضیا کا حال میں پوچھا تھا سمع سے

۱۸۴- ضاحک - دہلوی میر غلام حسین والد میر حسن تذکرہ نویس - در
 ہدائی و بزلہ گوئی اقتدار و در فہم موسیقی مناسبتے دارد
 احوال کہ سال ہزار و صد و نو دوشش ہجری باشد شنیدہ شد
 در فیض آباد بوارستگی می گزرازد - ازوست :-
 کیا دیجے اصلاح خدائی کو دیکھیں کافی تمنا ترا حسن اگر ماہ نہ ہوتا

حرف الطاء

۱۸۵- طیش - دہلوی - از شاگردان خواجہ میر درد و نسلکان سرکار
 مرشد زادہ آفاق جہا زار شاہ صاحب عالم ست - ہر گاہ
 کہ مرشد زادہ آفاق رونق افزائے بنارس ہو و نہ بارانم
 آثم در سالہ ہجریہ مکرمہ ملاقات کردہ - جوانے خوش ظاہر
 بہ صفت خاکساری و اخلاق آراستہ است - ازوست ، شعر
 ۱۸۶- طالع - شمس الدین - گویند جوان زیبایے از اضلاع لکھنؤ بودہ ازوست
 ز بن معمور ہے سینا مرا الفت کے داغوں سے
 تنگاف سینہ اپنے کون در گلزار کہتے ہیں
 ۱۸۷- طرز - گردہاری لال - قوم کا تھے - متوطن امر وہہ از شاگردان
 میان محمد قائم قائم تخلص است - ازوست - شعر

حرف الظا

۱۸۸- ظاہر - خواجہ محمد خاں - از تربیت یافتگان مرزا منظر جان جابان بود

در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ انتقال نمود - از دست

پہر زینجانہ نیند بھر سولی جیسے یوسف کو خواب میں دیکھا

۱۸۹- ظہور - دہلوی - لالہ شیونگہ - در عہد احمد شاہ بن محمد شاہ

فردوس آرام گاہ بود - از دست ۲ شعر

حرف العين

۱۹۰- غزلت - سورتی سید عبدالولی -

لطف نے کوئی اضافہ نہیں کیا - اگر کیا بھی ہے تو من گھڑت

جس سے علی ابراہیم کے اصل خیالات سے کوئی تعلق نہیں

حب نیل کا ترجمہ لطف کے یہاں ملاحظہ ہو :

و با وصف فضیلت اطوار و اقوالش خالی

از سبکی و ہزالی نبود - در زمان دولت نواب

محمد علی دروی خاں مہابت جنگ مغفور وارد

مرشد آباد و مورد مہربانی نواب مذکور گردید

وبعد انتقال نواب بدکن رفت۔ اشعار شش مدون
به نظر این خاکسار در آمد

(دونوں نسخوں میں یہی ہے کوئی اختلاف نہیں) ۲۶ شعر

عزت تخلص، سید عبدالولی نام خلف شاہ سعد اللہ سورتی کے۔ وہ شاہ سید اللہ کہ
سرد فرقا ضلالت اور سہ طوطہ صاحب لائ تھے اور بادشاہ عالمگیر کے تین اس مہم خلافت سے
اعتقاد صادق تھا۔ اصل وطن شاہ صاحب مذکور کا کوئی قصبہ ہے قصبہ لکھنؤ سے۔ لیکن
از بسکہ استقامت سورت میں اختیار کی تھی سورتی مشہور ہوئے۔ غرض جب عزت مذکور
اپنے والد کی وفات کے بعد دلی میں گئے، تو شاہ جہان آباد کے سخنوروں کی ہم صحبتی سے
فکر میں رنجیت کے پڑے۔ تلاش پر نظم کی دل دیا، اور جو صلہ شعر و شاعری کا حاصل کیا علی ابراہیم
خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ”با وصف تکنت و فضیلت کے اوصاف و اطوار اس غزنیہ کے خالی
سبکی اور بے مغزی سے نہ تھے۔ نواب علی وردی خاں مہابت جنگ مغفور کے عہد دولت میں
وارد مرشد آباد کے ہوئے اور مورد عنایت و امداد کے ہوئے۔ حرکات ان سے خلافت
ان کے منصب کے عمل میں آتے تھے اور آنکھوں میں ارباب تمیز کی کیفیت کو اعتبار کی
گھٹاتے تھے۔ نواب مرحوم الصدر کی وفات کے بعد سرزمین دکن نور جہاں سے اپنے
منور کی اور بقایا بے عمر اسی مملکت میں بسر کی“ دیوان ان کا دلت سے پا چکا
انتظام ہے، یہ ان کا منتخب کلام ہے۔

فقیروں سے نہ ہونیزنگ لالہ نص ہولی میں
بہار آئی چین میں گل ہے بلبل کی صیفوں کا
جست توڑا مردوں ناز سکھانے کے کام آتا
جلایا مصحف دل تو نے کیوں برقی تغافل سے

ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگواں ہے
جدا ہے ہر گلی میں شور زنجیر کیسوں کا
یہ آئینہ تھا، اُس خودی کے اترنے کے کام آتا
جو سچ بلوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

بتوں کا جور دیوانہ دوا کر مانتا ہیں گا
 کہ تھروں کو وہ صندل دے دوسرے جانتا ہیں گا
 بگوئے بن کے راہ بے ستون میں کوہ کنار لگے
 سم گلگوں کی ماٹی ہاتھ دل چھانٹتا ہیں گا
 سیر روزی میں میری قدر کو اجا کیا جائیں
 اندھیری رات میں کس کو کوئی پہچانتا ہیں گا

مجھے چاہیے کہ تھرا رہے جب دشنام سیکس گا
 غلیل ابرو کے غرمت کس منہ سے تانتا ہیں گا

ہوا ہے داغ اُس کا مغز مار کر آتش گل سے
 چمن نر ادوں میں اک مرزا نش لالہ ہوا پیدا
 جدھر نکلے وہ ہولی باز بانگا
 گلابی ہے غبارِ راہ وہاں کا

نخلِ امید بے وفا یوں سے
 دل سلامت رہے تو پھیل پانا
 اول ہیں عشق اپنے سے پہر ہوش کیا
 یاد اپنی دی پھر ہم کو فراموش کیا
 ہم نے بھی جس دار لے یا سفری
 دل کو نالاں لبوں کو خاموش کیا
 ہماری گرد سے دھن چھٹک گیا دل دار
 کمال سا پڑا جلتا ہے اب تلک یہ غبار
 یاروں کی خاطر کی کیا دل مارجے
 ہیں پر غبارِ سب ل کیا خاک جا خبرے
 جوں شب کہ صبح ہو جائے تب آفتاب آوے
 ہم جل کے ہو گئے رکھ جب لکڑہ آخریے
 ہم ہیں مفلس بایر کی قیمت گراں کیا کیجے
 ہم زمین اور اُس کا رتبہ آسمان کیا کیجے
 بچا دل زلف کے عقب سے تو کیا
 کہ چوٹی ناگنی پیچھے پڑی ہے

ترمی زلف کی شب کا بیدار میں ہوں
 تجھ آنکھوں کے ساغر کا میخوار میں ہوں
 کہہ بھرتا بھرتا ہے لے کر یہ غم
 کہ آنکھوں سے تیرا خریدار میں ہوں
 پیر ہوا شیخ ہو ہے دیکھو طفلان کا میرید
 مردہ بولا ہے کفن بچاڑ قیامت آئی
 دل میں رہندوں کے پھوپھو لا ہوا عمامہ شیخ
 یارب اس بزم سے یہ زیر کا ٹکڑا جاوے
 کھلا کے دل سے پالاسو ہے مرا والی
 شام اُس زلف میں پھرتے یہ سخن کتنا تھا
 جناب پاک جنوں مذطلہ العالی
 بات کہتے ہی شب وصل چلی جاتی ہے

شکستہ گر ہوا دل اب نظر نہ کر مجھ پر یہ ٹوٹے آئینے میں منہ تری بلا دیکھے

۱۹۱- عارف - اکبر آبادی - محمد عارف - شاگرد مضمون است

قریب دہلی دروازہ شاہجہاں آباد دوکان فوگری

داشت - از دست :

دختر رزگو کہہ کہ اُس سے ملے ورنہ عارف افیم کھاوے گا

۱۹۲- عشق - دہلوی - شاہ رکن الدین -

صرف اس جملہ کا اضا ہے جس کا مطلب واضح نہیں معلوم
لطف نے کہاں سے حاصل کیا -

”جہاں بیاں ہوتی ہے شاہ فرہاد کی لخت

سکر ہستی ہے تو کہتے ہیں کہ اس عالم میں تعظیم

بادشاہ کی نہیں ہے“

(دیکھو لطف ص ۱۲ ۳۵ شعر)

عشق تخلص شاہ رکن الدین نام - شاہ گھسیٹا کر کے مشہور تھے - شاہ جہاں آبادی

نولے شاہ فرہاد کے عمدہ مشائخوں میں سے دلی کے - جہاں بیان ہوتی - شاہ

فرہاد کی حالت سکر ہستی ہی تو کہتے ہیں کہ اس عالم میں تعظیم بادشاہ کی نہیں کی ہے

عشق مذکور ایام شباب میں شاہ جہاں آباد سے مرشد آباد میں آئے اور خواجہ

محمدی خاں مرحوم کے ساتھ لباس دنیا داری میں ایک مدت ایام حیات بغزت تمام

بسر لائے - اگرچہ نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے، لیکن آنکھوں میں اہر ایان

مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے - بعد ایک عرصہ کے اپنے بزرگوں کے

طور پر مزاج فقر و درویشی کی طرف آیا اور تکیہ فضل انیز دی پر کر کے طور استقامت کا عظیم آباد
میں ٹھہرایا۔ پھر تو نہایت زور و شور کے ساتھ مشیخت پناہی کی اور معتقدوں کے ہجوم سے
عالم درویشی میں بادشاہی کی طالبان راہ عشق کو ہدایت مطلب سے خالی نہیں چھوڑا۔ بقول
علی ابراہیم خاں مرحوم ۱۱۹۵ھ گیارہ سو چالیس ہجری تک داد حال و قال کی دی آخر
بلدہ عظیم آباد میں مرشد حقیقی قضا کے ارشاد دعوت پر لبیک اجابت با واز بلندہ کسی دیوان
اس مشیخت دستگاہ کا زبان رنجتہ میں مترتب ہے، یہ اس کا منتخب ہے :

کہنے کو ادھر آدھر گئے ہم	تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
منا جاں نہ ہوئی عدول حکمی	تو نے کہا مر، تو مر گئے ہم
بات کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں	عشق رخصت ہے تو شوخ شراب برپا کروں
نے دورِ دل ہی باقی نے آہ فنی فغان ہے	لے سوز عشق پیچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے
دیکھنے بن اس کے یانے چین یہ رہتا نہیں	اس دل کا فرسے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم
جوں آفتاب تاباں گو نام کو یہاں ہوں	یہ پر تو اسے تیرا ملک دیکھ میں کہاں ہوں
گو نام اور نشاں ہی ظاہر میں میرا یارو	جو دیکھو فی الحقیقت ہوں ہم یا لگاں ہوں
بایتیں نہ سن تو میری جل جلے گا دیوانے	میں برق آساں ہوں یا عشق کی زباں ہوں
عرش تا فرش سیر کر دیکھا	تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
چشم تحقیق سے جہاں ڈھونڈھا	کافر ہوں تجھ سوا اگر دیکھا
تیر کے نام پر تڑپتا ہوں	اس طرح کا کہیں جگہ دیکھا
آبلہ آبلہ ہوئے سب عضو	نخل الفت میں یہ شمر دیکھا
سحر میں سامری کے کیا قدرت	تیری نظروں میں جو اثر دیکھا
اپنے ہم چشم سے لگا کہنے	نالہ و آہ گھر بہ گھر دیکھا
ہلک اک انصاف سے اگر دیکھو	عشق سا کوئی چشم تر دیکھا

ویدہ دل جو کر کے وا دیکھا حرم و دیر میں حسرا دیکھا
ہنس کے کہنے لگا لامت کر عشق میں تو نے کیا مزا دیکھا
اس کی لذت کو دل سمجھتا ہے اُس کو میں کیا کموں کہ کیا دیکھا

دشت تجھ کو قسم ہے مجنوں کی
عشق سا کوئی برہنہ پا دیکھا

از عدم تا وجود آ دیکھا جان دیکھا سو بے وفا دیکھا
اپنی آنکھوں سے دیکھ لے خوشی مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا
تجھ سے کوئی آشنا نہ ہو یا ہو پر تجھے سب آشنا دیکھا
اُس کے دہن تک نہ پہنچے ہم خاک میں آپ کو ملا دیکھا
ظالم اپنی جفا میں کہہ تو بھو لب مرا شکوہ میں بہا دیکھا

کہہ دو غم سے جدا نہ دیکھا میں
عشق کو جا کے بارہا دیکھا

میں کافر ہوں اگر منظور ہوئے لطف مرہم کا کہ یہ دارِ جگر ہے یا دگار اُس یا رہم کا
تو یہ وعدہ فردا تو دل کو روزِ فردا ہے کہاں فرصت ہوئے ناداں بھروسہ کہاں دم کا
زلزلے میں مے کچھ تجھ کو ہر گاہ فائدہ کہ تو مگر اتنا کہ گھبراہٹا ڈبویا اور مردم کا
کفایت ہی بروزِ حشر تجھ کو شفقتِ حیدر کہ جس کے نام سے زہرا ہوا پانی جہنم کا
چاکِ دل تابہ گرِ بیاں نہ ہوا تھا سو ہوا سخت دل زینتِ داماں نہ ہوا تھا سو ہوا
بے وفا تر ی دل دیکھ کے لے وعدہ خلا عشق بازی میں لیشیاں نہ ہوا تھا سو ہوا

۱۹۳- عمدہ کشمیری سیتا رام - معاصر سراج الدین علی خاں آرزو دہ

اشعار بسیار ازوے بہ نظر آمد اما ہمیں دو بیت

اکتفا نمود۔ از دوست :

کسو کے سینے میں ہرگز مرا سا داغ نہ تھا
مرے چراغ سا روشن کوئی چراغ نہ تھا
چمن میں کھینچ کے لائے ہیں گلر خاں جھکو
وگرنہ سیرِ چمن کا مجھے داغ نہ تھا

۱۹۴۔ عاصی۔ نور محمد از برہان پور دکن بود۔ از دوست :

آتا تھا تیرے موند کے مقابل ہو آفتاب
ایسا گرا کہ تیغ کہیں اور سپر کہیں
۱۹۵۔ عاجز۔ اکبر آبادی۔ عارف علی خاں۔ گو بند اشعارش بدست
اما بہ نظر حقیر نیادہ از دوست :

تری سمن کو لے گل و ہمارے اشکِ خمیں سے
پلکے ہاتھ میں یا قوت کے دانوں کا مالا ہے
۱۹۶۔ عمر۔ دکنی معتبر خاں از منصب اران دکن و شاگردان
ولی دکنی بودہ از دوست :

تل میں دل لے کے یوں کرتے ہو کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں
۱۹۷۔ عیش۔ مرزا محمد عسکری۔ کوئی اضافہ نہیں۔ (۲ سطر۔ ۶ شعر)
عیش غلص، میرزا عسکری نام، بیٹے مرزا علی نقی کے۔ وہ مرزا علی نقی

جن کو نواب حسین قل خاں کی طرف سے امینی جہانگیری ایک مدت رہی اور زندگی انھوں نے اس خدمت میں نہایت تشفی و حکومت کے ساتھ بسر کی ہے۔ غرض میرزا عسکری مذکور جو ان مودب و باشعور اور تہذیب اخلاق سے معمور ہیں۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ”میرے آشنا ہیں، بہت ہی باشرم و باجیا ہیں۔ وطن تو ان کا شاہ جہان آباد ہے لیکن ایک مدت سے مرشد آباد میں آکر رہے تھے اور بعض خدمتوں کے ساتھ سرکار میں ناظم بنگالہ کے اوقات بسر کرتے تھے۔ دیوان ان کا مورد اشتہار ہے۔ یہ ان کا خلاصہ افکار ہے:

وہ اگر آوے سرِ بام کہیں میں بھی کر لوں اُسے سلام کہیں
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ دے ساقی ایک باری تو بھر کے جام کہیں
اس شب صبل کی سحر لے چرخ لیجومت مجھ سے انتقام کہیں
یہ غزل عیش ہے تصدیق سوز

مجھ سے ہوتی تھی انصرام کہیں

۱۹۸۔ غزلیہ۔ بھکاری داس۔ از ملائذہ خواجہ میر درد۔ موطن آبائش جون پور و مولدش دہلی ست۔ بشیر بہ بعض خدمت بادشاہی مامور بود۔ و الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و نود و شش ہجری ست احوال و پارہ اشعار خود را از الہ آباد بایں خاکسار فرستادہ۔ ایں چند ابیات از

غزلیہ است۔ (۳ شعر)

۱۹۹۔ عظیم۔ محمد عظیم از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا است شنیدہ دیوبہلی بصری برو۔

خواہی بیالہ خواہ سب کو کیجو کلال ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چکے
۲۰۰- عاشق - میر سنجی و مخاطب بہ عاشق علی خاں از مردم و کهن بود
از دست :

ہیں شہید کر بلا سب رخ پوش مصطفیٰ کی آل کا کیا رنگ ہے
۲۰۱- عاشق - علی اعظم خاں خلف خواجہ محمدی خاں از مریدان معارف
آگاہ شاہ گھسیٹا ست - بار اقم آشنا بود ترک لباس
دنیا کردہ چند سال ست کہ وفات یافت - از دست :
روز و شب یار سے تھلائیے چھین اس پر نہ ہو تو کیا کیجئے
۲۰۲- عاشق - میر برہان الدین شاگرد میر حسن ست در لباس فقیر
بحسن صورت و سیرت معروف و در علم نقوش ہمارے دار
از دست : (۲ شعر)

۲۰۳- عاشق - منشی عجائب رائے -
(دو نوں نگوں میں جگہ چھوڑ دی گئی ہے)

حرف الغین

۲۰۴- غالب دہلوی - مخاطب بہ سید الملک نواب اسد اللہ خاں ہادر
امام جنگ در زمان دولت نواب بہایت جنگ و ارد

مرشد آباد شدہ سکونت دران بلندہ اختیار فرمودہ۔ در قوت و
 مردت یگانہ دہر و در اخلاق و استقامت حال ممتاز عصر اند
 اگرچہ شاعری و دن مرتبہ کمال آن ستودہ خصال ست، ماگاہے
 بموزنی طبع بہ نظم شعر فارسی و ربیعہ رغبت می نماید۔ این کمال
 را بخدمت آن سید عالی تبار نیاز مندی ست :
 عجب کیا ہے اگر اگر گریں اب میری آنکھوں سے
 کہ روتا ہے دل پر شور آشبار پہلو میں
 ۲۰۵۔ غریب دہلوی میر تقی۔ از ملا زمان نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خاں
 مرحوم بود۔ از دست :

اتنی مت کسی کے پیش درد انتظار آوے
 ہمارا دیکھئے کیا حال ہو جب تک یار آوے

حرف الفا

۲۰۶۔ فقیر۔ دہلوی۔ میر شمس الدین۔ بہت اچھا اضافہ کیا ہے
 (۲ سطر، ۳ شعر)

فقیر تخلص، میر شمس الدین نام، متوطن شاہ جہان آباد کے۔ استادوں میں سے
 شعراء ہندوستان کے تھے۔ اہل ہند میں مجال کسی کی نہ ہوئی کہ سخن گسٹری میں مقام پر

فیضی کے اور خوش بیانی میں جگہ پران کے تیکہ کر سکے۔ دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں ہر روز زندگانی کا آنکھوں نے نہایت غربت اور استغنا کے ساتھ بسر کیا ہے اور اس عرصہ میں دکن کا بھی سفر کیا ہے۔ چنانچہ بیشتر دکن بطور سیاحت کے دیکھے، اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پھرے۔ اقسام نظم میں کوئی قسم نہیں رہی کہ ان کے خاتمہ سحر آفرین نے اُس میں جادو کاری نہیں کی اور ان اوزاع شعر میں کوئی نوع نہیں چھوٹی کہ ان کے کلک گہر سلکتے اُس میں دُرِ باری نہیں ہوئی۔ اکثر علوم میں کتابیں ان کی تصانیف سے ہیں۔ خصوصاً عرصہ و قوائیں میں کیا خوب رسالے تالیف کئے ہیں۔ مسئلہ گیارہ سو سترہ ہجری میں واسطے حج و زیارت کے تشریف لے گئے اور بعد حصول سعادت زیارت کے جب کہ پھرے تو کشتی حیات اُس آستانے بحر معنی کے گرد اب مہمات میں نہا ہی ہو کر ڈوبی۔ یعنی اس ناخدا نے جہاز سخیانی کے جہاز کو باد مخالف نے صدمہ طوفان دیا اور دریائے مسقط میں غرق بحر رحمت کیا۔ اگرچہ کناریختہ کا اُس اہل کمال کا دوں مرتبہ کمال تھا، لیکن اکثر واسطے تقفن طبیعت کے اس کا بھی اشتغال تھا۔ یہ گوہر آبدار اس بحر سخن سخی کے آئینہ گوش روزگار ہیں۔

درد مندوں سے نہ پوچھو کہ کدھر بیٹھ گئے
تیری مجلس میں غنیمت ہے جدھر بیٹھ گئے
ہے غرض دید سے یوں کام تکلف سے نہیں
خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ اُدھر بیٹھ گئے
دیکھا ہو دے کامے اشک طوفان تم نے
لاکھ دیوار گریں سیکڑوں گھر بیٹھ گئے
کس نظر ناز نے اُس باز کو بخشی پروانہ
سیکڑوں مرغ ہوا پھانڈ کے پر بیٹھ گئے
کم ہے آواز ترے کوچہ کے باشندوں کی
نالہ کرنے سے گلے اُن کے گھر بیٹھ گئے
مفت اُٹھنے کے نہیں یار کے کوچہ سے فقیر
جب کہ بستر کو جاکھوں کمر بیٹھ گئے

لے آج کل باندھ رہے ہیں ۱۲

آہ تو نے تو کئی بار بلایا ہے فلک زیادہ گستاخ نہ ہو عرش کو پہنچے گی دھمک
کل ہی کی شب کا ہے مذکور کہ جبریل آئے خوب معلوم نہیں آپ تھا یا اور ملک

۲۰۷۔ فعال۔ دہلوی۔ اشرف علی خاں۔ کوئی اضافہ نہیں علی ابراہیم نے

لکھا ہے ”بارا قلم آثم ربطے داشت“ (۷ سطر۔ ۵۰ اشعار)

جن میں دو مثنویاں تجویز بھی ہیں)

فصل تخلص اشرف علی خاں نام تھا۔ شاہ جہان آبادی خلف میرزا علی خاں نکتہ کے
آٹھ پیران کو خوش طبعی اور خوش اخلاطی سے کام تھا۔ کو کے تھے احمد شاہ بادشاہ کے اور
مرہی گری سے ظرافت کی ندیم تھے جہاں پناہ کے۔ چنانچہ ظریف الملک کو کے خاں بہادر حضور سے
بادشاہ کے خطاب پایا تھا اور مرتبہ کو شوخی کے ساتھ لطیفہ سنجی کے بہت دور پہنچا یا تھا۔ دلی سے
مرشد آباد میں اپنے چچا کے پاس کہ محمد ابرج خاں کر کے مشہور تھے، وارد ہوئے۔ لیکن نہ رہے
اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر شاہ جہان آباد چلے گئے۔ بعد کئی برس کے عظیم آباد میں آئے
اور طور بود و باش کے وہاں ٹھہرائے رفاقت میں جہاں راجہ شتاب رائے کے چند مدت اقامت
کاٹے، اور لطیفہ گوئی اور بذلت بھی ہیں دن رات کاٹے۔ اتفاقاً اصلاح سخن ان کو شیخ
علی قلی ندیم تخلص سے ہوا ہے۔ نظم رخیۃ میں طبیعت ان کی رسا ہے۔ سلاطینہ گیارہ سو چھپائی
ہجری میں اس حباب کو دریائے فنا کے نراٹھٹھا سمجھ کر آشنا بھر کناری بقا کے ہوئے۔ بلدہ
عظیم آباد اس شیریں کلام کا مدفن ہے اور تلخی روزِ حسرت تک اب وہیں مسکن ہے۔ زبان رخیۃ
میں صاحب دیوان ہیں۔ غزلیں منتخب ان کے دیوان کی لکھی گئی یہاں ہیں:

شکوہ کرے ہو تو جو مرے اشکِ سرخ کا تیری کب آتیں مرے لوہو سے بھر گئی
ہستی کے نزلے نظر آتے جو عدم میں بزرگ کوئی اس خوابتِ بیدار نہ ہوتا
اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے پس چاہیے تسبیح میں زنا نہ ہوتا

مجھے تو عزیز دار اپنا کر گئے اپنے کہ جو شفیق تھے وہ دوست مر گئے اپنے
 جیٹ تو ترپے ہے تنج نفس میں مرغِ چین اسی ترپ میں تو یہ بال دیر گئے اپنے
 مرا مقام ہے اس سرزمین پر عاریشا ادھر کو جانا ہے آخر جدھر گئے اپنے
 کسے تو ڈھونڈھتا پھرتا ہے لے فعال تنہا
 کہ اس سرا کے مسافر تو گھر گئے اپنے

شبِ فراق نہ تنہا مجھے رلاتی ہے یہ صبح وصل بھی آنسو سے منہ دھلاتی ہے
 اگر میری زباں پر باہر دیگر انتظار آوے ابھی رونے پر ظالم دل مرا بے اختیار آوے
 دل زلف میں اُجھا مجھے آرام ہی ہے میں صیدِ بلا کش ہوں مرادام ہی ہے
 تار کی طرح کہیں زلفِ تباں سے ٹوٹے یا الہی دل بیمار بلا سے چھوٹے
 ضعیف ہوئی بیمار اس قرینہ سے اٹک کے آہ نکلتی ہے میرے سینہ سے
 عشاق تیری گرمی بازار کر گئے اس کو گر ان بہا یہ خریدار کر گئے
 اٹھ چکا دل مرا زمانے سے ار گیا مرغِ آشیانے سے
 دیکھ کر دل کو ڈر گئی مڑگاں تیر خالی پڑا نشانے سے
 ہم نے پایا تو یہ ستم پایا اس خدائی کے کارخانے سے
 غیر از دولی کے مانع دیدار کون ہے وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے
 بیمِ غضب رکھے ہے مجھے مغفرتِ دوڑ گر وہ کریم ہے تو گنہگار کون ہے
 جاگاہ کوئی خوابِ عدم سے کہ پوچھتے آسودگانِ خاک میں بیدار کون ہے
 میں مر گیا پہ آہ نہ پوچھا فغاں مجھے دردِ جگر کسے ہے یہ بیمار کون ہے

۲۰۸۔ فارغ۔ دہلوی۔ ہندوئیت از شاگردانِ میاں حاتم وار
 معقدان مولوی فخر الدین۔ جوہر اواز مطلعش پیدا

اشک آنکھوں سے جو نکلا سودہ گو نکلا بعد مدت کے میری چشم کا جو نہ نکلا
۲۰۹۔ فضل دکنی۔ شاہ فضل علی۔ معاصر شاہ نجم الدین آبرو بود۔

از دوست ۲ شعر

۲۱۰۔ فضلی دکنی۔ فضل الدین خاں۔ از قدیاست۔ در تعریف یکے
از شانہ زاد ہائے دکن مشنوی بہ محاورہ دکن گفتہ کینست

از انجاست :

۲۱۱۔ فرحت۔ شیخ فرحت اللہ۔ خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر مطالب کا
خون کیا ہے۔ علی ابراہیم نے کیس نہیں لکھا کہ فرحت
نہایت افلاس میں رہا اور انتقال کیا۔ صرف یہ جملہ ہے کہ :

”از دہلی بہ مرشد آباد افتادہ روزگارے

بسر بردہ۔ در بعض اعیان رعایت حاش

راقم آثم می نمود۔ تا آنکہ در ہماں بلدہ ۱۱۹۱ھ

از جہاں در گزشت“ (۱۱۰ شعر)

(مقابلہ کر و لطف کے الفاظ)

فرحت تخلص شیخ فرحت اللہ نام۔ بیٹا شیخ اسد اللہ کا۔ اولاد سے قاضی مظہر کے وہ قاضی
مظہر کہ جانشین مرزا شاہ بدیع الدین مار کے تھے۔ وطن بزرگوں کا ان کے ماوراء النہر ہے
لیکن فرحت مذکور نے دہلی میں پرورش پائی ہے اور عاشق مزاجی و دل بستگی ہی میں عمر گزائی ہے

ہمیشہ بند عشق میں مسلسل مویوں کے گرفتار اور سدا دردمشق سے بیگانہ غویوں کے یار
 شاعرِ کمنِ مشق و ہم صحبت شعرا و نامدارِ شاہ جہان آباد۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ
 ”یہ عزیز میرا اخلاص مند تھا اور حسرت کا مور دگر نہ تھا۔ جب کہ دہلی سے مرشد آباد میں آیا
 اور طور سکونت کا دہاں ٹھہرایا، جو مجھ سے ہوسکتا تھا خبر گیراں حال گاہ گاہ ہوتا تھا۔ غرض
 بہت تنگی معیشت کے ساتھ عزیز کا نباہ ہوتا تھا۔ آخر الامر ۱۱۹۱ھ گیارہ سو اکانوے ہجری میں
 اسی بلدے کے اندر انتقال کیا اور دارِ محن سے خلافت اپنے تخلص کے بہت معنوم گیا۔ زبانِ نختہ
 میں اُس نے بہت کچھ کہا ہے یہ منتخب اُس کے دیوان کا ہے :

گزرے اگر چین میں وہ گلفزار اپنا	دیں چھوڑے کلی سے گلِ شاخسار اپنا
تائیر آہ میں نے نالے میں ہے اثر کچھ	ہو وے وہ آہ یار بسا کس طرح یار اپنا
جاوے کہیں بھڑک مٹ آتش سے نکل کر	رکھ دو مجھ سے دامن لے کو ہسار اپنا
اُس شمع نے یہ پوچھا فرحت سے کل کہ تو نے	اس طرح کیوں گنویا صبر و قرار اپنا
آنکھوں میں مشک بھر کر بولا نہ پوچھ ظالم	ہرگز نہیں ہے دل پر کچھ ہتھیار اپنا

۲۱۲۔ فرخ، میر فرخ علی۔ از سادات اناوہ۔ بہ نجابت و سلامت طبع

اتصاف دارد۔ از دست :

چشم سے نور گیاتق سے تو اس جیسے صبر
 عشق میں تیرے ہوا مجھ سے جدا کیا کیا کچھ

۲۱۳۔ فراق، دکنی مرتضیٰ قلی خاں۔ ہندوستان نذا۔ در زمان محمد شاہ
 فردوس آرام گاہ از ملازمان توپ خانہ بود۔ بعد دولت
 نواب محمد علی خاں مہابت جنگ در مرشد آباد آمدہ تبویل

آں سرکار مترافی گردید و در اں بلکہ سکنے گزید و آخر کار
 بنا بر باقی زر سرکار بقید مہاراجہ شتاب رائے افتادہ
 انتقال نمود از دوستان مرزا محمد رفیع سودا و بار قسم
 آشنا بود۔ از دوست - ۳ شعر

۲۱۴۔ فراق دہلوی۔ میاں ثناء اللہ۔ از شاگردان خواجہ میر دردست
 از دوست :

دل دیوانہ معاشق کو تاصبح بچ راحت ہی
 جرات پر مری جو سنگ ہے سنگ جرات ہی
 ۲۱۵۔ فدا۔ دہلوی۔ سید امام الدین۔ شاگرد مقلی قلی خاں فراق تخلص مدغیب
 و آزادہ حال ست۔ و رحمہ نواب علی وردی خاں نہایت جنگ
 مرحوم از دہلی بہ بنگالہ وارد شدہ سکنے اختیار کرد۔ اشعار خود را
 در سنہ ۱۱۸۴ھ بر اقم نمودہ از اں جملہ ایں ابیات مرقوم ست۔ شعر
 ۲۱۶۔ فرحت۔ الہ آبادی۔ مرزا الف بیگ جدا و از ولایت آمدہ است
 ہندوستان اختیار نمود۔ شاگرد الیہ جو انے ست فہمیدہ
 بہ سپاہگری معاش می کند۔ الحال کہ ۱۱۹۶ھ ہجری ست
 اشعار خود را از الہ آباد در بنارس بر اقم حقیر فرستادہ۔ الحال
 در الہ آباد نظیر خود را ندارد۔ ایں اشعار زبدۂ افکار است۔ اشعار

۲۱۷- فدوی - دہلوی مرزا محمد علی - ذرا سے مطلب کو بری طرح

سے طول دیا ہے۔ ۵ سطر، ۴۰ شعر
یہ چھوڑ دیا ہے۔ ”بارا قم آشناست۔ اشعار منتخبہ خود را
بنابر اس کہ در تذکرہ اثبات یابد فرستادہ بود۔“

فدوی تخلص، میرزا محمد علی نام، معروف میرزا بھجو، متوطن تھے اُس اُجڑے نگر کے
جو کہ مشہور شاہ جہاں آباد کر کے۔ نظم ریختہ میں آستا ہے۔ تلاش معنی میں فکر رسار کھتے تھے
اور بیان حسن میں دل در آشنا۔ علم موسیقی ہندی میں مناسبت بہت درست اور تان کی
سستی اور حتی کے جاننے میں نہایت چالاک و چست۔ چند روز انھوں نے اوقات شریذ
میں بسر کی ہے۔ لیکن اس سیر و تماشے کے ساتھ جو کہ وضع اہل نظر کی ہے۔ آخر شہر عظیم آباد
میں سکونت کا اتفاق ہوا۔ تو وضع و شریف اس شہر کا ان کا مشتاق ہوا۔ فدویت میں
معارف آگاہ شاہ کھسیٹا کے حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت سے اُس عرفان پناہ کے
کسب علوم ظاہری اور باطنی کا کرتے تھے۔ چنانچہ اُسی شہر میں اس کہن رباط مسافر کش
ہستی سے دل اٹھایا اور ایوان ہمان دوست عدم میں اسباب سکونت کا بھجوا یا۔ نہ بان ریختہ
میں شاعر شیریں بیاں ہے، یہ اُس کا منتخب دیوان ہے :

گر خاک پہ میری کبھی لے یا ر گزرنا مت بھول کے ہر گز مرغِ اغیار گزرنا
ایسا نہ ہو رندوں کی گز کہ ہو کہیں مندیل مینا نہ سے لے شیخ خبر دار گزرنا
ضد دیکھو خواباں کی کہ اک آن کی خاطر مرجائے جو عاشق تو نہ زنا ر گزرنا
اُس بوئے تصدق ہیں کہ اُس گل کی گلی سے ہے باد صبا کے تیس سو بار گزرنا

کل یار کے کوچہ کی طرف گزرے گا فدوی
مت آج سے تو اُس طرف اغیار گزرنا

ہم کو تو جہاں سے نہیں لے یا رگزرنا پر تو بھی جہاں سے نہ ستمگار گزرنا
 تجھ کو انہیں آنکھوں کی قسم تیرنگہ ہے ملک کو بچا سینے کے تو پار گزرنا
 جب یار کے آگے سے چلے قافلہ دل کا لے اٹھا تو ہوتا قافلہ سالار گزرنا
 گر نیک و چاٹم نہیں جاتے تو نہ جاؤ ہے مجھ کو تو اس کو چہ سے لاچار گزرنا
 شاید نظر آجائے کبھو در پہ تو سوبّا
 فدوی کے تیس ہو پس دیوار گزرنا
 وہ کافر ہماری شب تار ہے جسے دیکھنا ہر کار ہے

۲۱۸۔ فدوی۔ لاہوری۔ مرے بود بر خود غلط، برائے مباحثہ
 از مرزا محمد رفیع سودا، فرخ آباد آمدہ و ذلت کشیدہ
 بوطن خود برگشت۔ یوسف زلیخا بزبان رنجتہ گفتہ و
 میر فتح علی تیدا۔ در بجز او قصہ بوم و بقال ضبط نمود۔
 از دست۔ ۲ شمع

۲۱۹۔ فخر۔ میر فتح الدین خلف اشرف علی خاں تذکرہ نویس۔ از
 شاگردان مرزا محمد رفیع سودا است۔ الحال کہ
 سال ہزار و صد و نود و شش ہجری است و رکھنوبسر
 می برد از دست :

بات کیجئے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑئیے
 ملک خدا سے ڈر کے ان صفوں کو اپنی چھوڑئیے

۲۲۰- فروغ - میر علی اکبر از تلامذہ میر شمس الدین فقیرست - بفارسی ہم

شعری گوید و در طبابت و نجوم نیز دخیل دارد و از دست شعر

۲۲۱- فیض - دہلوی میر فیض علی - فرزند و شاگرد میر تقی میر است -

بہ سال یک ہزار و یک صد و نو و شش ہجری اشعارش
در بلدہ بنارس از لکھنؤ طلبیدہ تحریر شد - ۸ شعر -

۲۲۲- فریاد - لالہ صاحب رائے ولد لالہ سندھیل - قوم کا پتہ ساکن

لکھنؤ از شاگردان میر سوزست - بیشتر قربان تخلص

می نمود و الحال تخلص بہ فریادست و در سال ۱۱۹۶ ہجری

ابیات ادا از لکھنؤ طلبیدہ اثبات یافت - ۴ شعر

حرف القاف

۲۲۳- قائم - شیخ محمد قائم - قائم کے کلام کی نسبت اپنی رائے کا

اور سنہ وفات وغیرہ کا بھی اضافہ کیا ہے (۶ سطر شعر)

قائم تخلص شیخ محمد قائم نام متوطن چاند پور ندیم کے - نظم ریختہ میں استاد

مسلم الثبوت تھے - ساتھ طبع بلند اور ذہین رسالے موصوفت، معقون تراشی اور معنی بندی
میں معروف کہتے ہیں کہ ابتدائے مشق میں مشورہ سخن کا انھوں نے خواجہ میر درد و تخلص

سے کیا ہے اور آخر سخن سنجی میں اتفاق اصلاح کا ان کو میرزا محمد رفیع سودا سے ہوا کہ

سچ تو یہ ہے کہ بعد سودا اور میر کے کسی ریختہ گو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے - قائم قائم کہ

تو طور گویائی کا اس سخن آفریں کے نہایت مرغوب ہے۔ طوطی کو اتر تلخ گفتاری کا سامنے اس شیریں مقال کے، اور خامہ مانی کو اظہار فرسودہ زبان کا روبرو اس نازک خیال کے صفائے بندش سے اس کی آمینہ کو طلب صفائی دام اور خجالت سے اس کلام رنگین کے گل کو شکستہ رنگی سے کام۔ آبداری اس نظم صفا پرور کی رشک افزا آب گوہر کی، اور موجزنی اس طبع معنی خیز کی حسانیکیز چشمہ کو شرکی۔ افسوس ہے ایسے شخص کا اس جہان فانی سے اٹھ جانا اور داغِ حسرت سے دلوں کو آریاب فہم کے جلا نا۔ اس عندلیب شاخسارِ سحر بانی نے شاید ۱۲۱۰ء بارہ سودس ہجری میں، اودھ ہی نواح وطن میں اپنے، اس دار فانی سے سیر عالم باقی کی کی۔ اور عجب طرح کی ایذا جان اہل معنی کے دی۔ اگرچہ اقسام نظم میں کوئی قسم اس شیریں کلام سے نہیں رہی ہے، لیکن رغبتِ طبیعت کے ساتھ غزل اور مثنوی بیشتر کسی ہے۔ دیوان ان کا بھرا ہوا اشعار آبِ ار سے ہے، یہ ان کے منتخب انکار سے ہے:

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک حجاب کا	اٹھ جائے گریہ بیچ سو پرہ حجاب کا
دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا	آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نام	کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہیو تو فاصد کہ ہے پیغامِ اسی کا	پرہ کہیو لینا نہ کہیں نام کسی کا
خود ہاں کی طرف رکھنے کا منہ نہیں قائم	ملنے ہیں کہیں نام ہے بدنام کسی کا
بنی بھروسے ڈرا چاہئے کہ کہتے ہیں	کرے ہے کاٹ سر دہی سے بیشتر اونا
جب تک کہ ہے تو ہم ہیں ترے ساتھ ہمیشہ	جوں موج کہ نت لائزہ ہے آبِ رواں کا
عمدہ سے اس صنم کے برآیا نہ جائے گا	یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
کعبہ اگر جو لوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ	کچھ قصہ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
ہم نے ہر طرح ترے ہجر میں دل شاد کیا	ہچکی گرا آئے متوجھے کہ ہیں یاد کیا

کہاں ہے شیشہ سے مختب خدا سے ڈر
 مری بغل میں جھلکتا ہے آبدل کا
 دل پا کے اُس کی زلف میں آرام رہ گیا
 درویش جس جگہ کہ ہوئی عیشام رہ گیا
 میں اس چمن سے اور یہ مجھ سے چمن گیا
 لے دل میں اپنے حسرت سرو چمن گیا
 شیریں تو ساتھ خسرو کے کر ذوق سے معاش
 پتھر تھا تیری چھاتی پہ سو کوہن گیا
 ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
 روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی میں اور آپ ہی گیا
 روؤں گا زیر سایہ دیوار بیٹھ کر
 جس دن تری گلی میں کوئی داؤ بن گیا
 زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
 ہم سحر تک تھے بیچ و تاب میں رات
 خوب نکلے ہم اُس کے کوچہ سے
 در نہ آئے تھے اُنک عذاب میں رات
 لیک خالی سی کچھ لگے ہے بغل
 دل گرا شاید اضطراب میں رات
 بھلائے ابرِ مژگاں اب تو بس کر
 ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
 بے شغل نہ زندگی بسر کر
 گرا شک نہیں تو آہ سر کر
 کچھ طرہ مرض ہے زندگی بھی
 اس سے جو کوئی جیا سویر کر
 کیوں کیا مجھ کو تو صیاد گرفتارِ نفس
 میں نہ شاکستہ بس نہ نرا دارِ نفس
 جب موج پر اپنی آگئی چشم
 دریا دریا بہا گئی چشم
 اب کے جو یہاں سے جائیں گے ہم
 پھر تجھ کو نہ منہ دکھائیں گے ہم
 ہاں کیوں نہ لیں گے تجھ سے ظالم
 جب گالیاں نت کی کھائیں گے ہم
 اس عہد سے کہ آئیں گے ہم
 آزرده ہو غیر سے لڑو یہاں
 ایک دُور سے دیکھ جائیں گے ہم
 ایسا ہی جو دن نہ رہ سکے گا
 جوں چاہیے چاہ کا سرشتہ
 نہ دل میں آب نہ ہم رہا ہے آنکھوں میں
 قاتم ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
 جوں چاہیے چاہ کا سرشتہ
 میں مرچکا ہوں پتیرے ہی دیکھنے کے لئے
 کبھی روئے تھے سوخو جن رہا ہی آنکھوں میں
 جاب وار زرا دم رہا ہے آنکھوں میں

میں گما عہد کیا کیا تھا رات — نہیں کے کہنے لگا کہ یاد نہیں
 نگاہوں سے نگاہیں سامنے تھیں ہی جب لڑیاں — کیا ایک کھل گئیں دونوں طرف دل کی پھر کیا
 جب اسے غیر سے ہونین کھلانے کا شوق — ہر دم کے واسطے بھیجے ہے صفحاں مجھ کو
 راہ کے بیچ جو رکھتا ہوں اسے گھیر کبھو — نہیں کے کہتا ہے کہ اب چھوڑ مجھے پھر کبھو
 اتنی لے دیدہ دل مجھ پہ نہ بیدار کرو — دیکھیں کیا ہو دے خدا کو تو ملک اک یاد کرو
 کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھ کو — نہٹ بٹنگ کیا تو نے لے میاں مجھ کو
 تو اپنے واسطے لے باغیاں نہ کاوش کر — نہٹ ہے سایہ دیوار گلستاں مجھ کو
 جو کہ چٹلیں تھیں ہوئے گئیں وہ پار کے ساتھ — سر ٹکنا ہی پڑا اب درد دیوار کے ساتھ
 ایک ہم خار تھے آنکھوں میں سہمی کے سوچے — بلبلو خوش رہو تم اب گل دگلزار کے ساتھ
 میں ہوں دیوانہ سدا کا نہ مجھے قید کرو — جی نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
 تھی شہر طبع مجھے اس سے تو اک رات بسے کی — کیا ہے کہ دل اس زلف سے ہرگز نہ بھڑایا
 تیغ چڑھ اس کی سان پر آئی — دیکھیں کس کس کی جان پر آئی
 دہن کو تیرے پایا بات کہتے — ہار می جزری میں گیا سخن ہے
 دل ڈھونڈتا سینہ میں مے بول بھیجی ہے — یاں را کھ کا اک ڈھیر اور اک آگ دی ہے
 میں جاتا ہوں کعبہ سے اب دیر کو — بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے
 مردن دشوار میں یہ حال بے تقصیر ہے — حسرت دل سو طرف سے اس کی دہلیز ہے
 قتل کرنے سے مرے تو بھی ہوا کچھ مفعول — غرق آب شرم میں اب تک دم تیشہ ہے
 مر جائے کسی سے پ آفت نہ ہو کبھی — جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے
 مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے — جو گزرے ہو مجھ پر خدا جانتا ہے
 یاس میں تجھ کے میں اپنی ہی غم خواری کی — دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنگاری نہ کی
 دم بدم اس رنجش بجا کو کیا کہتے ہیں تسخ — دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنگاری نہ کی

بعد خط آنے کے آس سے تھا وفا کا احماں ————— ایک ہاں تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی
 دل مرا دیکھ دیکھ جلتا ہے ————— شمع کا کس کا دل بجھتا ہے
 گنبدی رنگ جو ہے دنیا میں ————— میری چھاتی پہ مونگ لٹا ہے
 ہم نشیں ذکر یار کر کچھ آج ————— اس حکایت سے جی بدلتا ہے
 گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے ————— کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے
 زاہد در مسجد یہ خرابات کی تو نے ————— جی بھی یہی چاہے تھا کرامات کی تو نے
 ایدھر تو میں نالال ہوں ادھر غیر نہ جانیں ————— اب کس سے مری جان ملاقات کی تو نے
 مرا جی تجھ کو کیا پیسا را نہیں ہے ————— پر اتنا بھی تو ناکارہ نہیں ہے
 بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم ————— تجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے
 کیا ہی کھڑا ہے یہ کہ جس کے حضور ————— آئینہ کی قلعی ادھڑتی ہے
 قائم آیا ہے پھر وہ بن ٹھن کر ————— دیکھیں کس کس کی یاں گھڑتی ہے

رباعی

کیا پشیم ہو دنیا کہ یہ ارباب نعیم ————— بے قرب کریں ہم کو دکھا کر زروسیم
 مسجد میں خراب کو بھی نہ کیجے سجدہ ————— محراب جو خم نہ ہو براے تعظیم

شعری برویہ

سردی اب گیس برس ہے اتنی شدید ————— صبح نکلے ہے کا پتہ انور شدید
 ان دنوں پیسہ پر نہیں ہو مہر ————— گود میں کانگڑی سے کھے ہی سپر
 پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے ————— سبز وہ شال کی رضائی ہے
 دن کی گھٹتی ہو دھوپ میں اوقات ————— کالے کل میں رات کٹے ہے رات
 چرخ کی اٹلسی قبا ہے ہمیش ————— نہیں یکہکشاں ہے ایامیش

ندی پر آ کے بیٹھ جو بگلا
 برف کو چوں میں یوں پڑی ہوا
 کہے کو دیکھ کہتے تھے سب یار
 پر جو دیکھا ہے غور کہ میں آپ
 باز چلتی ہے بسکند اور سخت
 گرچہ سہ ماہی خاص عام ہیں شل
 پلٹے رہتے ہیں روئی میں مجبور
 جا کے حلوائی کو جو دیکھو کہیں
 بریوں سے اپنے اوڑھے ہو گلا
 جوں کہ اڑتا ہے پنبہ مذاق
 ٹھنڈے سے ہی فلک کے جی میں غبار
 نکلے ہی ٹھنڈے آسمان کے بھاپ
 روز شب کا پختہ رہے ہیں خشت
 پر کہوں کیا میں حال اہل دول
 جس طرح ناستہ پائی و انگور
 برنی چھٹ کچھ دکان میں اس کے نہیں
 قحط اب سردی کا ہے یہ مذکور
 شعر ہو گر خاک تو رکھ معذور

مخمس

شیخ تو نابود ہووے یا ترا پندار نیست
 کام کیا ہے مجھ کو گوہل اہل دینار نیست
 تیکہ دیراں ہوں یا ہوں بہمن یکبار نیست
 کافر عشق مسلمانی مراد ر کار نیست
 ہر رگ من تار گشتہ حاجت ز نار نیست
 عاشقوں کے رونے کی کچھ اور ہی ہوتی ہر دن
 ہم نہ کہتے تھے تجھے ظالم کہ آیا بات سن
 ابرار بادیدہ گریان من نسبت مکن
 نسبت باریدگی دارد وے خونبار نیست

رباعی

دیکھ حال مرا اٹھا کے سو سو چیلے
 کہتی تھی جو کفش میں نہ چھوڑوں گی قدم
 ساتھی بھاگے ہر اک طرف کو جی لے
 سو اس کے بھی ہو چکے ہیں کٹے ڈھیلے

۲۲۴۔ قبول۔ عبدالغنی بیگ موطن کشمیر۔ از شاہر شعراے فارسی است
ریختہ بطور تفتن می گفت۔ از دوست۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا بیگی ہی پیر منعم کا
۲۲۵۔ قدر۔ دہلوی۔ محمد قدر۔ بعد دولت محمد شاہ فردوس آرام گاہ
از دام ننگ و نام رستہ دل باو باشی و بے قدری رستہ بود
از دوست (۲ شعر)

۲۲۶۔ قسمت۔ این مطلع بنام او منسوب است و احساس معلوم نیست:

زمین پرست چاک اس کو نہ یہ سنگ نہ گل ہی (؟)

وے لے بے مروت یہ کسی کم بخت کا دل ہی

۲۲۷۔ قلندر۔ لالہ بدھ سنگھ۔ گوئید بریکے از ارباب طرب عاشق بود

وہ علت عشق از ملت خود بر آمدہ قلندرانہ بسر می برد۔

از دوست۔ ۳ شعر

۲۲۸۔ قربان۔ میر جویں۔ از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا۔ نو جوانے بود

در زمرہ سپاہیاں معاش می کرد۔ ناگاہ در فیض آباد میان

فوج اگر نری افتادہ و از بدعت آں جماعہ غیر از جاں دادن

چارہ نہ راستہ مردانہ خود یکشتن داد۔ از دوست۔ (۲ شعر)

۲۲۹۔ قناعت۔ لاہوری۔ مرزا محمد بیگ ولد حسن بیگ۔ از شاگردان

مزار جعفر علی حسرت ست۔ در نیولا کہ ۱۱۹۶ ھ ہجری باشد
 مشارالہ در لکھنؤ می گزرا ند۔ این ابیات از انجا طلبیدہ تحریر
 نمودہ شد۔ ۲ شعر

۲۳۔ قدرت۔ دہلوی شاہ قدرت اللہ۔

علی لطف نے ایک اضافہ کیا ہے یعنی صرف تاریخ وفات کا
 جس کو غلطی سے واوین کی عبارت میں رکھا گیا ہے۔
 (۷ سطر ۱۲۵ شعر)

قدرت تخلص، شاہ قدرت اللہ نام ساکن شاہ جہان آباد کے مشہور سخنوروں میں
 تھے۔ رشتہ دار تھے میر شمس الدین فقیر کے۔ صاحب مذاق تھے چاشنی درد و تاثیر کے
 نظم ریختہ میں ذہن رسا رکھتے تھے۔ خاطر سخن گستاخ و طبع معنی آشکار رکھتے تھے۔
 طرز مضمون آفرینی سے ماہر اور اس تشکلی و برشتگی کلام سے ان کے ظاہر اکثر فکر
 اشعار فارسی کی بھی کرتے تھے، لیکن نظم ریختہ پر مرتے تھے۔ تازہ کرنے میں مضمون کے
 اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور صفائی کیس بندش کی نازک خیالیوں سے ہند کے
 دمساز تھے۔ وارستہ مزاجی کے یار اور آزادہ حالی سے سروکار۔ ایک مدت سے
 دلی کو چھوڑا تھا اور دار در شاہ آباد تھے، اکابر اور اغرہ اس شہر کے سب ان سے
 ہر سر غایت واداد تھے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ مجھ سے ان کو اخلاص اور
 اتحاد تھا۔ واقعی عزیز اپنے طور کا استاد تھا۔ شاید ۱۲۰۵ ھ بارہ سو پانچ ہجری میں اسی
 بلدے کے اندر انتقال کیا۔ اور طبع کو صاحب طبعوں کے حد سے زیادہ پُر مال کیا۔
 دیوان میں اسی صاحب قدرت کے ہر قسم کے اشعار ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب
 اشعار ہیں۔

ہنگامہ پر ہمیں زور دے اب بسر آیا
 کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں سے گرتے
 لے بادہ کشاں فردہ کہ پھر ابر تر آیا
 شاید تیرے فرگاں کوئی سخت جگر آیا
 غفلت میں کئی شام جوانی تری حیف
 پیری میں تو ملک چوٹک کہ وقت بحر آیا
 ترے حضور میں جیب قصد عرض حال کیا
 ہجوم گریہ نے میری زباں کو لال کیا
 میں داغ تازہ میں توڑے یہاں ملک مان
 کہ ایک بدر کا کاسہ پیراز ہلال کیا
 ہوا ہے اُس کے گلوں گروہ دم اعجاز
 ٹوٹی کمند سخت کا وہ زور رہ گیا
 ترے لبوں نے میحساے کیا سوال کیا
 جب بام دوست ہاتھ سے کچھ تو رہ گیا
 ادھر سے زخم گریہ میرے پوچھنے لگے
 ناسور تھا جگر میں سو ناسور رہ گیا
 مدتوں سے رننہ دل پہاں جو ت مسدود تھا
 اک زرا کھولا تو دیکھا خانہ پرورد تھا
 کبریا کی کاہود پکھا میں نے جس جا پر ظہور
 اپنی اپنی حد میں جو پیشہ تھا اک فرد تھا
 حال قدرت پوچھتا ہی کچھ تو ظالم مجھ سے سن
 اُس کے بالیں پرد عا کو آج ہی موجود تھا
 آہ جو اٹھتی تھی وید و دل سے تھی لپٹی ہوئی
 اشک جو گرتا تھا سو سخت جگر آلود تھا
 بتیاہوں سے یہ دل بیتاب رہ گیا
 اپنی تپش میں جل کے یہ سیاب رہ گیا
 آنسو تھے ہیں پر نہیں سوکھی ہر شہم تر
 دریا اُتر گیا ہے پر گرداب رہ گیا
 ہم پر ایام مصیبت آج پھر آنے لگا
 یار گھر جانے لگا لے دے گھر جانے لگا
 جب یہاں دھن جاں ہوں تو کب ہو زندگی
 کون یہ بتلا سکے جب خضر ہکانے لگا
 بھگو غفلت نے خبر ایام فرصت کی نہ دی
 آہ جب جلتے رہے دن تب میں پھپھانے لگا
 کب تک لے نالہ زیر لب رہیں گا تو گروہ
 حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا
 دل سدا سینہ میں جلتا ہی رہا
 کحت دل آنکھوں سے دھلتا ہی رہا
 تو نے گو مجھ کو دلا سے میں رکھا
 جی مرا تو بھی تو گھلتا ہی رہا
 دل ہوا سیر زلف سیہ فام رہ گیا
 صیغہ ضعیف مر کے تیرا دام رہ گیا

جب دیکھتا ہے مجھ کو تو دیتا ہے گالیاں اپنے نصیب کا یہ ایک انعام رہ گیا
آگے نہ چل سکا ترے کوچے کو چھوڑ کر خورشید جا کے تاب لب بام رہ گیا
قدرت کس آسے پہ کٹے گی یہ زندگی
آنے سے اب تو نامہ و پیغام رہ گیا

آتش فروز دل ہے تاحسن شعلہ رد کا ہر اشک ہے شرارہ ہر آہ ہے بھوکا
ڈھونڈھے ہو پاں اب کیا سینہ میں غمزدوں کے مدت سے لٹ چکا یہاں سامان آرزو کا
کشتہ ہوں جان دل تیرے خدنگ کا میں بحر کماں میں ہے گا پیا سامنے لہو کا
تشنہ لب مرتا ہے نت موج دم نشیر کا لے غور ناز کچھ بھی فکر اس بچیر کا
خواب غفلت لے گئی تھی ان دنوں دل کو ابھی آہ پھر کس نے یہ چھڑا اسلسلہ زنجیر کا
رنگ خون تشنگاں جس جلے آڑ سکتا نہیں ہوں اسیر نا تو اں آس خاک امن گیر کا
گھر ہے جس وقت وہ غارت گریاں نکلا کفرے گبر گیا دیں سے مسلمان نکلا
وہ دل جمع کر اٹھا جو بغل سے اپنی تو بہ زیر شکن زلف پریشاں نکلا

اس چشم سے ہو کے آب نکلا سینے سے دل خراب نکلا

جو نالہ جگر سے پار نکلا لے سیخ پر اک کباب نکلا

خط آیا دے ہمارے خط کا منہ سے نہ ترے جواب نکلا

بیت الحزن میں شب کو ترا انتظار تھا کھٹکا ہر ایک دل کا مے جی کے پیا تھا

ایہ صبر بھی ایک بار جفا کی عیاں کو پھیر دل ہے خدنگ دست جگر سناں طلب

دست برد و ظلم سے تیرے ہیں جتنے ہم خراب اس قدر بھی ہوئے گا عالم میں کوئی کم خراب

زخم سے دل کے ابھی لے چارہ گر تباہی خوں مت ڈبو بے فائدہ پھاسے نہ کر مرعہ خراب

کھڑے رونا کھڑے سر کو پٹکنا خوش ایام اوقات محبت

ہرزہ گردی سے رہائی کے چھوڑا پھر مجھے زنداں میں لے زنجیر کھینچ

جان ہے وابستہ آس پیکاں کے ساتھ میرے پہلو سے نہ اپنا تیسر کھینچ
 زرقنس سے قفس تو ملا کے رکھ صیاد کرتا اسیر کریں مل کے ایک جافریا د
 جہاں نظر بڑے پاؤں تلے تلے کا غنہ سمجھ کے نامہ مرا ہاتھ میں نہ لے کا غنہ
 میں کیوں کہ آس کو گھونٹ جب لٹکا آسے ہوا دھر جے قلم اور آس طرف گلے کا غنہ
 کسے جز خون دل میخانہ میں منظور ہو سنا مری آنکھوں میں تجھ بن دیدہ ناسور ہو سنا
 آہ روئے پاک تیرا کس طرح آوے نظر سخت دل جب چھارہا ہو دیدہ منکا پر
 یہ دل شوریدہ جب سے ساقی ہے زیر زیں شور محشر ہی رہا قدرت کی مشت خاک پر
 تجلی جلوہ چلے تو صفائے سینہ پیدا کر اگر دیدار کا طالب ہے تو آئینہ پیدا کر
 ہے نالہ شام آتش و آہ سحر آتش کیا زیست ہو اپنی ادھر آتش ادھر آتش
 جز داغ تدارک نہیں اس داغ جگر کا آتش کے جلے کو نہ کرے یہ جگر آتش
 پہا ہے کو اگر دل غ سے چھاتی کے چھڑا دوں خاشاک کے پہلو میں چھپے آن کر آتش
 چل بے دنیا سے بن دیکھے ترا دیدار حیف بے چلے حسرت بھرا یہاں سے دل انگار حیف
 جرم پر تیری محبت کے ہیں کرتے ہیں قتل حفظ جاں کے واسطے گر کیجئے انکار حیف
 مرگ پہلی ہی جب تک آئے فراق ورنہ کیا جانوں کہ سر پہ کیا بلالائے فراق
 زخم پہلوئے نہ پائی آہ دل ناکام تک حیف نہ پئی ہے نہ اپنا کار شوق انجام تک
 صبح کے ہوتے ہی ہووے جس کی یہ حالت تباہ آہ وہ بیچارہ پھر جوئے گا کیونکر شام تک
 کر چکا ہے کام اپنا یہاں تو درد انتظار جب تک پہنچے ہی قاصد اس بت خود کام تک

ہم نہ کہتے تھے کہ قدرت مت چمن کی راہ چل

لے گئی آخر ہوائے گل شکجے دام تک

رنگ کچھ اور ہی بدلتا ہے مرا بیتاب دل ہے گھڑی آتش کا پر کاہ گھڑی سپاہ دل
 گریے تھے آگے اس دہرے سمجھ کر اپنا ماں ہم اگر تو ہے نہیں رانی تو جاوین آہ کس کن ہم

ہوا یوں پھر گئی اس بزم ک اپنے نصیبوں سے
 گئے جلتے ہیں اور سب دست تیرے ایک ٹکٹن ہم
 شب جہاں کو قدرت اس طرح ہم رز کر گئے ہیں
 کبھی سر کو شکستے ہیں کبھی کرتے ہیں شیون ہم
 جوں نقش قدم ہیں ترے دے خاک نشین ہم
 نسبت ہے ہماری تری جوں سایہ خورشید
 گئے وہ دن کہ پلک مارتے یاں دریا ہے
 تیرے جاں سوختہ خورشید قیامت کے تیں
 بھج مت پنبہ ناسور تو قدرت کے حضور
 ابرو ترے کہتے ہیں کہیں تیغ دوسر ہوں
 شاید دنیا نہ سزاوار ہوں دیں کا
 دل سے کہاں نے کہ سینہ میں یاں رہوں
 قدرت بزمیر خاک بھی آرام کب لے
 آگ اس داغ کو لگیو کہ نہک سود نہیں
 مرجبا آتش دوری کہ جلا یا ایسا
 زخم پر زخم لگے تب ہو تسلی دل کی
 شام کو دھوتا ہوں سو خون جگر سے آئیں
 تو بھی کم ابر بہاری سے نہیں لے چیم تر
 بخت دل اور انکسیر خاک پر گرنے نہ دے
 جنوں تیرے ناخن مگر گھسن گئے ہیں
 ٹپکنے لگے اشک گلوں مرنہ سے
 قافلے کے قافلہ اس راہ میں جوں نقش قدم
 بہ نہ کر مرہم سے دلِ سینہ پیر نور کو
 کہنے جلتے ہیں اور سب دست تیرے ایک ٹکٹن ہم
 کبھی سر کو شکستے ہیں کبھی کرتے ہیں شیون ہم
 تامت نہ چلیں آپ سے چھوڑیں نہ زمین ہم
 جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہی نہیں ہم
 اب بصد خون جگر چشم کو ترک کرتے ہیں
 ہر سحر پنبہ ناسور جگر کرتے ہیں
 یہ علاج اور ہی زخموں پہ اثر کرتے ہیں
 عاشق کا یہ دعویٰ ہے کہ میں سینہ سپر ہوں
 لے دے میں قدرت نہ ادھر ہوں ادھر
 ناک یہ چھپتی ہے بھلا میں کہاں رہوں
 یہ درود داغ ساتھ ہی سرے جہاں رہوں
 پھوٹے وہ آنکھ جو بخت جگر آلود نہیں
 جل بجھے سر سے لے پاؤں تانک اور دہیں
 جو صلے پر مرے اک زخم کچھ افز و دہیں
 صبح خوں آلودہ ہے چہر چشم تر سے آئیں
 کر دے اب رشک چمن خون جگر سے آئیں
 بھر لے قدرت تو اس لعل دگر سے آئیں
 کہ عقدہ پڑا ہے بکار گریاں
 پھر آئی ہے فصل بکار گریاں
 ہو گئے پامال تیرے حسرت پاؤں میں
 کوئی کھجاتا ہے ارے ظالم چو راع نور کو

داغ نے دل کو مرے تنہا نہ چھوڑا ایک دم
 تب مزا دیوے گا قدرت زخم سینہ پر تک
 نہ جا اس بزم سے ہرگز جھٹکتا طرفِ امان کو
 ہوا دست جنوں سے تارتا راز بس کہ پہن
 تم نے تو مجھ چھپایا اس زلفِ بنریں
 میں رکھا ہے ابرو دکھاں کے نشان کو
 گلو گیر ہے یاں تک تا تو انی
 اڑائی زبس خاک ماتم میں دل کے
 نوح کشتی سے خبردار کہیاں جھپاتی سے
 کس کی نیرنگی یہ برقی خاطر مایوس ہے
 صبر و طاقت تو کبھی کے کوچیاں سے کر گئے
 کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
 سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشائیں مجھے
 لے گئی کیا رگی گویا عسریاں کی طرف
 مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
 پوچھ تو ان سے کہ جاہ و کثرت دنیا سے آج
 جو شر دہل سے اٹھا سو جلوہ طاؤس ہے
 اب وداعِ تنگ ہی اور زخمتِ ماموس ہے
 کیا ہی ملک دم و کیا ہی سرزمینِ دس ہے
 چل دکھاؤں تو کہ قید آزا کا مجبوس ہے
 جس جگہ جانِ مٹا سو طرح مایوس ہے
 یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیا کوس ہے
 کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و فوس ہے

کل تو قدرت پائے غم رکھتے تھے تسبیح ریا

آج رہن جامِ مے پھر سر قہ سالوس ہے

سینہ اس کا ہر دل اس کا ہی جگر اس کا ہے
 تختِ دل نوکِ مرثیہ پر نہ سمجھ لے ہم دم
 تیر بیداد جبر سرخ کو لے گھر اس کا ہے
 تخمِ غم دل میں جو بویا تھا ثمر اس کا ہے
 نہ تھی تابِ نگ جب لگ گیا وہ دو آنکھوں سے
 نہ ہونا چشم کا بہتر تھا ایسی کو آنکھوں سے

جہاں جاوے وہ نوید دیدہ آنکھوں کے مقابل ہے
 جدا ہوئے نہیں جاوے نگہ کو دور آنکھوں سے
 زباں قدرت کی ضعیف ہجرے از بسے کذیب
 اشارت بات کی کرتا ہے جوں بخور آنکھوں سے
 کر قلم قناعت کا سفر تا تجھ پہ روشن ہو
 کہ چشم مورے بھی تنگ تر مابِ سیماں ہے
 لب قدرت سے جز فریاد سچہ ریش نہیں کرتا
 یہ کچھ شاعر نہیں ہی اپنے دل کا مریخ خواں ہے
 نہ واقف کارواں سے ہوں کچھ آگاہ منزل سے
 کیا میں وادی الفت کو طے اتنی بخش دل سے
 گئے وے دن کہ بہتے تھے پڑے نالے آنکھوں
 سرِ مرغاں تنگ کی اشک اپنا ہی مشکل سے
 نہ ہو غافل ارے صیاد صیدِ نیم بسمل سے
 کرے توفیق جب تک اور کو یہ مفت مرقا ہے
 غنیمت بوجھ ملنے کو کہ یہ عالم اک انہوں ہے
 تو کیا سامان پوچھے ہی کہ تجھ بن کیونکہ گرے ہے
 کہ ہر فرہاد شیریں ہے کہ ہر یلی و محزون ہے
 آسان نہ کئے گی یہ جدائی کی جو شب ہے
 مشکل ہے قیامت ہے مصیبت ہی غضب ہے
 دل پر داغ ہے اور حسرت پا بوسی ہے
 دستِ اُمید ہے اور دامنِ یاسی ہے
 دل گم گشتہ خبردار کہیاں سینہ میں
 تیر بیداد سدا درپے سجا سوسی ہے
 دم جاں بخش کی اس کے جو پڑی ہی یہ دھوم
 لبِ عیسیٰ نے مگر تیری زباں چوسی ہے
 جس جگہ جسلوہ ترا مایہ مد ہوشی ہے
 یادیں اپنے اگر ہے تو فراموشی ہے
 آہ یہ کون سی منزل ہے کہ رکھتے ہی قدم
 نقشِ پا سے مرے سجدہ کو ہم اغوشی ہے
 سرگشتہ ترے لئے جہاں ہے
 لے خانہ خراب تو کہاں ہے
 جو زخم کہ ہو چکے نہ ناسور
 وہ زخم نہیں و باں جاں ہے
 قدرتِ ملک کھول چشمِ عبرت
 گرفتہ سرِ غارِ رنگاں ہے
 جو نقشِ قدم ہے اس زمیں پر
 آئینہ حالِ رہرواں ہے
 اشک اب آنے سستی کچھ تھم رہے
 سخت دلِ مرغاں پہ شاید جم رہے
 اب تو اس منزل سے نہیں اٹکتے قدم
 ہمراہ آگے چلو تم ہم رہے

ہر آن اک ستم ہر ہر خطہ ایک جفا ہی کوچہ ترا ہی ظالم یاد دشتِ کربلا ہی
مٹائیں کسی سے اس پر ہی کیا نصیب یارب یہ دل ہمارا کس سے جدا ہوا ہی
ہوگر دبا دجیدہ ہم کو اُدھر ہے جانا صحرائیں گم رہوں کا یہ خضر رہنما ہے

حرف الکاف

۲۳۱- کلیم - دہلوی شیخ محمد حسین - کوئی اضافہ نہیں۔ علی ابراہیم نے یہ
کبھی نہیں لکھا کہ ”با وصف اس خوش گوئی کے کلام مشہور

بہت کم رکھتا ہے“ یہ لطف کا اضافہ ہے۔ ہ سطر شعر

کلیم تخلص شیخ محمد حسین نام۔ شاہ جہان آبادی مشہور سخنور ہے دلی کا اور قراہتیوں میں میر تقی
میر تخلص کے تھا۔ ایک رسالہ عروض و قافیہ کا اس نے زبانِ ریختہ میں لکھا ہے۔ اور فصوص الحکم کا
ترجمہ بھی زبانِ ہندی میں کیا ہے۔ ایک نثر اور بھی نگین زبانِ ریختہ میں ریختہ قلم معنی رقم رکھتا
ہے۔ لیکن با وصف اس خوش گوئی کے کلام مشہور بہت کم رکھتا ہے۔ عہدِ دولت میں احمد شاہ
بن فردوس آرام گاہ کے ایام اس کے شعر و شاعری کا تھا اور زفر مرہ پر دازان شاہ جہان آباد
کے ساتھ ہم صغیر و ہم نوا تھا۔ چنانچہ دلی ہی میں اس خرابہ دار فانی سے گزرا اور مقیم بیت الممور
کاشانہ باقی کا ہوا صاحب دیوان اور شاعر شیریں بیان تھا۔ یہ اس کلیم طور سخن دانی کے
کلام سے ہے:

گور و صفہ رخصواں کو میں اک آن میں دیکھا جب گل کی طرح جہانگ گریبان میں دیکھا
لگتی ہے اب تو قفلِ مینا سے دل کو ٹھیس دے دن گئے کلیم کہ شیشہ شک تھا
قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم آہ کیوں دردِ دل اپنا نہ کسی کو سوچا

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار بچ لے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار بچ
 ہو چکا حشر گئی دوزخ جنت کو خلق رہ گیا میں ترے کوپے میں گرفتار ہونہ
 پوچھ مت غم کی داستان لے دل کہ پڑا ٹوٹ آسمان لے دل
 پیری کی بھی سیر کر گئے ہم اس پل سے بھی بس گزر گئے ہم
 واں غصہ ہوئے رقیب پر تم یاں مارے ادب کے مر گئے ہم
 بات اُس کی زبان پر آئی پھر خسرابی جہان پر آئی
 غم و حسرت مکن کیا کسی کی داد کو پہنچے غرض ہم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے
 اُس کے ابو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے
 عرق ہے منوہ ترے یا گلاب ٹپکے ہے عجب ہے مجھ کو کہ شعلہ سے آب پٹکے ہے
 تجھے میں آنکھوں میں کیوں کر رکھوں کہ بڑا پھرایا گھر کہ یہ خانہ خراب پٹکے ہے

رباعی

گلو تو چمن میں چپسی سے نہ گیا یہ دل بھی کلی سے بے کلی سے نہ گیا
 جو کوئی گیا دل کو گیا چھوڑیاں دل سے تو کوئی تیری گلی سے نہ گیا

رباعی

دنیا کے ہاتھ سے جو دل ریش ہیں ہم اس واسطے یاں عاقبت اندیش ہیں ہم
 دنیا داری و نوکری محنت و کسب جب کچھ نہ بنا کہا کہ درویش ہیں ہم

۲۳۲۔ مکتوبین - دہلوی - از منسلکان نواب عماد الملک غازی الدین

خاں بود - گفتارش بطور آرو و طبعش اکثر مایل سجا بود
 گویند شہر اشوبی در ہجو ہر قوم گفتہ چنانچہ چند بیت از

نکاتر ش می رود - (۳ شعر)

۲۳۳۔ شاہ کاکل دہلوی۔ معاصر آبرو بود۔ ترک نوکری کردہ بک
نقد در بر نمود و تکیہ در چوک سعد اللہ خاں داشت از دست

(۳ شعر)

۲۳۴۔ کافر، دہلوی۔ میر علی نقی۔ اوایل تسکین و جنون تخلص می کرد و آخرت بسبب
نامقیدی کافر تخلص قرار داد۔ ہر شعرے کہ بردش می خورد
می گفت کہ ایں ٹیکہ ست۔ بر ایں جہت کافر ٹیکہ مشہور شد
مولف اوراق مکرر اورادر مرشد آباد دیدہ و اشعارش
شینیدہ است۔ آنقدر مایہ تنخوری نہ داشت کہ تعریفش توان شد
از دست ۲ شعر

۲۳۵۔ گریاں۔ دہلوی۔ میر علی امجد دہلوی علی اکبر۔ از شاگردان شاہ
قدرت اللہ قدرت و میر ضیاء الدین ضیاست۔ از دست
(۳ شعر)

۲۳۶۔ گماں۔ دہلوی۔ نظر علی خاں۔ از دوستان اشرف علی خاں فغانست
دریں زمان کہ عہد شاہ عالم بادشاہ ست۔ شینیدہ شد کہ در
فیض آباد بصری برد۔ از دست۔

(عبد)

۵ شعر

حرف اللّام

۲۳۷۔ لطفی دکنی۔ از قدا بود۔ این بیت بنام اوشہورست و
احوالش معلوم نیست۔

میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا ہوں تم پر
جو بن کا مانا اگر مجھ کو کھندل گیا ہے

۲۳۸۔ لسان۔ میر کلیم اللہ مشق سخن را آگاہ بود۔ بعد احمد شاہ بادشاہ
ارتحال نمود۔ از دوست :

جدا ہو مجھ سے مرا یا ربیہ خدا نہ کرے خدا کسی کے تئیں یا رب سے جدا نہ کرے

حرف المیم

۲۳۹۔ میر میر محمد تقی۔ علی لطف نے بہت اضافہ کیا ہے۔ ان کی
پہلے کی صرف آٹھ سطریں علی ابراہیم کا کچھ ترجمہ ہیں علی ابراہیم
کے لکھتے وقت (۱۱۹۶) میر دہلی ہی میں تھے تذکرہ لکھ چکے تھے

(۱۴ سطر۔ ۵۴۰ شعر)

میر تخلص نام نامی اس نگین خاتم سخن آفرینی کا میر محمد تقی ہے متوطن اکبر آباد کے

سراج الدین علی خاں آرزو تخلص آپ کے کچھ رشتہ داروں میں دور کے تھے۔ ابتدائے سن شعور سے پرورش انھوں نے دار الخلافہ شاہ جہان آباد میں پائی ہے اور خانہ مذکور کے فیض صحبت سے نظم رخیۃ کی کیفیت بارگاہوں کے ساتھ اٹھائی ہے۔ تنازگی مضمون کی اور غزل معانی کا بیان سے ان کے ظاہر ہے، نئی تحقیقت کہ شاعر مذکور لطافتوں سے رخیۃ کی بخوبی ماہر ہے۔ جو شخص نگار گاہ سخن میں چشم خوردہ میں رکھتا ہے اور چاشنی خود سے امتیاز ذائقہ تلخ و شیریں رکھتا ہے۔ تو وہ اس بات کو جانتا ہے اور اس رمز کو پہچانتا ہے کہ میر شیریں مقال میں، اور رخیۃ گویا نیاں حال میں، نسبت خورشید و ماہ ہے، اور فرق سفید و سیاہ ہے، بلکہ حجاب اگر مانع نہ ہو بیان کا تو تفاوت ہے زمین اور آسمان کا۔ غرض اس تردد سے تباہی ظلم کی اور اس خراش سے غافل فہم کی مراد یہ ہے کہ ناقدِ ادبی سے انیہا کی اور نا سمجھی سے اہل دنیا کی، اب بازار سخن سازی اس درجہ کا سد ہے اور ہوا و شہر تان مہنی طرازی اس مرتبہ فاسد کہ میر سا شاعر جو کہ سحر کاری سخن میں ظلم ساز ہے خیال کا اور جادو طرازی بیان میں معانی پر دانہ ہے مقال کا، وہ نان شبینہ کا محتاج ہے اور بات کوئی نہیں اس کی پوچھتا آج ہے۔ جس ایام میں کہ درخواست صاحبان عالی شان کی زبان دانان رخیۃ کے مقدمہ میں کلکتہ سے لکھنؤ کو گئی تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے روبرو تقریب میر کی ہوئی، لیکن علت پیری سے یہ بیچارے مجھول کے مجھول ہوئے اور جو انان نو مشقِ مرہی گری سے قوتِ بربانی کے مقبول ہوئے زمانہ خوش طبعیتوں سے کبھی نہیں خال ہے، اکثر اہل لکھنؤ پکارتے تھے کہ کلکتہ میں شاعری کی جادو خواست تھالی ہے، کس واسطے کہ یہ جانتے سب اہل قلم ہیں کہ آج بھی بوڑھے سامنے نوجوان غور کے میں موزیں ہیں۔ اب بھی جو بوجھ تکلفِ معنی کا جزِ تھقیل طبع سے ترازد وہ دکھاتا ہے، جو ان اگر کوہِ بونیس ہے تو محل سے اُس کے کم چڑاتا ہے۔ بہر تقدیر غرض جب میرزا محمد رفیع سودا بلدہ لکھنؤ میں اس دار فانی سے عالم باقی کو سدھارے تو میرزا کو شاہ جہان آباد میں تھے ۱۱۹۰ھ گیارہ سو ستاونے ہجری میں روایت غزم اس صاحبِ شکر

مضامین تازہ کے حرکت میں آئے اور خود بدولت لکھنؤ میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ
مرحوم نے روزِ ملازمت خلعتِ فاخرہ دیا اور تین سو روپے مشاہرہ مقرر کر کے تحسین علی خاں
انگریز کے سپرد کیا۔ اگرچہ گرفتہ مزاجی سے ان کی روزِ بروز صحبت نواب مرحوم سے گڑبڑ گئی
لیکن تنخواہ میں کمی نہ قصور ہوا۔ اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد وزارت میں کج کے
دل تک کہ سلطانہ بارہ سو بندہ ہجری ہیں، وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اقسامِ نظم میں
یہ صدر نشین بارگاہِ سخن دانی بہرِ قسم چکیدہ خامہ معجز نہ رکھتا ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ نظم غزل میں
بید بھیا رکھتا ہے۔ قصیدہ تو ختم میرزا محمد رفیع سودا پر ہوا، ہاں طرزِ مثنوی کی بھی ان کی بہت
خوب ہے، خصوصاً دیا کے عشق، جو ان کی مثنوی ہے، اک جہان کے مغرب ہے۔ یہ رہنا
قیم سخن سرمایہ گمان کا مالک چار کتاب پر دیں دہان ہے یعنی صاحب چار دیوان، خوش بدین
خوش بیان ہے مثنویان بھی متعدد ان سے ثبت جریدہ روزگار میں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب
افکار ہیں :

اس دور میں الہی محبت کو کیا ہوا	چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا
امید وارِ وعدہ دیدار مر پٹے	آئے ہی آتے یار قیامت کو کیا ہوا
چمن میں گل نے جو گلِ دعوتے جہاں کیا	جہاں یار نے منہ اُس کا خوب لال کیا
بہارِ رفتہ پیر آئی ترے تماشے کو	چمن کو مینِ قدم نے ترے نہال کیا
لگانہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے	جو کچھ کہ میو کا اس عاشقی نے حال کیا
بتیا ب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا	بختے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا
دل کا نہیں ٹھکانا حالتِ جگر کی گم ہے	تیرے ہلاکتوں کا ہم نے حساب دیکھا
لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چوٹک اٹھتے	ہے خیر مایہ صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا
ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا	دلِ مستم زدہ کو ہم نے مقامِ مقام لیا
خواب پڑتے تھے مسجد کے آگے بت خانے	نگاہِ مست نے ساقی کے انتقام لیا

وہ کج روش نہ ملا راستے میں ہم سے کھجور
 نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلا لیا
 پہنچا غم جگر کا گلزار تک نہ پہنچا
 نالہ مرا چین کی دیوار تک نہ پہنچا
 اُس آئینہ کے مانند رنگا جس کو کھا جلے
 کام اپنا اُس کے غم میں لو اڑا تک نہ پہنچا
 لبرز مشکوہ تھے ہم لیکن حضور اُس کے
 کار کشکایت اپنا گلزار تک نہ پہنچا
 یوسف سے کے تاگل اور گل سے کے تا تنوع
 چس کس کو لے کے بازار تک نہ پہنچا
 گل کو محبوب میں قیاس کیا
 فرق نکلا بہت جو قیاس کیا
 صبح تک سنج سسر کو دفنی ہو
 کیا تنگے نے اتنا قیاس کیا
 ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
 اُس شوق کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا
 کل پاؤں ایک کا سہ سر پر پڑا جو صید
 یک سر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
 کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
 میں بھی کبھی کسی کا سر پر ضرور تھا
 دل سے شوقِ سرخ نکونہ گیا
 جھاگنا تا گنا کبھو نہ گیا
 گلزار بنائے چرخ سے نالہ بگاہ کا
 تانہ خراب ہو جو اس دل کی چاہ کا
 آگھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھنا
 مرتا ہوں میں تو ہاں سے صرف نگاہ کا
 یک قطرہ خون ہو کے قرہ سے ٹپک پڑا
 قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا
 سرے بانہا ہی کفن عشق میں تیرے یعنی
 جمع ہم نے بھی کیا ہے سرد ساں کیا
 دل پہنچا ہلاکت کو بہت کیخ کسالا
 لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ
 گزرے ہی ہو وہاں سر ہر خار سے اب تک
 جن دشت میں بیٹھا ہی مرے پاؤں کچھالا
 دل کے جانے کا نہایت غم رہا
 غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
 میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
 ایک مدت تک وہ کاغذ غم رہا
 تجھ کو میرے حال سے تھی آنکھی
 نالہ مشب سب کو خبر کر گیا

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں ملے باز آؤ — نادان پھر وہ جی سے بھولایا نہ جائے گا
 کئے سرکشاں جہان میں کھینچا تھا ہم نے سر — پایاں کارِ مہر کا خاکِ قدم ہوا
 دل و دماغ ہے اب کس شہ زنگانی کا — جو کچھ کہ یہاں ہے سو افسوس ہے جوانی کا
 اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا — لہو آتا ہے جب نہیں آتا
 دل سے رخصت ہوئی گئی خواہش — گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
 عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ — بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا
 جو یہ دل ہی تو کیا سر انجام ہوگا — تیرے خاک بھی خاک آرام ہوگا
 سخت کا فر تھا جس نے پہلے ملے — مذہبِ عشق اختیار کیا
 دلِ عشق کا ہمیشہ حریفِ بند تھا — اب جس جگہ کو داغ ہے وہ آگے درو تھا
 عاشق ہیں ہم تو ملیں گے بھی ضبطِ عشق کے — دل جل گیا تھا افسوس اب پسہ دے تھا
 خوبی کو اُس کے چہرے کی کب پہنچے آفتاب — ہے اس میں اُس میں فرق زمین آسمان کا
 کام پل میں مرا تمام کیا — غرض اُس شہ رخ نے بھی کام کیا
 تیرے کو چچے کے رہنے والوں نے — ہمیں سے کعبہ کی سلام کیا
 وصفِ خط و خال میں خواب کے میلے — نامہ اعمال سیہ کر گیا
 جو اس شور سے ہمیں روتا رہے گا — تو ہمایہ کا ہے کو ہوتا رہے گا
 میں نہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں — جسے ابرہہ ہاں روتا رہے گا
 تو اب گلیاں غیر کو شوق سے دے — ہمیں کچھ سکے گا تو ہوتا رہے گا
 مجھے کام ہر دم ہے رونے سے تاصح — مرے صفحہ کو کب تک تو دھوتا رہے گا
 مرا خوں تجھ پہ خوں ثابت کرے گا — کنارے بیٹھ کے ہاتھوں کو دھونا
 وصیتِ میل نے مجھ کو بھی کی تھی — کہ سب کچھ ہونا اک عاشق نہ ہونا
 کیا بعدِ مرگ یاد کروں گا وفا تجھے — ستارہ باجفا ہی میں جب تک جیا کیا

مناں مجھ مست بن پھر قفلِ مینا نہ ہوئے گا ————— نے لگلوں کا شیشہ بھکیاں لے لے کے رووے گا
آرامِ عدم میں نہ تھا ہستی میں نہیں چین ————— معلوم نہیں میرا ارادہ ہے کہاں کا
اٹلی ہو گئیں سب سے بیریں کچھ نہ دوانے کام کیا ————— دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کا پیریا پیری میں لیں آنکھیں موند ————— یعنی رات بہت تھی جاگے صبح ہوئی آرام کیا
ناجی ہم مجبوروں پر یہ ہمت ہے مختاری کی ————— چلتے ہیں جو آپ کریں ہم کو عیثِ بدنام کیا
کس کا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام ————— کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو بیس سلام کیا
شیخ جو ہی مسجد میں بیٹھا رات کو تھائے خلتے ہیں ————— جہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی مستی میں بھٹام کیا
کاش اب برقِ منہ سے اٹھائے در نہ پھر کیا صحت ————— آنکھ موندے پرانے اُن نے گو دیر کو عالم کیا
یہاں کے سفیدِ سیر میں دخل جو ہے سواتا ہے ————— رات کو سرد و رو صبح کیا اور دن کتبوں کو شام کیا
زندگانی بھی ایک وقفہ ہے ————— یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
ضعف یہاں تک کھینچا کہ صورت گر ————— رہ گیا ہاتھ میں قلم لے کر
کام آنے کا نہیں ایک سببی یا آخر کار ————— ہاتھ سے جائے گا سرِ رشتہ کار آخر کار
مشت خاک اپنی جو پامال ہے یہاں اس پہ نہ جاؤ ————— سر کو کھینچے گا فلک تک یہ غبارِ آخر کار
میلر کم کردہ چمن زعفرانہ پرواز ہے ایک ————— جس کی لے دام سے تا گوش گلِ آواز ہے ایک
نا توانی سے نہیں بالِ فشانے کا دماغ ————— دور نہ تا باغِ قصص سے مری پرواز ہے ایک
گوش کو ہوش سے ٹک کھول کے سن تو رہاں ————— سب کی آواز کے پرے میں سخن سازی ایک
گل کی جفا بھی دیکھی دکھی وفا ہے بس ————— اک مشت پر پڑے تھے گلشن میں عائبے بیل
سیر کر عندِ سبب کا احوال ————— میں پریشان چمن میں کچھ پر د بال
دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں ————— وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں
بے قواری جو کوئی دیکھے ہی کہتا ہے ہی ————— کچھ تو ہی میلر کہ اک دم تجھے آرام نہیں
چلانہ اٹھ کے وہیں پھر تو چپکے چپکے میلر ————— ابھی میں اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں

میں گئے ہو دیر دیر دیکھے کیا ہو کیا نہیں
 نازِ تاج اٹھا چکا دیر کو مہلِ ترک گھر
 گردِ شِ فلک کی کیا ہی جو دورِ قیام میں ہو
 عاشق ہے یا مریض ہی پوچھ تو مہل سے
 صدِ تنائے یار رکھتے ہیں تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
 پھر کرتے ہیں مہلِ صاحبِ عشق میں جواں اختیار رکھتے ہیں
 دن گزرتا ہی مجھ فکر ہی میں کیا ہو رات جاتی ہی اسی غم میں کدرا کیا ہو
 خاک میں لوٹوں کہ لوہوں میں فنا میں رہتا ہوں
 عشق کو نفع نہ رہتا ہی کہ ہے نہ شکیب
 ہائے زنجی شمشیرِ محبت کا جگر کرے تدبیر جو یہ در و در دوار کھتا ہو
 ہائے زنجی شمشیرِ محبت کا جگر در د کو اپنے جونا چار چھپا رکھتا ہو
 فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش ہو ہم دعا کر چلے
 یارب کوئی ہو عشق کا بیمار نہ ہو دے مر جائے دے اُس کو یہ آزار نہ ہو دے
 زناں میں پھنسے طوقِ پڑے قید میں مر جائے پردامِ محبت میں گرفتار نہ ہو دے
 اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہوا آہِ پشتِ سرد یہ باؤ کیلجے کے کیس پار نہ ہو دے
 مانگے ہے دعا دیکھ مجھے خلق یہ ظالم یارب کسی کو اس سے سرد کار نہ ہو دے
 صوائے محبت ہی قدم دیکھ کے رکھو مہل
 یہ سیرِ سر کو چہ بازار نہ ہو دے

جو ہے آرام تک آوارگی مہل تو شامِ غربت اک صبحِ وطن ہے
 عشق میں بے خوفِ خطر چاہیے جان کے سینے کو جگر چاہیے
 باقلِ آنکوش ستم دیدگاں اشک سا پاکیزہ گھر چاہیے
 شرطِ سلیقہ ہے ہر اک امر میں عیب بھی کرنے کو سہرا چاہیے

نہیں دوسواں جی گنوانے کا ہائے بے ذوق دل لگانے کا
 دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا اور بھی وقت تھا بہانے کا
 اب جو اک حسرت جوانی ہے غیر رفتہ کی یہ نشانی ہے
 اُس کی شمشیر تیز ہے ہمدم مر رہیں گے جو زندگانی ہے
 یاں ہوئے میاں ہم برابر خاک وہاں وہی ناز و سرگرائی ہے
 ادا کینچ سکتا ہے بس زاد اُس کی دے تصویر کھینچے گا یہ ہم نے مانی
 گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی رنگ سے جلے ہیں یوسف کے خیرہ کئی
 کیا حال بیاں کرے عجب طرح پڑی ہے وہ طبع تو نازک ہے کہانی یہ بڑی ہے
 کیا فکر کروں میں کہ کسے آگے سے گردوں یہ گاڑی مری راہ میں بے طرح اڑی ہے
 ہے چٹنگ انجم طرٹ اُس مہ کے اشارے دیکھو تو دسی آنکھ کہاں جا کے لڑی ہے
 وہ دن گئے جو ہروں لگی رہتی تھیں نکھیں اب بیاں ہیں مہلت کوئی پل کوئی گھڑی ہے
 ایسا نہ ہوا ہوگا کوئی واقعہ آگے اک خواہش دل ساتھ مہے جی کے کھڑی ہے
 جاتے ہیں چلے متصل آسنو جو ہمارے ہزار نگہ آنکھوں میں مونی کی لڑی ہے

رباعیات

اب عشق میں میاں پاؤں دھرتا ہے گا سب زیت منغنہ اپنی کرتا ہے گا
 یار و چلو سب چل کے آئے سجھاویں افسوس کہ نوجوان مرنے لگتا ہے گا

خونناہ کشتی مدام کی ہے ہم نے ہر صبح غموں میں شام کی ہی ہم نے
 یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عکسہ مرد کے غم میں تمام کی ہی ہم نے

اب وقت عزیز کو جویوں کھوٹے پھر سوچ کے غفلت کے تیل دھوٹے

کیا خوابِ گراں پہ روزِ شبِ بانی ہو جاگو ملکِ میڈ پھر بہت سوڑے گے

دلِ غم سے ہو اگدا ز سارا اللہ غیرت نے ہمیں شق کی مارا اللہ
ہو نسبتِ خاص تجھ سے ہر ایک تیں کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

تبلیغ کو، توں سنبھالا ہم نے خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
اب آخر عمرِ میڈ جی کی خاطر سجادہ گرو رکھنے نکالا ہم نے

۴۴۔ مظہر جانِ جاناں علی لطف نے دوسرا پارہ (پیر گری) ضافہ کیا ہے

پہلا علی ابراہیم کا ترجمہ ہے۔ علی ابراہیم نے شہادت کے
قصہ کو بالکل سادہ الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ: ”گو نید سبب
تعصب مذہب منع تغزیہ سید الشہداء علیہ السلام می نمود۔ بدین
جہت زد دست یکے از ساکنانِ دہلی سنہ یک ہزار و یک صد و نو“

چہار سجدی کہ عمر شش قریب صد بود مقتول شد (۷ سطر شعر)
مظہر تخلص، میرزا مظہر جانِ جاناں کر کے مشہور تھے۔ مشہور سخنروں میں دلی کے نظم و نثر
رنجیت میں نہایت خوش بیان اور اذکار گفتگو میں نادر زبان تھے۔ اصل وطن ان کا کراچ آباد
ہے اور دلی ان کے نشوونما کی بنیاد ہے۔ قناعت اور استغناء طبعیت کے ساتھ مشہور اور
علم و عمل سے فقہ کے معمور تھے۔ جن پرستی سے دل بستگی تمام رکھتے تھے اور عشقِ حقیقی و
محازی سے کام۔ انعام اللہ خاں یقین اور فقیہ صاحب درویشان کے شاگردانِ رشید
کہاتے ہیں اور میر عبدالحی مہاباں تخلص بھی علی ہذا القیاس اسی طرح کہتے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ہفت روزہ عاشورہ کو لب بام یہ اپنے گھر میں سر راہ بیٹھے تھے اور کوئی سزا
 رہیلیوں کا بھی آیا تھا واسطے ان کی ملاقات کے کہ ناگاہ گزشتہ دوں کا ان کے زیر بام سے
 ہوا۔ اس روپے نے کھڑے ہو کر سینہ زنی بھی کی اور موافق سلام سے ہوا اور میراے
 مذکور جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہے، بلکہ متبسم ہو کے فرمانے لگے کہ "بارہ سو برس
 جس مقدمہ کو ہو چکے ہوں ہر سال اسے زیادہ کرنا کیا باعث ہے اور لکڑیوں کو سلام
 تسلیم کرنا نہایت عقل کی خفت ہے؟" یہ گفتگو بجنہ وہ لوگ جو کہ علم اور شدتوں کے ساتھ
 تھے انھوں نے سنی اور تعصب کی مرزا سے مذکور کے امام باروں میں اور محفلوں میں دین
 شب گفتگو رہی۔ آخر شب شہادت کو کہ عبارت شب چہار و ہم عاشورہ سے ہے کوئی شخص ان کے
 دروازے پر آیا اور ان کو باہر بلوایا۔ جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چوٹ طینچے کی نذر کی
 اور کام ان کا پورا کر کے نلوہ راہ اپنے گھر کی ٹی۔ سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا
 ایسا زحم کاری کھایا، لیکن استقلال طبیعت سے پھر اپنے تئیں کوٹھے کے اوپر پہنچایا۔
 ۱۹۴۲ء گیارہ سو چورائے ہجری تھے کہ اس روشن سائے مسائل صدیقی نے اور اس عقلمند
 احکام فاروقی نے اس آئینہ زنگار آلود دنیا سے منہ پھیر لیا اور سفر خلفائے راشدین کے
 منازل کے طریقت پر کیا۔ یہ اشعار ان کے نتائج افکار سے ہیں،

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا اس قدر جو رد و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
 نہیں کچھ غم کہ یوں ملتا نہیں تپاں گس میرا کہ میں تو ہوں دل کی بکسی پر پائے دل میرا
 ہم سے کی ہر توبہ اور دھوئیں چپائی ہے بہار ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار
 ہم گرفتاروں کو کیا ہے کام گلشن سے و لیک جی نکل جاتا ہے جب سنتے ہیں آتی ہے بہار

۱۔ کسی نے کیا ہے مثل تابیخ آپ کے وفات کی کھی ہو عاش حمید امات شہید ۲

لطف یہ ہے کہ یہ الفاظ حدیث نبوی ہیں ۱۲۔

موتا ہوں میں نہ لے گل میں ہر سحر
سورج کے ہاتھ چو نری و پنکھا صبا کے ہاتھ
منظر حیا کے رکھ دوں ناز کے تئیں مرے
پیشہ بیچا ہے کسی میرزا کے ہاتھ
خدا کے واسطے ان کو نہ ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے
ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے
۲۲۱۔ محقق دکنی ظاہر از قذابا بود۔ اس مطلع بطور مجاورہ متاخرین

بنام او منسوب است :

تم کہی سے وعدہ دیدار مست کرد
اپنی زبیاں سے جھوٹ کا اقرار مست کرد
۲۲۲۔ مہر قل۔ محمدرجل۔ معاصر شاہ آبرو بود۔ مخلص او شہرتے دارد۔
در دہلی حلت نموده از دست :

سیم تن جس کا نام ہوتا ہے
اُس کو سونا حرام ہوتا ہے
۲۲۳۔ مخلص۔ رائے انندرام و کیں نواب اعتماد الدولہ وزیر بود۔ از قذابا
سراج الدین علی خاں آرزو مست۔ اکثر شعر فارسی و گاہے
رنجیتمی گفت از دست :

آنے کی دھوم کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارکچی کا پیالہ زنگس لئے کھڑی ہے
۲۲۴۔ موزوں۔ عظیم آبادی مشہور بہاراجہ راجہ ناراین از جانب
حکام بنگالہ نائب صوبہ عظیم آباد بود۔ و نسبت شاعر سی

بہ جناب شیخ محمد علی خزیں داشت۔ اشعار فارسی می گفت
و نثار انگیس می نوشت بعد دولت نواب علی جاہ میر محمد قائم
خان مرحوم مور و تقیر شدہ معزول و در گنگا مغروق
گردید گاہے ریختہ می گفت۔ از دست :

ابر تو ہوئے خجالت پانی پانی
مت مقابل ہو میرے دیرہ خجالت کیا

۲۴۵۔ مضمون برادر محمد قائم، قائم تخلص۔ از مشاہیر سخنوران نیست از دست :

بھولی نہیں ہے مجھ کو بتوں کی ادا ہنوز
دل کی انگیس پہ نقش ہے نام خدا ہنوز

۲۴۶۔ میر محمد و اللہ۔ ولد میر حمزہ علی از سخنوران زماں محمد شاہ فردوس
آرام گاہ بود و در موسیقی مناسبتے داشت۔ گاہے
ریختہ می گفت از دست : (۳ شعر)

۲۴۷۔ مضمون شیخ شرف الدین۔ صرف دل میں مرنے کا ذکر
لطف کے یہاں زیادہ ہے۔
(۴ سطر ۲۳ شعر)

مضمون تخلص شیخ شرف الدین نام متوطن جاجمؤ کے تھے۔ جاجمؤ ایک
قصبہ ہے قصبوں میں سے اکبر آباد کے جس ایام میں کہ وطن سے اپنے یہ وارد شاہ جہاں آباد
میں ہوئے تھے، تو زینت المساجد میں آن کر اترے تھے۔ طور ان کی بود و باش کا

پھر وہیں رہا ہے اور اتفاق اصلاح کا سراج الدین علی خاں آرزو سے ہوا ہے۔ ازبک
 تیغ مذکور ملت سے نزلہ کے منہ میں ایک دانت نہیں دھرتے تھے تو خان آرزو انہیں
 شاعر بیدار کہا کرتے تھے۔ دلی میں نظم وجود کو انہوں نے ناموزوں بوجھا ہے
 اور مضمون مالی انہیں سیر وجود کا وہیں سوچا ہے۔ بیشتر حسن ان کے کلام میں ایہام کا
 ہے۔ یہ منتخب ان کے کلام کا ہے۔

افسوس مار جھٹ پٹ دل کو رکھے ہیں اتکا کس ساروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا
 خوابوں کو جانتا تھا گرمی کریں گے مجھ سے دل سرد ہو گیا ہے جیسے پڑا ہے پالا
 نہیں ہے زہدوں کو نے سستی کام لکھا ہی ان کی پیشانی میں سر کا
 ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا صبر اے یوب کیا گر یہ یعقوب کیا
 کوچہ میں بے وفا کے مارے گئے ہیں عاشق نکلا ہے ایک مضمون بھاگوں سے اپنے بیٹا
 ترا کھ ہے سر چشمہ آفتاب نہ لاوے تے حسن کی ماہ تاب
 جس طرح سے ہے ہے مال کے ادھر کالا یوں ہے زلفا تے منہ کے اوپر بالے کچھ
 گریبی دار ہے کال کو سرتاج ہوا منصور سے یہ نکتہ حل آج
 ایک تو تھا ہی وہ مہر و خود پسند ہو گیا آرسی کے تیس دیکھ دو چند
 تجھ بن زب کہ پانی جاری کے ہیں سو کر چشموں سے میں اب اپنے بیٹھا ہوں ہاتھ دھو کر
 تیر مڑگاں برستے ہیں مجھ پر آب پریاں کا اس طرف ہڑھال
 کیفی ہو کر جو مجھ سے رہا ہے وہ سوج جو پوچھتا ہوں بات تو کہتا ہے چل کھل
 احوال پیش دلبر کچھ مت کہو ہمارا آتا ہے نام میرا سن کر اُسے پسینا
 شرم سے پانی ہو جاویں سب رتب جو مرا یوسف ملے آچاہ سے
 وہی دلدار خوش آتا ہے جو ہوسے بانگا خوب لگتی نہیں وہ تیغ جو خنجر نہیں
 کیا ہوا جو خط مرا پڑھتا نہیں جانتا ہے خوب وہ مضمون کو

اُس دہاں بیچ سخن رکھتا ہوں مجھ پر اس بات کو اثبات کرو
 جب سے چاہا ہے ترا چاہِ ذوقِ آبِ چشموں سے مرے جاری ہے
 نظر آتا نہیں وہ ماہِ رو کیوں گزرتا ہے مجھے یہ چاند خالی
 چلا کشتی میں جیا گئے سے وہ محبوب جاتا ہے کبھو آنکھیں بھرا آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے
 یہ ایشک آنکھوں میں قاصد کس طرح یک دم نہشتا دل بیتاب کا شاید بسے مکتوب جاتا ہے
 مرے آئینہ دل سے ترا نقشِ جود کیا تو کسی صورت نہ جائے
 مضمون تو شکر کر کہ ترا نام سن قریب غصے سے بت سا ہو گیا لیکن جلا تو ہے

۲۴۸۔ محمول، مولوی سید محمد حسین از سادات موسوی و عمدہ تلامذہ

مولوی محمد برکت مرحوم ست۔ از مدتے ترک موطن خود
 نمودہ در الہ آباد سکے گزیدہ۔ راقم اثم میرزا کو ررا
 دیدہ۔ بنایت سنجیدہ اطوار و گرم جوش و خوش تقریر و
 برباد بار یافتہ۔ در نظم فارسی و ریختہ طبع موزونی
 داشت۔ این ازاں والا تبار ست (اشعر)

۲۴۹۔ محسن۔ اکبر آبادی۔ محمد حسن برادر زادہ میر محمد تقی تیسرے و از خوشان

تربیت یافتگان سراج الدین علی خاں آرزو است۔
 در نیولاکہ عمر شاہ عالم بادشاہ است و در سرکار نواب سلاطین

السلاک دارد آرزو است،

(۴ شعر)

۲۵۰۔ مستمند، دہلوی۔ شاگرد فقیر صاحب دردمند۔ در عظیم آباد و قریب آباد
می گزرانند۔ این خاک را اورانندیدہ۔ اشعار اورانندیدہ
رقمے کردہ از دوست : (۷ شعر)

۲۵۱۔ مخلص۔ مرشد آبادی مخلص علی خاں۔ لطف نے صرف
سنہ وفات کا اضافہ کیا ہے۔ (۵ سطر ۵ شعر)

مخلص مخلص۔ مخلص علی خاں نام، بھانجے نواب نواز شمس محمد خاں شہان شاہ
ساکن مرشد آباد۔ میر باقر کر کے مشہور تھے۔ جوان شہنہ روا اور کشادہ پیشانی،
ہمیشہ خوش وقت اور خوش زندگانی بن گئے۔ میر بہت کیفیت کے ساتھ انھوں نے
گزر کی ہے، اوقات بیشتر عیش و کمارانی میں بسر کی ہے، شب در در عیش و عشرت سے
کام تھا، اور رات دن وقفِ اجاب گردنِ صراحی اور لبِ جام تھا۔ زبانِ ریختہ میں
انھوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ چنانچہ دیوان بطور اساتذہ ترتیب بھی دیا ہے۔ لیکن کثرت
عیش سے از سبکہ دھیان رہا کہیں کا کہیں ہے، کلام ان کا خالی لغزش سے نہیں ہے
شاید سنہ ۱۲۰۰ بارہ سو سات ہجری میں بلدیہ مذکور کے اندر دامِ ہستی کی کشاکش سے
ربانی پائی ہے، اور سیرِ محنتانِ عدم کی عین تیش میں فرمائی ہے۔ یہ اشعار اس ستودہ
کردار کے ہیں۔

یو بسم اللہ ابرو ہے رخِ عنزان کا
اب ملک تو اس کو آکے جفا کار دیکھنا
خونِ معنی کیوں مفتوں ہو مرے دیوان کا
مرا ہے کوئی دم میں گرفتار دیکھنا
ہمارے قتل کرنے سے تجھے آرام کیا ہوگا
میاں اس ظلم کا تو ہی سمجھ انجام کیا ہوگا
ہر ی میں یاں تک شہر دنیا ہر دم مخلص
پھر اس بدنام سے آگے کوئی بدنام کیا ہوگا

ہاتھ ملتا ہے کہ میرے دل کے ہوتے حیف ہو کیوں کف پاہیں تھے رنگِ خناسے آشنا
 یہ پوچھو خضر اسماعیل سے گرم نہیں واقف حیاتِ جادواں بہتر ہے یا سر کو فدا کرنا
 ترکِ الفت پہ تنوں کی جھجھکے مقدور نہ تھا ورنہ کہہ مرے بت خانہ سے کچھ دور نہ تھا
 مخلص کیا دریافت یہ میں سنگِ محاسن جو عیب کسی کا کہے مٹھ اُس کا ہو کالا
 آخر یہ دل ہمارا کچھ داد کو نہ پہنچا جزا نہ کوئی اس کی فسریاد کو نہ پہنچا
 ہو گئے داغِ نمک ان مرے اے کانِ حیاتِ لب کا ترے شور پڑا کان میں آ
 اگر یاد کر ہوے لب کو ترے نہ ہو مت کو یہ خارِ شراب
 زخمِ دل سینے کو تکتا ہے مرے کام آتا باقی رہتا جو کوئی تارِ گریبان کے بیچ
 گئے یہ بال و پر برباد صیاد قفس سے اب نہ کر آزاد صیاد
 دیکھو نرگس نہیں پھولی یہ باغِ دوست میں دور سے آنکھیں خزاں کے تئیں دکھاتی ہیں
 دل خستہ و سودا زوہ تدبیر ہے نازک دیوانہ زبردست اور زنجیر ہے نازک
 محبت میں تری جا کر پھنسا دل دریا ہائے دل و احسرا دل
 تھی یہ خوشی کہ ہو گا مرے دل کا غم تمام وہ تو ہوا نہ کم پہ ہوئے ہائے ہم تمام
 کیوں عبت میں علاجِ داغ کروں خانہ دل کو بے چراغ کروں
 کیوں نہ ہر دم مری آنکھوں سے چھٹے ہائے لہو

داغ ایسا نہیں کوئی دل میں جو ناسور نہیں
 منظور بندگی مری ہو تجھ کو گو نہیں میں دست کش ہوں تجھ سے یہ ہوتا ہی نہیں
 ملی جبغے ابے آٹھ آنکھ تو نے صحنِ گلشن میں شگفتہ ہو گئیں گلزار میں نرگس کی سب کلیاں
 کیوں کیا جھاڑ کے نویتِ غبارِ دامن کچھ نہ اتنا تھا میاں مہ تر بار دامن
 نہ لی آخر خبر اس نیم سہل کی کبھی تو نے تجھے صد آفریں صیاد یوں ہی صید کرتے ہیں
 جن کو دولت ہی شہادت کی تمنا مخلص تیغِ بیدا کو وہ بالِ ہما کہتے ہیں

گرم چوٹی سیتی مخلص سے ملے ہر جبار رشک سے اُس کے رقیبوں کے جگر جلے ہیں
 ستم سے ترے آشنا کم رہے ہیں — ہیں ہیں کہ اب تک کہ یہاں تھم رہے ہیں
 کہتے تو ہو ملنے کی آتی ہیں ہیں گھاتیں جھوٹے ہو میاں تم تو کنے کی ہیں یہ باتیں
 روتے روتے جو کبھی ہوش میں آجاتا ہوں — شرم سے اپنے میں جیسے کہ مواتا ہوں
 اُس کے یہ ظلم و ستم کچھ نہ کہے جاتے ہیں نہ میں چھوڑے بنے ہر نہ سے جاتے ہیں
 کتاب ہے تو جو ہر دم تیشہ رہے اور میں ہوں — یہ طشت ہے اور سر ہے تقیر ہے اور میں ہوں
 مخلص تیرے کے یار بہت ہیں گے مشتری — تم بھی اگر ہو اُس کے خسریدار کچھ کمو
 آئندہ رو کے دل میں کوئی راہ کیا کرے — دم مارنے کی بات نہیں آہ کیا کرے
 عاشق سواے رونے کے اور کام کیا کرے — جس کا جلا ہو دل سو وہ آرام کیا کرے
 قاصد کو دیکھ دوسرے دیتا ہے گالیاں — ایسی پرہی کو پھر کوئی پیغام کیا کرے
 مرے دل میں اتنا بسا آ کے تو ہے — مجھ کو پڑی اپنی اب جستجو ہے
 ڈرتا ہوں محبت مری اظہار نہ ہوئے — کچھ سے کہیں آزرہ وہ دلدار نہ ہوئے
 دل کو مرے ہرگز کبھی آرام نہ ہووے — آغوش میں میرے جو دل آرام نہ ہووے
 یہ مشت خاک اڑ جاتی ہے جب جنوں سے ملنے کو — گولے آگے آتے ہیں اسے لینے کو ناموں کے
 کیونکہ ہروے گی زندگی اب آہ — دل کی نوبت تو جان پر آئی
 نہیں کیا دل سلامت اس میں پایا — لیکن اس رشتہ کی کیا دل شکن ہے
 چمن میں قدرے ترے طرح جلوہ جب ڈالی — تماں و گل نے کہا تہ قلہ العالی
 ڈرتے ہو دامن آہ کے شعلہ سے جل نہ جاؤ — عاشق کی خاک پر نہیں آتے میاں کبھی
 کوئی اپنے امیرن سے تفاضل یوں بھی کرتا، — قفس میں مرے یہ خبر صیاد کو پہنچے
 سحر روتے لہو اور کرتے شام آور ساگری — کبھی تو نے نہ پوچھا آہ اس مخلص پہ کیا گزری
 مخلص سا وفادار کوئی ہم نے نہ دیکھا — اس طور کا بندہ نہیں ہوتا ہے خدا سے

رباعیات

رہتا ہے غضب مجھ پہ تو ہر شام و بچاہ کرتا ہے تونایت مری گردن پہ گناہ
تمہید نہیں اتنی بھی ظالم درکار مطلوب اگر سر ہے مرا بسم اللہ

ناصح میں عجب دیکھی مر دت تیسری عاشق کے ستانے میں ہے رغبت تیری
دل غم سے نہیں بھرا ہے اتنا میرا جو اس میں ہوا وہ یہ نصیحت تیری

۲۵۲۔ مایل، دہلوی۔ محمدی۔ دریں زماں کہ عہد شاہ عالم بادشاہ است
در مرشد آبادی گزراند از دست: ۲ شعر

۲۵۳۔ مایل، عظیم آبادی۔ میر بہایت علی۔ سیاحت بلاد کن نمودہ و از
ایام صبا الی یومنا ہذا مایل ریختہ گوی بودہ گویند بسیار مثل
بہ عشق مجازی ست۔ بدیں جہت مایل بتامل تکمیل اس فن
نمی شود۔ بہتانت و سلامت طبع انصاف دارد از دست ام شعر
۲۵۴۔ مسکین، عظیم آبادی۔ لالہ تھقل گویند اشعار بسیار گفتہ۔ اما نصیبہ از
تحسین نیافتہ از دست:

روئے زمیں پہ جتنے بے یا و حق ہیں پھرتے
وے آدمی نہیں ہیں مائی کی مور تیں ہیں

۲۵۵۔ منتظر، الہ آبادی۔ خواجہ بخش اللہ گویند۔ در سال یک ہزار و یک صد
و نو ہجری بہ عظیم آباد آمدہ، باز بموطن خود رفت۔ سلیم طبع و

دردمند و خلیق بود از دوست : ۳ شعر

۲۵۶- مرزائی - محمد علی خاں ولد نعیم اللہ خاں از مکان و منسلکان
وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ بود - طبع موزوں و مناسبت

در موسیقی داشت - از دوست : ۲ شعر

۲۵۷- مخلص ، بدیع الزمان خاں بحسن صورت و سیرت موصوف - در
سرکار نواب شجاع الدولہ وزیر ممالک بود - گاہے ریختہ

منظوم می نمود از دوست :

۲۵۸- محشر ، موطن کشمیر و مکش لکھنؤست طبع موزوں نے دارد
از دوست :

۲۵۹- مقتول ، الہ آبادی - کاظم علی -

۲۶۰- مجذوب ، دہلوی - مرزا غلام حیدر - بہت زیادہ اور اسم صفا

کیا ہے - ۳ سطر ۶ شعر

مجزوب مخلص ، میر غلام حیدر نام - شاہ جہان آبادی - بیاض تاج شعراے بلند مقام ، میرزا
رفیع سودا شاعر شیریں کلام کا ہے - آشنا پرستی اور یک رنگی کے ساتھ موصوف ، درد دل و
گداز طبیعت میں مشہور و معروف - نظم ریختہ میں صاحب دیوان ہیں اور حسن ترکیب میں ناظم رنگین
بیان - تلاش سے معنی تازہ کے حتی الامکان نہیں گزرتے ہیں ، اور باز غصے سے مضامین مشہور
کے حتی المقدور کنارہ کرتے ہیں - دود دیوان جواب میں میر تقی میر کے انھوں نے کہے اور
مقدور بھر سرائیام جواب سے غافل نہیں رہے - غرض بالفعل کہ ۱۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری
میں ساتھ عشرت معاش کے لکھنؤ میں جیتے ہیں مصرع سخت دل کھاتے ہیں اور خون چکھتے ہیں -

یہ منتخب افکار اس ستودہ اطوار کا ہے :

خوبیاں سے جو دل ملا کرے گا دھڑکا ہے یہی کہ کیا کرے گا
عداوت سے تمھاری کچھ اگر ہوئے تو میں جانوں بھلا تم زہر ہے دیکھو اثر ہوئے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شبیہ وصل کی تھوڑی تم اپنی زلف کو کھولو سر ہوئے تو میں جانوں
آئے ہی مسحا مے بالیں یہ تو کیا ہو بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو

اشک آنکھ میں ہو عشق سے تامل میں غم ہے یہ گھر ہے وہ خراب کہ آتش میں غم ہے
چھوٹے اگر نقش سے تو خاموش ہم صغیر صیاد نے عنایہ ترانا تو ہم ہے

۲۶۱۔ محترم ، دہلوی ، خواجہ محمد محترم برادر خواجہ محمدی خاں مرحوم در
عالم محبت یکتا و میوز دنی اشعار طبعش رسا بود۔ در مرشد آباد

از مسلکان عالی جاہ نواب میر محمد قاسم خاں مرحوم بود۔

از دوستان معارف آگاہ شاہ گھسیٹا و راقم آئم ست۔

(۲ شعر)

۲۶۲۔ مضمون ، سید امام الدین خاں پدش سید معین الدین سرچو کی سالہ

والا شاہی بود۔ (۲ شعر)

۲۶۳۔ مصحفی - بہت زیادہ اور بہت اہم اضافہ کیا ہے۔ (۳ سطر۔ ۱۲ شعر)

مصحفی تخلص غلام عبدانی نام ساکن امر ہے کا۔ اپنی قوم کا اشراف ہے، پرجہ توبہ
ہے کہ گفتگو اس کی بہت صاف صاف ہے، بندش نظم میں اس کے ایک صفائی و شیرینی ہے
اور معنی بندش میں اس کے بلندی اور رنگینی۔ ایک مدت شاہ عالم بادشاہ غازی کے عہد
سلطنت میں نقیم شاہ جہاں آباد کار رہا ہے۔ بالفصل کہ ۱۱۵۰ بارہ سو پندرہ ہجری میں ایک

چودہ برس سے اوقات گھنٹوں میں بسر کرتا ہے، ضیق معاش تو وہاں ایک مدت سے نصیب
اہل کماں ہے، اسی طور پر درہم برہم اُس غریب کا بھی احوال ہے۔ دیوان اس عزیز کا
بھرا ہوا نظم کے جمیع اقسام سے ہے۔ یہ اس کے منتخب کلام سے ہے:

پیری میں اور بھی ہوئے غافل ہزارِ حیف بے اختیار لے گئی ہم کو یہ خوابِ صبح
ہوئی ہے بسکہ یہ فصلِ بہارِ دامن گیر چلیں چین سے تو ہوتا ہے خارِ دامن گیر
سمجھ کے رکھیں قدیمِ دل جلوں کی تربت پر مبادا ہو کوئی تیرا شہرِ دامن گیر
آگیا خط پہ سرمونہ گیا نازِ مہنوز ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط اندازِ مہنوز
ایک دن روکے نکالی تھی وہاں کلفتِ دل اب تلک نہ من صحرا ہے غبارِ آلودہ
ز بس آئینہ رو ہے طفیلِ حجام نہیں بن دیکھے اُس کے۔ دل کو آرام

جو دکھیں آنکھیاں وہ گوری گوری بنا خود رشید پانی کی کٹوری

وہ جس کے روبرو ناکہ آیا اُسے حیرت نے آئینہ دکھایا

ملا جب آئینہ کو ایسا نائی بنائی چارہ ابرو کی صفائی

نہ کیسے خامہ مو اُس کی تنہا کہ وہ ہے عاشقوں کی ناک کا بال

سے ہر مضمحل اب تو بھی فی ہجا منڈا کر سر کو جو جا فارغِ ابال

۲۶۴۔ محب۔ دہلوی۔ شیخِ دل اللہ از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا

و دوستانِ مہربانِ رندست۔ شہیدہ شد در فرخ آباد بسری برد

از دوست۔ ۲ شعر

۲۶۵۔ منشی۔ غلام احمد از تلامذہ مرزا مظہر جانجاناں صلحِ قصبہ داوری

از مضافات سرکارِ ناولست۔ پیشہ واقفِ تخلص داشت

طبعش در نظم فارسی در بخت رسا و نثر از زیبای نوید

از دوست؛ (۲ شعر)

۲۶۶- مجروح - نشی کشن چند - صلس کشمیر و مولدش ہندست از تربیت
یافتگان مرزا مظہر جان جاناں ست۔ الحال کہ سال یک ہزار و
یک صد و نو دوشش ہجری ست۔ در لکھنؤ بغرت می گزرا ند۔
از دوست -

۲۶۷- محبت، دہلوی - مرزا حسین علی بیگ ابن مرزا سلطان بیگ باشد
مغل پورہ شاہ جہاں آباد۔ (۱۰ شعر)

۲۶۸- مروت، سبہلی خلف شیخ محمد کبیر طیب از نسلکان نواب فیض اللہ
خاں و شاگردان ہجرت تخلص ست الحال کہ ۱۱۹۶ ہجری
باشد شیندہ شد کہ در رام پوری گزرا ند از دوست؛

۲۶۹- محبت - نواب محبت خاں آخر میں کچھ اضافہ ہے
لیکن یہ چھوڑ دیا ہے کہ؛

” در لکھنؤ اقامت و مراسلہ بار اقم دارد چنانچہ

در کمال محبت اشعار خود با مثنوی موسوم با سرار محبت

کہ حکایت عشق فرستادہ“ (۱۰ اسطر، ۷ شعر)

محبت تخلص، نواب محبت خاں نام۔ خلف ارشد نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں
کے ہیں، حسب و نسب کی طرف سے کثرت شہرت کے باعث تیس محتاج بیان کے ہیں جو ان
خوش ظاہر و خوش رویوں، اور خوش اخلاط و خوش خوی خلق سے معمور اور مروت

جو اس مردی کے ساتھ مشہور۔ نقطہ خوش مزاجی غلطی کے باعث انہوں نے شیوہ سخنوری کا اختیار کیا اور خوش استعدادی طبعی کے سبب طبع بیگانہ خو کے تئیں لطافت معنی سے یار کیا جمیع اقسام نظم میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے اور صلاح سخن کی میرزا جعفر علی حسرت مخلص سے لی ہے معاصرین اپنے میں مشہور ہیں ساتھ خوش بیانی کے، اور روشن طبیعتوں میں شہرت رکھتے ہیں ساتھ روشن زبانی کے۔ قصہ سسی پنو کا فرمانے سے تمنا الدولہ مسترجا نین بہادر کے انہوں نے نظم کیا ہے اور نام اس شہزی کا اسرار محبت رکھا ہے۔ بعد نواب حافظ رحمت خاں کی شکست کے، جو لکھنؤ میں آئے، تو اسی ایام سے بس طور بود باش کی وہیں ٹھہرائی۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت اعزاز و اکرام کیا تھا اور مشاہیر بھی معقول کر دیا تھا۔ بالفصل کہ ۱۲۱۸ء بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، اُسی شہر میں بود و باش رکھتے ہیں، اور مضامین تازہ کی ہمیشہ تلاش رکھتے ہیں۔ دیوان ان کے نظم کے سب اقسام ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب کلام ہیں:

دل بیتاب کو آرام نہیں آنے کا	جب تک وہ بت خود کام نہیں آنے کا
دیوے قاصد کس پیام نہیں آنے کا	مجھ کو خطرہ ہے خدا یہ نہ کرے جو اس کا
صبح آوے گا تو پھر شام نہیں آنے کا	کیا خوشی کیجئے یار و کوہ خورشید رقا
یا کہ سیکھا ہے ہی شیوہ ستم گاری کا	کوئی ڈھب بھی تجھے آتا ہے وفاداری کا
کیا ہی اغیار کو دعویٰ تھارتی یاری کا	دیکھا اک جھڑکی میں لے یار کوئی بھی ٹھہرا
میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا	قید ہو بیٹھے ہوا دونوں جہاں سے آزادی کا
میرا غبار کیجیو برباد اس طرح کا	دشمن کی آنکھ میں بھی پہنچے نہ لے صبا ملک
سنتے ہی ٹھکانا نہ رہا ہوش کسی کا	نہ کو جو محفل میں ہوا دوش کسی کا

شب کہ مجلس پنج وہ غارت گر ہر خانہ تھا — تھے جو باہم آشنا ایک ایک سے بیگانہ تھا
 جس گھڑی مگر و مرے تو جلوہ فرمانے لگا — غنچہ تصویر بھی خجالت سے مرجھانے لگا
 یہ بڑھا دیوانہ پن اپنا کہ ناصح دل ہوا — تھا مرا ہم درد لیکن مجھ کو سمجھانے لگا
 عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے — آج چہرہ مرا بکال ہوا
 تیری گلی سے دل افکار جو گیا سو گیا — عدم کے کوچہ سے لے یا ر جو گیا سو گیا
 تو اُس کے گھر کو تو ہنستا ہوا چلا لے دل — یہ ہے وہ قہقہہ دیوار جو گیا سو گیا
 دل جو جاتا ہے چلا جائے کہیں مجھ کو کیا — اُس کی رسوائی کو کہتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
 چشم حیراں سے کہاں دل کو ملے لذت دید — مری آنکھیں جو تجھے دیکھ رہیں مجھ کو کیا
 منزل اول ہے ابھی عشق کی اے تاب توں — چھوڑ جاتے ہو تم افسوس نہیں مجھ کو کیا
 دل دیں گے روغمانی دستور ہر ہمارا — کیا کیجئے یہی کچھ مقدور ہے ہمارا
 اللہ سے بیکسرتا نہیں سخن بھی — یہاں تک بٹ عزیز و مغرور ہے ہمارا
 جاتے ہیں جلد چھینکے تو سن کو عمر کے ہم — کیا کیجئے محبت گھر دو ہے ہمارا
 غیر کو یاد تو زہن سار نہ رکھ لے پیارے — بھول جا مجھ کو بھی لیکن یہ مری بات نہ بھول
 دید زمانہ کرتے ہیں ہم چشم خانہ میں — آرٹا ہے اپنا مرغ نگہ آشیانے میں
 دل خشک ہو کہاں سے بہیں نہ چشم سو — قرارہ تب چھٹے جو ہو پانی خزانے میں
 نغمہ میں دم ترے پاس آنے کا ہم نہ کہتے ہیں — دم میں دم جب تنگ اپنے ہی یہ دم رکھتے ہیں
 آپ کچھ غیر دل کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں — یہ جو جھوٹ ہووے تو ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
 سرخی اشک کبھی اور کبھی زردیے رو — تو نے لے عشق عجب رنگ دکھایا مجھ کو
 بیٹھے دیوے نہ وہ بزم میں اپنے جو مجھے — تو اٹھا لیجیو اے باجر خدا یا مجھ کو

ساتی ہیں گھٹا جو برستی نظر پڑی یاد آئی ہے وہیں دیں سستی نظر پڑی
 بوسے کی بھی عوض نہ خریدی بیضیں ہائے اُس کو متاعِ دل مری سستی نظر پڑی
 یا تھا فلک پر اُس کا دماغ اب ہر خاک پر دل کی عجب بلندی و سستی نظر پڑی
 تنہا یا رستے ہیات کہنے میں نہیں آتی غرض یہ کیا کہوں کچھ بات کہنے میں نہیں آتی

محسوس

کون سے روز میں سرنگ سے مارا نہ کیا ہجر میں تیرے میں کب جیب کو پارا نہ کیا
 پر مرض کا مرے تو نے کبھی چارا نہ کیا دردِ دل سے تو میں کس رات پکارا نہ کیا
 نہ کیا میری طرف تو نے گزارا نہ کیا
 یوں ہی آنکھ سے محفل میں تھلے سے ہم تو آپ کے دیکھ چکے سب سے اٹھائے ہم تو
 مر گئے ہائے اسی رنگ کے مارے ہم تو آگے گور کے اس غم سے کناہے ہم تو
 تو بھی غیروں سے میاں تم نے کناہے کیا

ولہ

سناری شبِ ہستی ہی مجھ میں اور دلبر میں خوشی کہ آسے میں جام بھر بھروں جس وہ مجھ کو کبھی
 لیک حرفِ ناز اُس کا سن نہیں رہ جی میں جی چھڑتا ہوں جب میں اُس کو تب یہ کہتا ہی ابھی
 پاس سے ہم تیرے ان باتوں سے اب آٹھ جائینگے

مثنوی

کسی قصہ پھر بندے سے یہ بات اگر ضائع نہ ہو دے اس میں اوقات
 تو مضمون کر کے اس قصہ کا معلوم یہ ہی مثنوی رکھ کر تو اس کو منظوم

یہ بات اتنے لئے تجھ سے کہی ہے
تجھے اس عشق کے ہیں کار معلوم
پیا ہے تو نے بھی جامِ محبت
ترے اشعار سن کر سب سخاں
سراپا کیا لکھوں اُس شمعِ رو کا
عیاں یوں مومتے سر تھے غبر آلود
دوپٹا چاند تارے کا ذری بات
سما ہوتا تھا یوں جیسے فلک پر
گندھی چوٹی نظر اس کل آوے
بہت سے تھا دلوں کا اُس میں سکُن
نگہ بدِ فلک کی اس جبین پر
دو دنداں آبِ دار اُس سیم بر کے
کروں کیا خوبی لب کی میں تفسیر
تبسم میں نظر اس رنگ وہ آئے
زباں کھولوں اگر وصفِ دہاں پر
کوئے کیا کیا جھکا دے عشق اُس آہ
نہیں گردن کی کچھ توبیف ہوتی
خاسے سرخ تھا یوں پنجبے ماہ
بھلا دوں کس سے نسبت ان گچوں کو
کہ عشق اس کی بہت تجھ کو رہی ہے
محبت کے ہیں سب اسرار معلوم
سراپا تو ہے ہم نامِ محبت
محبت کا اُسے کہتے ہیں دیواں
کہ تھی وہ حسن کا شعلہ سراپا
کہ جیسے شمع کے شعلہ پہ ہو دود
جو اوڑھے تھی کر اپنی پٹیاں صاف
شبِ دیو پر ہیں چلے ہیں خستہ
کہ جوں ماہِ سیہ لہریں دکھاوے
اچھا ہے کہ اک سانپ اور کسی من
کہ اک ابرِ سیہ جیسے ہو تھنہ پہ
کہ سوراخ اُن سے ہیں دل میں گرے
قیامت اُس پہ تھی مستی کی تحسیر
کہ غنچہ جیسے نازاں کا کھل جائے
سخن ہو جائے گم میری زباں پر
جسے چاہ نہ رخ کی اُس کے ہو چاہ
وہ ہے گویا صراحی دارِ مونی
کہ جوں خوش خط لکھیں سرخی سے
جو میداں حسن کے سے لے گئی گو

عیاں وہ گلشنِ خوبی ہیں ہیں یوں کہ جیسے دو انار اک شاخ میں ہوں
 اگر دیکھے انھیں نامرد ذاتی عجب کیا وہ بھی اپنی کوٹے چھاتی
 جو دھن آساق سپیں کاسے ہی یہ حسرت شمع رو رو سر دھنے ہی
 قدموزوں وہ اپنا جیب دکھا جائے اور اس کی قندق پاتک نظر آئے
 تو حیرت ہوں یہ سب کو پر یکھے بن شمشادیں غنچے نہ دیکھے
 جھک غلغل کی مٹی کیا قیامت کہ ہر سو جس سے برپا تھی قیامت
 جو ہوٹک فریش گل پر گرم رفتار رگ گل پشت پاسے ہو نمودار

۲۶۰۔ مرزا۔ دہلوی معروف بہ نواب مرزا بلقرب بہ محمد حسن خاں
 اترام الدواہ بن نواب اشرف خاں نواہ نواب مصداق اللہ
 خان دوران و خواہر زاوہ سید فضل علی خاں بقیہ و برادر
 گہتر رستم علی خاں رستم تخلص ست کہ در حرف الرا مذکور شد
 الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و نو و شش ہجری است
 در بلدہ بنارس اقامت دارد۔ اشعار بسیار از افکار خود بر اقم
 خاکسار فرستادہ از دست۔ (۲۸ شعر)

۲۶۱۔ مرزا۔ دہلوی مرزا علی رضا از قرا تیان نواب حسین الدین خاں
 نائب جہانگیر نگر ست۔ مدتے در صوبہ بہار و بنگالہ گزرا نیدہ
 الحال کہ سنہ ۱۲۹۶ ہجری ست در بنارس بر اقم آثم نمودہ۔ این
 چند بیت از اں جملہ ممتاز ست۔

(۶ شعر)

۲۶۲- مجنوں - شاہ مجنوں از اولاد رائے بشن نامہ دیوان محمد شاہ

فردوس آرام گاہ است گاہے خانی و گاہے مجنوں
تخلص می کند نسبت شاگردی با میر محمد تقی میر دارد
گویند به آرزاده عالی سرو پا برهنه در لکھنؤ بسر می برد
راقم خاکسار درینولا که ۹۶ ساله پیری است اشعار او را
از لکھنؤ طلبیده قلمی نمود از دست (۱۰ شعر)

۲۶۳- مجنوں - حمایت علی - تخلص دہلی و مسکنش مرشد آباد از

شاگردان شاہ قدرت اللہ قدرت تخلص است -
ساتی نامہ بکلم نواب مبارک علی خان مبارک الدولہ
بہادر گفتہ از نظم ریختہ سلیقہ دوستی دارد -
باراقم آتم آتش است از دست (۱۰ شعر)

۲۶۴- معین - بدایونی شیخ معین الدین از تلامذہ مرزا محمد رفیع سودا

فکرش در اقسام ریختہ قادر و رغبت طبعش در مناظرہ و فر
الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و نو و شش ہجرت
شنیدہ شد در لکھنؤ بسر می برد از دست - (۳ شعر)

۲۶۵- مدعا - دہلوی - میر عوض علی - بعفات حمیدہ آراستہ - در عبارت

و انشا و ستے رسا داشته - با حافظ الملک حافظ محبت خاں
مرحوم بہزت می گزرا نید - قصیدہ ریختہ در کتبائی نواب
محبت خاں سلک نظم کشیدہ بغایت تسلط و اقتدار گفتہ و

زبان افغانی داخل آں کردہ از موز و ناس قرار داده است

(۸ شعر)

۲۶۶۔ مدہوش میرنی خان بنیرہ خواجہ محمد باسط مغفور دشاگرد
میر سوزست ہوزونی طبع رغبے بہ نظم ریختہ دارد
از دست :

یہا جس ناز سے تو نے مرادل خدا جانے میں اس کو یا ترادل
۲۶۷۔ مصیب الہ آبادی موسوم بہ شاہ قطب الدین از افاضل و
اولاد شاہ حضرت اللہ الہ آبادی ست۔ بزرگی خان
ایشان عیان ست مشاراً الیہ بصفات حمیدہ موصوف
بہ مسافر نوازی مصروف بود۔ مجھے بار اقم آثم دہشتہ
اکثر بہ نظم عربی و فارسی و گاہے ہوزونی طبع ریختہ می پڑا
از دست :

کون گلشن میں کہو مشک کی بولاتی ہے
کہتے ہیں زلف کے کوچہ میں حیا جاتی ہے
۲۶۸۔ ممتاز دہلوی حافظ فضل علی از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا
در اہل خود ممتاز و مستثنیٰ بود۔ ثنوی در تعریف لاطفی
بہ بحر مخزن اسرار گفتہ فکرش استوار ست۔ از دست۔
(ثنوی کے شعر بھی ہیں — ۱۶ شعر)
۲۶۹۔ مشتاق دہلوی میر حسن الحال کہ عمد شاہ عالم بادشاہ است

عمرش بکھوت رسیدہ و سکونت در فیض آباد اختیار کردہ
 بغرب و انکساری می گزرا ند از دوست (۳ شعر)
 ۲۸۰۔ مشتاقِ عظیم آبادی۔ محمد قلی خاں خلف ہاشم قلی خان ست کہ یکے از
 عمدہ ندیمان نواب زین الدین احمد خاں بہت جنگ بہادر
 صوبیدارِ عظیم آباد بودہ و مشتاقِ مذکور جو اہمیت بہ سلاطین
 ذہن و اخلاق حمیدہ موصوف و بعلم موسیقی ماہر۔ اشعار
 بسیار گفتہ این ابیات از افکار دوست (۴ شعر)
 ۲۸۱۔ منت دہلوی میر قمر الدین -

بہت اچھا اضافہ کیا ہے۔ یہ چھوڑ دیا۔

”از دوستانِ راقمِ آئینہ ست“ (۸ سطر۔ ۳۲ شعر)

منت تخلص، میر قمر الدین نامِ شاہ جہان آبادی سلسلہ ان کے نسب کا ماں کی طرف
 سے سید جلالِ بخاری کو پہنچتا ہے۔ وہ سید جلال جو بیٹے تھے سید عضد نیرودی کے جن کا احوال
 مفصل تذکرہ کاشفی میں لکھا ہے۔ قرابتوں کی تعریف اور پیوندوں کے سبب سے تربیتِ منت
 مذکور نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے گھرانے میں پائی ہے اور کیفیتِ راہِ طریقت
 معرفت کی فخرِ معارفین مولوی فخر الدین قدس سرہ کی خدمت سے آٹھائی ہے۔ عقدے
 فنِ شعر و شاعری کے میر تقی الدین فقیر تخلص کی فیضِ صحبت سے ابنِ پرکھنے، اور میر نور الدین
 نوید تخلص کی برکتِ مجالست سے دینیقے سستی و چستی نظم کے طے ہوئے۔ صفائیِ بند
 و حسنِ بیان میں فی الحقیقت استاد اور موشگافی معنی میں قلم اس کا رشکِ خامہ بہ زاد۔
 زبانِ فارسی میں کلکِ غنیر سلک نے ان کے بہت کچھ لکھا ہے۔ نظم و نثر لاکھ کے قریب لاکھ

بیت کے کلیات ان کا ہے مشنویاں متعدد انھوں نے کہیں اور کتابیں بیشتر تالیف کیں چنانچہ
 شکرستان کر کے ایک نسخہ اس شیریں مقال کا بطور گلستان کے مشہور ہے، اور جواب لکھستان کا
 کہیں تو کیا مقدور ہے۔ ۱۹۱۱ء گیارہ سوا کا نوے ہجری میں دیرانی شاہ جہان آباد کے باعث
 لکھنؤ میں ان کا آنا ہوا، اور میر محمد حسین فرنگی لقب کی بارفروشی کے سبب شائق ان کا وہاں
 ایک زمانہ ہوا۔ بعد چندے مرتبہ گری سے میر مذکور کے ممتاز الدولہ مسٹر بابین بہادر کی سرکار
 میں قوتل انھوں نے حاصل کیا، اور رفاقت میں صاحب مذکور کی لکھنے آکر عماد الدولہ گورنر
 مسٹر مشین جلالت جنگ بہادر کی اعانت کے باعث پیشگاہ نظامت سے صوبہ بنگ کے
 خطاب ملک الشعرا کالیا۔ بعد ایک مدت کے رفیق یہ مہاراجہ ٹکیٹ رائے کے ہوئے اور
 چند ایام زندگی کے اپنے طور پر بسر کئے۔ ۱۹۱۷ء بارہ سو چھ ہجری میں نواب سرفراز الدولہ
 میرزا حسن رضا خاں بہادر اور مہاراجہ ٹکیٹ رائے واسطے کچھ سوال و جواب معاملات کے
 لکھنؤ سے کلکتہ جو تشریف لائے، تو میر قمر الدین منت بھی ساتھ آئے۔ ایک تین چار روز
 تپ محرق ان کو عارض ہوئی، اور بغیر جان کے لئے وہ تپ نہ گئی چنانچہ کلکتہ اس سید
 غریب الدیار کا مدفن ہوا، اور تارستان قیامت وہی ممکن ہوا۔ یہ خلاصہ افکار اس منتخب روزگار
 کا ہے۔

ننگ تارے ہو گئے بہنے سے دریا قہم رہا	چشم میں اپنے تیس اک عمر سے کچھ غم رہا
مے کہہ سے ٹل گئے اہل ہوس پی پی کے جام	انگہیں وہ ہوں کہ اس پیر مغاں میں جم رہا
کو تہ ہے اس کی زلف سے دمت صبا ہنوز	عقدہ ہوا پہ دل کا ہمارے نہ وا ہنوز
گل نکلتے ہیں زمیں سیتی بربگ شعلہ	کون دل سوختہ جلتا ہے تیر خاک ہنوز
گر نقشِ دوئی مٹائیں گے ہم	سچ کہیو کہ کیا کمائیں گے ہم

مصری سے وہ ہونٹ لک دکھا دے کچھ گھول کے پی نہ جائیں گے ہم
اس آنے کا کچھ بھی لطف پیار سے ہر دم جو کہو کہ جبائیں گے ہم
آئینہ دل جو تھا وہ ٹوٹا کیا اب تجھیں مٹھ دکھائیں گے ہم

تنو کوہ آتش کو چھاتی سے پیلتے ہیں کچھ عاشقی نہیں ہے ہم جی پہ کھلتے ہیں
دل ہم ستم زد دل کا ہے واجب الترحم اس نیم قطرہ خوں پر سوز خم جھیلے ہیں
خوان کرم بہ تیرے ہے سیر ایک عالم ہم بے نصیب اب تک پاڑی پیلتے ہیں
منت ایسے کو دل دیا تو نے اے مری جان کیا کیا تو نے

مدعی اس سے سخن ساز بہ ساہو سی ہے پھر تمنا کو بیاں فردہ پاہو سی ہے
ہے مری طرح جگر خون ترا مدت سے اے حنا کس کی تجھے خواہش پاہو سی ہے
تمت عشق عبث کرتے ہیں بھر پر منت ہاں یہ سچ ملنے کی خواہش تو اکٹھی ہے

کوئی اس بد فرما جی پر تھا رے پاس کیا بیٹھے ادھر تک ہم نے دم مارا ادھر تم مٹھ بنا بیٹھے
ہیں سے ہر بان قافلہ اپنی تو رخصت ہے کہ اس وادی میں ہم تو ضعف سے جوں بن بیٹھے
کھٹے لہے جو اس کی زہم میں تو یوں لگے کہنے دکھاتا ہی یہ اپنے پاؤں کیوں ناحق کھڑا بیٹھے
جو اتنی بات سن کر بیٹھ جاویں تو لگے کہنے ہنسی سے کہتے ہی اک بات کے بس پا بیٹھے

ڈاؤے باز یہ بندہ تو منت بد کمانے سے

تکلف پر طرف گرسا کہ اس بت کے خدا بیٹھے

کہاں ہم کو غرض غم دل رو ہے گرہ زیر لب نغمہ آرزو ہے
قدم رکھ گیا کون سینہ پر اپنے گل دلغ میں آج مہندی کی بو ہے
سناتا تھا میں حال دل اس کو منت کہا چل بے میاں سے یہ کیا گنگو ہے

آہرے تری چشم کی کب چھوڑیں یہ شبیہ جب ہم کسی ساغر کو تو آنکھیں نہ دکھاوے
اٹھ جائے کسی کے جو دل صاف سے پردا پھر آئینہ دنیا میں کبھو منہ نہ دکھاوے
بندے کو خدا کے نہیں جزدل شکنی کام کیا سنگ ہے دل شیخ کا اللہ سے پاوے

رباعیات

منت یک بار عشق سے توبہ کر چار و ناچار عشق سے توبہ کر
اب تک مرو و دین موزیا رہنا آجانے دے یا عشق سے توبہ کر

منت جوں شمع دل جلا جاتا ہے رو کا کب غم کا دلولہ جاتا ہے
کیا جانے کیا غلش ہے سینہ میں آج ہر سانس کے ساتھ جی چلا جاتا ہے

منت اے جان ان بتوں کو مت پوچ مت کھو ایمان ان بتوں کو مت پوچ
ان باتوں پر پتھر پڑیں تیسری ظالم اللہ کو مان ان بتوں کو مت پوچ

۲۸۲ - مغموم - موسوم بہ رام جس سے کن لکھنؤ - از دل پرستگان مغموم

عشق و نسلگان سرکار ممتاز الدولہ مسٹر جانن بہادر
دریک ہزار و یک صد و نو و نہ ہجری بار اقم آثم دربار
ملاقاتی شد و اشعار خود را بیاوگا رآ و دتا و تذکرہ اثبات
یابد - ایں ابیات از انجاست -

(۲۳ شعر)

حرف النون

۲۸۳- ناجی - محمد شکر - ایک لفظ اضافہ نہیں (۴ سطر ۱۲ شعر)

ناجی تخلص نام اس کا محمد شکر تھا۔ شاہ جہان آبادی۔ شاہ نجم الدین ابرو تخلص کا معاصر تھا۔ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے وقت میں اس نے شہرت پائی ہے اور بطور قدما کے طرز ایہام میں کرتا طبع آزمائی ہے۔ خوش طبعی اور ظرافت سے بشیر سروکار رکھتا تھا اور عالم کی ہجو کرنا شعار رکھتا تھا۔ شیوہ قدیم میں صاحب دیوان ہے، اور وضع سابق میں شاعر۔ خوش بیان ہے لیکن ازبیکہ غیر مرقع طرز ایہام ہے، کلام ان کا ناقبول طبع خاص عام ہے۔ یہ منتخب اوراق اس کہنہ مشاق کا ہے۔

قوس قزح سے چرچا کرتا ہے تجھ بھول کا شاید کہ سر بھر ہے اب پھر کر آسمان کا
 نہ پوچھو خود بخود اس عارض خورشید کی خوبی لیا ہے داد حسن ماہ مہر و لوں سے کہ جینہ
 بھٹکے باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کیا کیا لے چلا جی کے تیس منہ دیکھتا ہیں گیا
 تری نگاہ کی کثرت سے لے کہاں ابرو ہمارے سینہ میں تو دا ہوا ہے تیروں کا
 مت کر آزاد دام زلف کے دل بال باندھا غلام ہے تیرا
 سخن سن اس سبب کا فردا کا جیا ہوگا کوئی بندہ خدا کا
 رنگ تیرا گندمی دیکھ اور بدن محل سا صاف ہوش کھو کر آدمی بھٹے ہیں اپنی خورد و خواب
 دی ہے دریا اوپر بھٹے چھٹی لا آتا ہے میں اسے کس گھات
 محبت سوں علی کی دیکھ ناجی ہوا ہے دل مرا اب حیدر آباد
 یک بار جو بعل میں لوں اس سرو قد کے تیں بالا بتاؤں غصہ کی عمر ابد کے تیں
 عاشق کو رمتے دیکھ چڑھامت بھول گئے تیں برسات میں آتا رکے ہو کہاں کے تیں

زلف کیوں کھوتے ہو دن کو صنم _____ مکھ دکھایا ہے تو مت رات کرو
 ہی غرض ملے میں نہ آفت کچھ اس بے درد کو _____ پوچھتا ہے کان زر عاشق کے رنگ نہ رد کو
 غم نہیں گرد لہری سے دل کو لے جاتا ہے وہ _____ پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ
 ان ہوں کو ہم فقیروں سے کہو کیا کام ہے _____ یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے
 وظیفہ راگنی کے سر میں زاہد کفر ہی مت پڑھ _____ نہیں تسبیح تیرے ہاتھ میں یہ راگ مالا ہے
 ہوا جب آئینہ میں جلوہ گر میں تب لیا کوس _____ جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ہے
 انا بحق یونے لگتا ہے اس کے زخم کا بھل _____ کٹاری آبدار اس شوخ کی منصور خانی ہے
 اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں _____ عارضی میری زندگانی ہے
 تصور سے ترے رخ کے گئی ہی نیند آنکھوں سے _____ مقابل جس کے ہو خورشید کیوں نہ اس کو خواب دے

۲۸۲۔ نظام۔ مخاطب بہ نواب عماد الملک قازی الدین خاں بہادر

فیروز جنگ ست۔ بعد احمد شاہ بن محمد شاہ بختاب بخشی ملک

دربار عالمگیر ثانی بختاب وزیر الممالک اختصاص یافتہ و

بعد چندے بنیان سلطنت برانداختہ بالجملہ در شجاعت و ہمار

بعض از فنون و سرعت فہم از امرائے ایں عہد ممتاز ست۔

خط را زیبا مینویسد۔ و زبانش با کثر محاورہ آشنا۔ ورنیولا

کہ سال یک ہزار و یک صد و نو و پنچ ہجری باشد شہیدہ شد کہ

از نتائج اعمال بجانب سند در کمال تفرقہ می گزرا نذر شعر

فارسی و ہندی می گوید۔ از دوست :

(۲ شعر)



۲۸۵۔ نعیم دہلوی نعیم اللہ۔ علی لطف نے حاتم کے ساتھ مقابلوں کے ذکر کا اضافہ کیا ہے۔

(۲ سطر۔ ۴ شعر)

نعیم تخلص، نعیم اللہ نام، متوطن شاہ جہان آباد معاصر محمد حاتم حاتم تخلص کا تھا۔ چنانچہ اکثر مشاعروں میں گفتگو میں طنز و ایما کی ان کے درمیان آئیں ہیں اور مکرر غزلیں انھوں نے باہم لڑائی ہیں۔ ایک دن محمد حاتم نے مشاعرے میں یہ غزل پڑھی، اور مطلع میں غزل کے طنز محمد نعیم پر کی ہے

جس دن سے کوئے یار کا حاتم مقیم ہے بدتر اسے خزاں سے بہارِ نعیم ہے
جب دورہ پڑھنے کا محمد نعیم تک پہنچا تو انھوں نے بھی مطلع غزل یہ پڑھا ہے
طلب نہ ہو تو سیلمان کی کچھ بھی ختم ہے لب سوال نہ ہووے تو یہ بیچ حاتم ہے
غرض نعیم مذکور نے مرتے دم تک دلی نہ چھوڑی اور شاہ جہان آباد ہی میں سیر
جنتِ نعیم کی کی۔ ایک دیوان مختصر زبانِ رنختہ میں اس کمن استاد دے ہے۔ یہ اس کے
طبع زاد سے ہے۔

اس وقت ٹک لے یار و گفتار نہ کیجے گا اُس فتنہ عالم کو بیدار نہ کیجے گا
احوال میر اس کے کہنے لگا وہ ظالم اب جائے بس زیادہ نکرار نہ کیجے گا
خیال کر کے ترے موکر کو روتا ہوں وہ کیوں نہ رووے پڑے جس کے بال آنکھوں میں
دیکھ آئینہ خانے میں گر تجھ کو نہیں باور تجھ سے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے

۲۸۶۔ میر غلام نبی بلگرامی خواہر زادہ میر عبدالحیل بلگرامی۔ معلوم

متداولہ و موسیقی ماہر گویند زبان ہندی دوہڑا و چار صد

دوہرہ گفتہ کہ پہلو بہ دوہرے ہمارے می زند

(۲ شعر)

۲۸۷- شمار۔ اکبر آبادی میر عبدالرسول آبائش از منصبداران فرخ سیر
بادشاہ بودند و او بسیار سنجیدہ اطوار و دوستدار میر تقی میر بود گویند
از صحبت میر مذکور بوزنی طبع مشہور شد از دست (۲ شعر)

۲۸۸- شمار دہلوی سدا سکھ۔ از ابیاتش انچہ منظر آمدہ این بیت
امتیازے داشت:

کیا سنگار رجھانے کو کس کے تم نے چشم
کہ بال بال درِ اشک جو پروے ہیں

۲۸۹- ندیم۔ دہلوی شیخ علی قلی استاد شرف علی خاں فغان ست
از دہلی بہرشت آباد آمدہ بہ سکار نواب میر جعفر خاں نسلاک
داشت و ہمداں عمد و فات یافتہ۔ مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام
اکثر می گفت۔ از دست:

بے قرارِ عشق کو سحرِ زندگی نقص کمال
مرحلی سیما بے تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہے

۲۹۰- تاوڑ دہلوی ساکن کوئلہ فیروز شاہ۔ معاصر محمد شاہ مرحوم بغایت
کلم فکر بود از دست: (۲ شعر)

۲۹۱- نالال۔ دہلوی۔ میر احمد علی خود را از تلامذہ مرزا رفیع سودا
می شنود را تم در مرشد آباد اورا دیدہ استعدادے
نداشت از دست: (۲ شعر)

۲۹۲- نالال - عظیم آبادی - میروارث علی خلف میرزا زانی موطنش قصبہ

بہارست - اما سکنہ عظیم آباد اختیار کردہ بسر داری
نیشہ گراں اعتبار دارد - جوان بنجیدہ اطوار از تربیت یافتگان
مرزا اشرف علی خاں فغانست - الحال کہ سال یک ہزار و
یک صد و پنج ہجری باشد در ہماں بلکہ بسر

می برد (۲۵ شعر)

۲۹۳- نجات - دہلوی شیخ حسن رضا بعد ویرانی شاہ جہاں آباد کہ

بر دست احمد شاہ درانی اتفاق افتادہ - وارد عظیم آباد
گردیدہ و دستے در جوار عاطفت عمی حاجی احمد علی قیامت
تخلص بسر بردہ و الحال از چند سال در دہ ہے از دہات
سرکار سارن مضاف صوبہ بہار سکنہ اختیار کردہ - بغایت
سلیم الطبع و بنجیدہ اطوار و از دوستان این خاکسارست
مرثیہ سید اشہد علیہ السلام بیشتر و دیگر اقسام نظم را کہتری گوید
بدین جہت فکرش مرتبہ تمامی حاصل نہ کردہ - این چند شعرا
ازوے ستودہ اطوارست - (۳ شعر)

۲۹۴- نزار - خواجہ مجیر اکرم از شاگردان میر محمد تقی میرست (۳ شعر)

۲۹۵- نالال - دہلوی محمد علی خاں از شاگردان قائمست
تھا منتظر کہ یار کا پیغام آ گیا : قاصد تو آج زور میرے کام آ گیا

حرف الواو

۲۹۶- ولی۔ دکھنی شاہ ولی اللہ۔ اصلش گجرات۔ در شعرائے دکن
مشہور و ممتاز است۔ گویند در زمان عالمگیر بادشاہ بہندو
آمدہ متفقہ از شاہ گلشن گردید۔ از شاہیر ریختہ گویاں، و
اول کسے ست کہ دیوانش در دکن شہر و مدون گشتہ
ایں ابیات منتخب دیوانِ او است:

راں ہی چند الفاظ کا ترجمہ لطف نے
اس طریقہ سے کیا ہے کہ مطلب بدل جاتا ہے! شعر

ولی تخلص، شاہ ولی اللہ نام، دکھنی وطن بزرگوں کا اس کے گجرات ہے شاعر
ہندو مقام تھا۔ اول زبان ہندی میں دیوان اس عزیز نے جمع کیا ہے اور نظم ریختہ کو سرزمین
دکن میں روانہ اس نے دیا ہے۔ شعراء دکن میں مشہور و ممتاز ہے، اور اپنے معاصروں میں
سرہند اور سر فرار۔ عالمگیر بادشاہ کی سلطنت میں ہندوستان کی طرف آیا، اور میان گلشن کے
فیض خدمت سے فائدہ انواع و اقسام کا اٹھایا۔ خوب خوب داد و تماش معنی کی دی۔ آخر
اس بیت بے معنی بے وجہ سے راہ کا نشانہ عدم کی لی۔ یہ اشعار اس سرہند افکار کے
ثبت جریہ روزگار ہیں۔

پھر میری خبر لینے کو صیاد نہ آیا شاید کہ آسے حال مراد نہ آیا

ببل و پروانہ کرنا دل کے تئیں کام ہے تجھ چہرہ گل نارا کا
 آرزوئے چشمہ کوثر نہیں تشنہ لب ہوں شربت ویدار کا
 گزر رہے تجھ طرف ہر بو الہوس کا ہوا دھاوا مٹھائی پر مگس کا
 صحن گلشن میں جب خرام کیا سرو آزاد کو غلام کیا
 پھرتے ہیں سیمست ہوش شیر نظر لے بن بند آن انکوں کو بڑا کون سکے گا
 ہے نقش کناری کا ترے جامہ کے اوپر دامن کو ترے ہاتھ لگا کون سکے گا
 جب تجھ عرق کے دھبے میں جاری قلم ہوا عالم میں اس کا نام جو ہر رقم ہوا
 نقطہ پہ تیرے خال کے باندھا ہی جس نے دل وہ وارے میں عشق کے ثابت قدم ہوا
 خدا نے منہ پہ ترے باب جن باز کیا قد بلند کو تیرے تمام نماز کیا
 تخت جس بے خانان کا دشت ویرانی ہوا سرا پر اس کے گولا تاج سلطانی ہوا
 حسن تھا پردہ تجھ میں سب آزاد طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ
 حاکم وقت ہے تجھ گھریں رقیب بد خو دیو مختار ہوا ملک سلیمان میں آ
 بسکہ مجھ حال سوں ہم سے پریشانی میں درد کہتی ہی دراز لطف سے کان میں آ
 شغل بہتر ہے عشق بازی کا کیا حقیقی دیکھا مجازی کا
 ہر نہ باں پر ہے مثل شانہ رام ذکر تجھ زلف کی درازی کا
 دل صد بارہ تجھ ملک سوں بندھا خرقہ دوزی ہے کام سوزن کا
 آیا ہے نقل لینے ترے منہ کی تاب کی تا خطوط سیتی بنا مسطر آفتاب کی
 بجائے گرشید سر و قد کو بنادیں چوب سے طوبی کے تابوت
 نکلا ہے بے حجاب ہو بازار کی طرف ہر بو الہوس کی گرم ہوئی ہو دکان لہج
 کیا ہے دفع مرے درد سر کو رونے نے ہوا ہے حق میں مرے خون دیہ صندل سرخ
 رحم بے جاسم برابر ہے تو رقیباں اوپر کرم مت کر

جو آیا مست ساقی جام لے کر گیا کیا رگی آرام لے کر
 میں اُس کو جوں نگیں کرتا ہوں سجدہ جو کوئی آتا ہے تیرا نام لے کر
 میں نہ جانا تھا کہ تو نادان ہے دل دیا تھا تجھ کو دانا بوجھ کر
 ہوں گرچہ خاکسار ولے از رو اوب دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنود
 لب دہر پہ جہلوہ گر ہی خال حوض کوثر پہ جوں کھڑا ہو بلال
 صنم کے لعل لب وقت تکلم رگ یا قوت ہی موج بہم
 نہ جا آنکھوں میں آنجھ دل میں لے شوخ کہ ہی خلوت میں اُس کے خوف ہر دم
 ٹپک ولی کو صنم تھکے سے لگا تجھ کو ہے بندہ پروری کی قسم
 اُس کے دہن تنگ کی تعریف کو میں نے صنعت سے ولی دیدہ عقاب پہ لکھا ہوں
 خوبی اعجاز حسن یار گرا نشا کروں بے تکلف صفحہ کاغذ پر بھیا کروں
 کیا کہوں تجھ قد کی خوبی سرور میں صفو خود بخود رسوا ہو اُس کو اور کیا رسوا کروں
 سر کروں جب صفت تیرے جامد گل رنگ جامہ زیبوں کو بہ رنگ جامہ دیبا کروں
 رات کو آؤں اگر تیری گلی میں آجیب زیور لبخ و مسکینان اللہ می امی کروں

آرزو دل میں ہی ہے وقت مرنے کے ولی

سرو قد کو دیکھ سیر عالم بالا کروں

ایک بار اگر بات مری گوش کرے تو ملنے کو قہیوں کے فراموش کرے تو
 غیرت سے کہے چاک گریباں دل پر خوں گرہ گل کی حامل کو ہم آغوش کرے تو
 لے جان ولی وعدہ دیدار کو اپنے

ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

ایسے نصیب میرے کہاں ہیں ولی کہ آج اُس گل بدن کو اپنے گلے ہار کر رکھوں
 خوش قد دل کو بند کر ستمیں نام اپنا بلند کرتے ہیں

اے سامری تو دیکھ مری ساتری کے تئیں شیشہ میں دل کے بند کیا ہوں پری کے تئیں
 صحبتِ غم میں جایا نہ کر دو درد مندوں کو کڑھایا نہ کر دو
 اک دل نہیں آرزو سے خالی برجائے محال اگر خلا ہے
 کیوں کہ کپڑے رنگوں میں تجھ غم سے عاشقی میں لباس ہوتا ہے
 رہیں گے خاک ہو تیری گللی میں وقاداری ہماری اس قدر ہے
 دیکھنا تجھ قد کا لے نازک بدن باعثِ خمیازہ آنغوش ہے
 اب خلاصی عشق سے ممکن نہیں دامِ دل زلفِ دوامی پوش ہے
 نشہ بخش عاشقاں ہا تہی گلفام ہے جس کی آنکھوں کا تصویر بخودی کا جام ہے
 منطی سب بہار کھوتی ہے عشق کا اعتبار کھوتی ہے
 ترا منہ مشرقی حسن انوری جلوہ جالی ہے لبس جامی جس فردوسی وابر دہلالی ہے
 مت تصور کرو مجھ دل کو کہ بہر جانی ہے چمن حسن پری رو کا تماشائی ہے
 گلِ رفاں کیوں نہ کہیں تجھ کو سکندر طالع جلوہ گرہیں ترے جامہ دارانی ہے
 شمعِ منت گھرسوں گل آج تو خواباں کے حضور گول دستار ترا باعثِ رسوائی ہے
 اے ولی سہتے کو دنیا میں مقامِ عاشق
 کو چہ یار ہے یا گوشہ تنہائی ہے
 دل چھوڑ کے یار کیوں کہ جاوے زخمی ہوشکار کیوں کہ جاوے
 چھوڑے شوخ طہر ز خود کامی مت ہو مریدہ باز کا دامی
 جب تک نہ ملے شراب دیدار آنکھوں کا خمار کیوں کہ جاوے
 تجھ لب زلف کے تماشے کو چل کہ آئے ہیں مصری و شامی

۲۹۶ - ولایت، دہلوی نام گرامیش میر ولایت اللہ ابن میر باقی

خوشتی از مریدان حضرت خواجہ جعفر و برادر کلان محترم علی خاں
حسنت مست بہ شجاعت و مروت و استقلال از نوادہ
روزگار بود۔ اس خاکسار را ہنگام فترات نواب میر محمد
قاسم خاں مرحوم بآل سید عالی مقدار اتفاق ملاقات و داد
بنایت و قار و عزت مشاہد افتاد در سن کمولت بعد دولت
نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم حلت نموده ای
ابیات یادگار اوست۔ (۳ شعر)

۲۹۸۔ وارث، الہ آبادی، محمد وارث بخش فکری انصاف دشت

راقم آثم در فترات نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خاں مرحوم
اوراد الہ آباد دیدہ است بہرہ از علوم رسمہ داشتہ۔

از دوست۔ (۴ شعر)

۲۹۹۔ ولی دہلوی۔ مرزا محمد ولی۔ اخلاص نہ نہیں کیا مطلب

خط کر دیا ہے۔)

(۳ سطر، ۱۵ شعر)

ولی تخلص، میرزا محمد ولی نام متوطن شاہ جہان آباد کے بھتیجے ہیں۔ شاہ ہزار
صاحب ارشد کے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے احوال اس
نخستہ کردار کا کہ جوان آزاد حال اور دوست ہے اس خاکسار کا۔ ۱۹۲۲ء گیارہ سو
چورانوے ہجری میں بلدہ مرشد آباد کے اندر جائے فرار رکھتے تھے، اور بیشتر شغل
اشعار، زبانِ ریختہ میں انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے، اور دیوان بھی ان کا منتظم ہوا،

یہ منتخب افکار اُس ستودہ اطوار کا ہے:

نشہ میے سے مرا پڑ مردہ دل گلشن ہوا ————— یہ چراغِ مردہ فیض آب سے روشن ہوا
دل تجھے منظور ہو اُس کا اگر دیکھنا ————— جان سے دھو ہاتھ کو تب تو ادھر دیکھنا
زلف کو ہے کھولتا اپنے وہ منہ پر ولی ————— ملتی ہے آپس میں اب شام و سحر دیکھنا
آہ کا اُس کو کچھ اثر نہ ہوا ————— میرے اس نخل میں ثمر نہ ہوا
بے کسی پر مری کہے کوئی ————— تجھ جن اے تالہ لوحہ گر نہ ہوا
صحبتِ نیکان کرے دل میں بدوں کے کیا اثر ————— قند کب شیریں کرے ہوئے اگر بادامِ تلخ
کیا تمنا اُس شکر لب سے تو رکھتا ہر ولی ————— ہو گیا فرما د کا شیریں سے آخر کامِ تلخ
تھی آشنا نہ تیغ سے اُس کی کمر ہنوز ————— ہم تب سے ہاتھ پر لئے پھرتے ہیں سر ہنوز
آنکھیں بھی انتظار میں پتھر اگیں ولی ————— قاصد پر اُس صنم کی نہ لایا خبر ہنوز
میری زبان تر سے نہ ہوتا زہ کام خشک ————— کب سیر آبِ تیغ سے ہووے نیام خشک
کبھی جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے ————— اسی امیدیں گزری ہے صبح و شام ہمیں
زندگی کی اُس نے کچھ لذت ولی جانی نہیں ————— جس کے دل میں دردِ عشق دہر جانی نہیں
چاہے کیوں کر کہ یہ جی تن سے نکل جانے کو ————— پھر نہ آیا جو گیا اُس کی خبر لانے کو
چماں گر کروں دل کے سونہر نہاں کو ————— لگے آگ جو شمعِ میری زباں کو
کبھی درد کی چاشنی کو نہ بھولے ————— مہما کھاوے میرے اگر استخوان کو
حدر سے زیادہ رشتہ الفت ہی مختصر ————— ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑے اب جدا گرہ
ہجر کی مارے ہی ڈاٹے چربِ تار مجھے ————— کب دکھاوے گا خدا صبحِ یار مجھے
دانہ خال دکھا کر کیا تو نے صیاد ————— زلف کے دام میں آخر کو گرفتار مجھے
جس جگہ عشقِ رخش تاخت ہے ————— وہاں رستمِ حواس باختہ ہے
نکہ گرم سے پری رو کے ————— نیشہ دل مرا گداختہ ہے

جوان اہل میگوں سے مدہوش ہووے اُسے ہر دو عالم فراموش ہووے
 بند تباہی میں جو وہ یار واکرے لے برگ گل کو ہاتھ میں پنکھا صبا کرے
 ۳۰۰۔ وفا۔ لالہ نون رے نہیں برادر راجہ گلاب راسے دیوان الدولہ
 نجیب خان ست شتال پختیل فضائل داشتہ طبعش مائل

نظم افتادہ ست ازوست: (۲ شعر)

۳۰۱۔ وحشت۔ دہلوی۔ میراج حسن نیرۃ تیر انداز خاں از شاگردان
 مرزا محمد رفیع سودا است: (۲ شعر)

۳۰۲۔ وحشت۔ میر بہادر علی۔ ۱۔ منڈکان سکرنواب وزیر الممالک
 شجاع الدولہ مرحوم بود گویند بارہ ماسہ بطور کبٹہ کمانی
 گفتہ۔ اما بنظر مولف ز سیدہ ازوست: (۲ شعر)

۳۰۳۔ واقف۔ دہلوی شاہ واقف از درویشان صاحب کمال ست
 بہرہ از علوم ہمیہ دارد و رعند ولت نواب وزیر الممالک
 شجاع الدولہ بہ تہمت خواندن دعوت در پیرہ سپاہیان
 افتادہ بود و دران حال غزلے گفتہ مطلعش نیست:

وقت آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پیرے میں

بے خطا پیرے میں اہل خطا پیرے میں

آخر کار از قید نجات یافتہ۔ الحال کہ یک ہزار دیک صد و نو د

چار ہجری باشد در خصوصاً تاسمت دارد ازوست: (۱۸ شعر)

۳۰۴- وصل - مرزا اسحاق ولد حاجی البرہم ابن آقا مدبر مصفا فیست
از مدتے در لکھنؤ بسر می برد و نسبت شاگردی بانشاہ مولیٰ وارڈ
الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و نو دہشت ہجری است
اشعار آں ستودہ اطوار از لکھنؤ طلبیدہ مرقوم نمودہ شد
اکثر مثنوی گوید و گاہے بغزل ریختہ می پردازد۔
این اشعار از دست : (۶ شعر)

۳۰۵- وہم - میر محمد علی خلیف میر محمد تقی خیال کہ صاحب بوستان خیال
دیرین وزہا در لکھنؤ می گزرا ندو در سرکار نواب زیرالما ملک
آصف الدولہ بہادر انسلاک دارد۔ از دست :

جا کے اُس سے اتنا اب کوئی
ہے ترے غم سے جاں لب کوئی

۳۰۶- والہ - دہلوی میر مبارک علی سپہا رشد شاہ قدرت اللہ قدرت
تخلص است از غلام طاہر اصلا بہرہ منڈیت اما بخص
موزونیت طبع و فیض صحبت شاہ مذکور ریختہ
می گوید و در مرشد آباد اقامت دارد۔ از دست
ہوئی ہے مشتعل میسر دل بیتاب میں آتش
نہ دیکھی تھی کسی نے اب تلک سیاب میں آتش

حرف الہا

۳۰۶۔ ہدایت۔ دہلوی شیخ ہدایت اللہ (کوئی اضافہ نہیں)

(۳ سطر ۸۵ شعر)

ہدایت تخلص شیخ ہدایت نام اس مرد کا۔ شاہ جہان آبادی معتقد اور شاگرد خواجہ میر درد کا ہے۔ ایک مثنوی انھوں نے بنارس کی تعریف میں بہت خوب لکھی ہے اور داد مضمون تراشی کی دی ہے۔ شاعر فصیح بیان ہے اور ناظم شیرین زبان۔ دیوان مختصر زبان ریختہ میں طبع زاد ہے اس کے ہے اور گم شدگان راہ معنی کو بیشتر ہدایت اس کن استاد ہے یہ منتخب کلام اس شاعر بلند مقام ہے۔

جب لوں ہوں ترا نام ٹپاک پڑتا ہی آنسو جس طرح کہ سہرن کا ڈھک جاتا ہے منکا
جسے کہ زلفِ سیہ نے تری دسا ہوگا غرض وہ مری گیا ہوگا کیا جیا ہوگا
جوں غنچہ ترے وصف میں ہوں سرگیاں ہے صف میں زبان پر نہیں مقدور سخن کا
نہ رحم اس کے ہے جی میں دل میں اپنے صبر ہماری گزرے گی کیونکر الہی کیسا ہوگا
ہو گیا ہوں میں زرد جوں خورشید ظاہر اوقت ہے اخیر مرا
مستام صبر و دل و دیں تو یار لوٹ گیا نہ خلف وعدہ کیا پر ترانہ چھوٹ گیا
بلا ہی زور ہے اس دختِ رزکالے ساتی خمار جس کا مرے ہاتھ پاؤں کوٹ گیا
ملا ہے جا کے یہ آخر کو سادہ رویوں سے اگرچہ آئینہ تھا دل یہ ہم سے پھوٹ گیا
ہے آدمی کو بھی قیدِ حیات اک زنداں کسی نے خوب کہا ہی میرا سوچوٹ گیا
آتش سے داغ دل کی سراپا میں جل گیا گلزار بچوے کیا کہ بدن سرا پہل گیا
دو دے ہے کیا جوانی پر اپنی کہ بے خبر شب کیا گزرتی ہے کہ اب نہ بھی دھل گیا

لب پر ہزار حرف شکایت کا تھا، هجوم
کھڑے کو دیکھتے ہی پہ کچھ دل بہل گیا
ہر سخت دل لگے کامرے ہار ہو گیا
گل تھا پر اپنی چشم میں یہ خار ہو گیا
ہے کس کے جی میں خواہش سیر حین نہاں
سینہ تمام داغوں سے گلزار ہو گیا
آیا ہوں تنگ کش مکش دام زلف میں
یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا
بوسہ طلب کیا تھا فقط اور کچھ نہیں
میں اتنی بات کہتے گنگار ہو گیا

کچھ ان دنوں ہے حال ہدایت تراباہ
کیوں میری جان کیا تجھے آزار ہو گیا

عالم کو تیری چشم نے بیہوش کر دیا
جس کی طرف نظر گئی مدہوش کر دیا
جاتا رہا ہوں آپ بھی میں اپنی یاد سے
کیا جانے کہ کس نے فراخوش کر دیا
مجلس میں اس کی رات ہدایت سوز
یہاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا

نے جم رہا جہاں میں نہ یہ جام رہ گیا
مردوں کا اس جگہ میں مگر نام رہ گیا
کوئی پھر نہ ملک عدم سے تو اب ملک
پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا
دیکھا جو تیرے چشم و دہن کو شرم سے
متھ اپنا لے کے پستہ و بادام رہ گیا
آتی ہے آج تجھ سے تو کچھ اور بوسیم
رات اس حین میں کون گل اندام رہ گیا
کیا دن تھے وہ بھی آہ ہدایت کجی تو
راتوں کو اپنے پاس وہ کلفام رہ گیا
مدت ہوئی ہے اب تو ملاقات بھی نہیں
آنے سے بلکہ نامہ و پیغام رہ گیا

اک دن بھی مہربان نہ وہ بے وفا ہوا
لے آہ و نالہ سحری تم کو کیا ہوا
ہر ایک دانہ انگور یہاں شراب ہوا
وے یہ آبلہ اپنا نہ کامیاب ہوا
نہ صحن باغ میں لگتا ہی جی نہ صحرا میں
ہوا ہوں آہ میں یار بس کس سخن سے جدا
دیکھا اس کی چشم مت کو دل تو بہک گیا
بس میری جان دہی ہیا لوں میں چھک گیا
دیکھا نہیں ہی ہم نے ہدایت کو ان دنوں
شاید کسی جگہ پہ اس کا ملک گیا

عشق میں خراباں کے ہی طرزِ ستمگاری بہت آہ دلزاری ہی کم بیاں اور آزاری بہت
 مار ڈالا ہند کے کافر اداؤں نے ہمیں حسن میں ان کے نمک اور طرح داری بہت
 نہ ملے کارواں سے ہم لے وائے گرچہ کتنا جس چکار رہا
 یار ہو ہم میں ہدایت جلوہ گر جس طرح ہو گوہر بکتا میں اب
 پر نہیں معلوم ہرگز آپ کو اب میں دریا ہے یادِ ریا میں اب
 تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات روتے روتے ہی گزری ساری ات
 دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو پر ہدایت چشم تر کا کیا علاج
 کتنی ہی نہیں یہ ہجر کی شب یارب کیا آج سو گئی صبح
 تو نے گر قتل کیا ہم کو صنم خوب کیا ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہگار تھیں ہم
 قیس دوں مر گیا فرما دکی وہ شکل ہوئی آہ اس کوہ و بیاباں میں کئی یا ر تھیں ہم
 تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سننے ہو اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سننے
 عصا لے ہاتھ آئی سن مجھے گلشن میں آئی ہو یہ نرس باوجود اس کے کہ ہر معذور آنکھوں سے
 چلی مسک رہی ہو اور آنکھیں ہیں ترمسی سچ کہیو ہم سے رات پیارے کہاں رہے
 کرتا نہیں ہے جانے کو دل کو نئے یار سے گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یہاں رہے
 کیا خاک کو مری کہیں گلشن میں جانہ تھی پر چشم تجھ سے ہائے مجھے یہ صبا نہ تھی
 سیرچوں ہوا ورے وصحت و طرب ایسی گئی کہ ہم سے گویا آشنا نہ تھی
 گلشن کو دوستی کے میں دیکھا چمن چمن جز بولے خونِ دل کہیں بولے وفانہ تھی
 ضعیف سے بیٹھائیں جوں نقشِ قدم تو کیا ہوا گرد باد آسامری طلیت میں ہے آوارگی
 ہوتے جب صد عیش و عشرت ہم کو تیرا دید ہے مل گئے جس فن گلے تیرے اسی دن عید ہے
 دل مرا کیوں کر ہو غافل گور سے گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے
 آنکھوں سے آنسو کبھو تھمتا نہیں چشم بھی کیا کم ہے یہاں سور سے

دل نہ کر تو شکوہ جو رہتاں فائدہ کیا یا راس مذکور سے
 گرت یہی جور اور جفا ہے بندے کا بھی لے تباں خدا ہے
 غرض یہی ہے مجھے اشک کے بہانے سے کہ مہرباں ہو وہ یارب کسی بہانے سے
 بزرگ اشک آسے آبرو ہے دنیا میں جو اپنے گھر میں ہے محفوظ آب و دانے سے
 وہ کیا کرے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی دگر نہ فائدہ اس کو مرے ستانے سے
 کہیں جو مہر و وفا ہو جہاں میں یا اخلاص الہی اٹھ گئی یہ رسم کیا زمانے سے
 میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو مثل حلقہ در یہ سر لگے مرا اس کے آستانے سے
 آنکھوں نے تری جس کے تیں مت کیا ہو وہ شور قیامت سستی ہیشا رہ نہ ہو دے
 آتا ہے مجھے رحم ترے حال پر زار ہر لے دئے اس اوپر کہ جوئے خوار نہ ہو دے
 کیا کہوں تجھ سے ہدایت کہ درمی شام و سحر یاد میں زلف و رخ یار کے کیوں کر گزری
 دن گزرتا ہے مجھے روز قیامت سے دراز رات گزری تو شبِ مرگ سے بدتر گزری
 پختہ مغز ان جنوں سے ہر کسی کو جنگ ہے جو ٹمٹکا سو پامال جھائے سنگ ہے
 عشق نے تیرے مجھ یاں تک کیا ہے ناتواں تباہ لب آہا نفس کو راہِ صدف رنگ ہے
 ان دونوں کچھ تو ہدایت ہو گیا ہے زرد سا
 ظاہر عاشق کسی پر ہے ترا کیا رنگ ہے

صدقے ترے گلزارِ جی سے اک جی سے ہیں کیا ہزار جی سے
 کھٹکے ہے تری مرثہ ہر اک وقت نکلا نہ کھو یہ خار جی سے
 گھر سے نکلے ہے تو جی ساتھ نکل جاتا ہے کوئی قامت ہے کہ یہ آہ دہل مخروں ہے
 زلفِ کج تمہہ اوپر جو چھوڑی ہے کیا صید ہے نکلتا تھوڑی ہے
 چہنہ خوں ہے دامن دریا آستیں کس نے یاں پھوڑی ہے
 شاخِ گل خم نہیں کسو نے کیا ہاتھ معشوق کی مڑوڑی ہے

عمر کو تاء کارِ عمر دراز
 ایک وہ ماہِ رونما تب ہے نظر سے دور نہ
 دوہی تارے ہیں نہ ہی ماہِ دوہی گردوں ہے
 میں خوب سیر کی جگہ میں ہر ایک بستی کی
 بنا خراب ہو بنیادِ بت پرستی کی
 ہمیں شیبِ فرازِ زمانہ سے کیا کام
 جو سہ بلند ہیں آن کو ہی فکرِ پستی کی
 کس کی مجلس سے ہم اداس گئے
 جی تو گلشن میں بھی نہیں لگتا
 سنتے ہی بس مرے حواس گئے
 جب ستائیں نے غمِ ہدایت کا
 کوئی ایسی شکل ہوئے کہ ٹھک جی ہل سکے
 ہدایت بھی تو کوئی زور ہے شہدائے شہ
 شہید تیغِ ابرو ہے اسیرِ دامِ گیسو ہے

رباعی

ثابت کوئی اپنے جسم و جاں سے نہ پھرا
 ایک شخص ہزار کشتگاں سے نہ پھرا
 کوچہ تو ترارِ وہِ عدم سے نہیں کم
 جو کوئی گیا تو پھر وہاں سے نہ پھرا

رباعی

دل عہدِ شباب ہو چکا ہے باقی
 پیری ہے سو اس میں کیا رہا ہے باقی
 ہوتا ہے کوئی دم میں یہ دو راہِ آخر
 شب گزری ہے روزِ رہ گیا ہے باقی

۳۰۸۔ ہادی - دہلوی - زبانی شیخ فرحت شیندہ شد کہ استقداد

نداشتہ این بیت بنام او مشہورست :

نقد دل دے کے میں لیا بوسہ

یہ تو سودا دیئے لئے ہی بنی

۳۰۹۔ ہویدا - میر محمد اعظم بزاز در میر محمد معصوم دہلوی ست اکثر مرثیہ

امام حسین علیہ السلام می گوید و بسبب نوشتی کمتر فکر و نیجه
می کند۔ با مولف آشناست این ابیات نامزد اوست (۳ شعر)

۳۱۰۔ ہر ایت۔ ہر ایت علی معاصر شیخ فرحت اللہ فرحت بود۔ ازو۔

ڈھلے ہی پڑتے ہیں باہر ہم ایک فضل سرنگ
رکھوں میں کب تلک ان کو سنبھال آنکھوں میں

۳۱۱۔ ہمدم عظیم آبادی۔ خلف میر محمد حیات حسرت ست۔ اشعار
خود را از نظر شاہ قدرت اللہ قدرت و دیگر موزونان
مرشد آبادی گزراند و در میان بلکہ اقامت دارد۔

از دوستان فقیر ست۔ ازو ست۔ (۱۶ شعر)

۳۱۲۔ میر ہنگام دہلوی۔ شیندہ شد بر یکے تعلق خاطر داشت۔ رقیبانش

بہ حسد کشتند۔ اس رباعی یادگار اوست (۲ شعر)

۳۱۳۔ ہاتف میرزا محمد شیندہ شد و در دہلی اقامت دارد۔ در نشانہ

بسمی برد:

مست پوچھ ہمیش کہ جہاں میں کہاں رہے
دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا وہاں رہے

حرف الیا

۳۱۴۔ یقین دہلوی، انعام اللہ خاں۔ کوئی اضافہ نہیں (۵ سطر ۲۲)

یقین تخلص، انعام اللہ نام شاہ جہان آبادی۔ بیٹا انظر الدین خاں، اور نواس
شیخ مجذوب الع ثانی کا تھا۔ شاگرد میرزا منظر جان جاناں کا، مشہور اور منظور نظر مرزا کے نکلے
اکثر یہ گمان باشندگان شاہ جہان آباد تھا کہ یقین فن شعر و شاعری میں محض بے استعداد تھا۔
مرزا منظر خود شعر کہتے تھے اور نام اس کا داخل اشعار کرتے تھے۔ مارے جانے کو اس کے
بھٹے تو یوں نقل کرتے ہیں کہ احمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں بہ سبب کسی حرکت بمقول
کے وہ صادر نہ ہوئی تھی یقین سے، باپ نے اس کے اس کو قتل کیا، اور نعش کی اس کو
دریا میں بہا دیا۔ اور بھٹے کہتے ہیں کہ اگر کتاب اس عمل شیع کا گزرا تھا۔ اس کے باپ کے
دھیان میں کہ وہ ممنوع ہے جمیع ادیان میں۔ یقین نے اس مقدمہ میں باپ کو متنبہ کیا۔
ایک دن اُس نے خفا ہو کر اس بچا پرے کا جی ہی لیا۔ علم غیب کا یکدستی خدا کو ہے
اور یقین گمانوں کا بالکینہ اس خالق ارض و سما کو ہے۔ بہر حال یقین مذکور کا کلام طبائع
کے مرغوب ہے اور اشعار اس کے جاں نخواستہ دل کو ب۔ یہ ابیات آب دار
اُس کا خلاصہ افکار ہیں۔

نہ مرتا میں اگر صدقے ترے جانے کے کام آتا گرسنہ ناز کا تھا گلاباں کھانے کے کام آتا
میں تو فاجر نہ کروں اُس کی جفا کو لیکن چھپ سکے کیوں کہ نقیض زخم نمایاں میرا
مجھے گر حق تعالیٰ کا فرمائے جہاں کرتا بتوں کو میں بہ زور ان بکیوں پر ہر جاں کرتا
نہ دیتا عیش کی خیر کو نہ فرصت قہر شیریں میں جو میں ہوتا بجائے شیر حبی خوں و داں کرتا
اگر مرنے میں اُس شوخ کی خاطر نہ ہوتا خدا جانے وفا میرے کے حق میں کیا کیا کرتا
زباں فولاد کی ہوتی جواب کہہ کن دیوے تم ہوتا اگر پرویز کو عشق امتحان کرتا
نہیں معلوم اسکے سال مینے نے یہ کیا گزرا ہماری تو یہ کرنے سیتی پیانے یہ کیا گزرا
بہمن اپنے سر کو بیٹھا تھا دیر کے آگے خدا جانے مری صورت سے بت خانے یہ کیا گزرا
یقین کب میرے سوزِ دل کی کوئی داد کو پہنچے کہاں ہے شمع کو پروا کہ پروا نے یہ کیا گزرا

ہیں زخم مرے کاری اس سینے سے کیا ہوگا
 اب مرنا ہی بہتر ہے اس جینے سے کیا ہوگا
 اگر تجھ کو زلیخا دیکھتی سب کچھ بسر جاتی
 تماشا ماہِ کشفانی کا اُس کو خواب ہو جاتی
 سریرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا
 ہمیں نفلِ ہمارے سایہ دیوار بہتر تھا
 مراد ل مر گیا جس دن سے نظارہ سے باز آیا
 یقین پر ہنر اگر کرتا تو یہ بیمار بہتر تھا
 تنگ دل کو کب بھلی لگتی ہے بستاں کی ہوا
 باغ سے یوسف کو رنگیں تر ہے زنداں کی ہوا
 نہ آپ تیشہ فرما د اپنے خوں میں گرلا سکتا
 تو ایسے رنگ بے کب نقشِ شیریں کو بنا سکتا
 یہ عشقِ سرشکن فرما د پر لایا جو کچھ لایا
 دگر نہ کون ایسی فتح خسرو کو دلا سکتا
 تجھ آنکھوں سے اتر کر دل نہ کرتا شور کیا کرتا
 یہ شیشہ طاق سے گرتا نہ ہوتا چور کیا کرتا
 یہ دل ایسا خراب کو چہ و بازار کیوں ہوتا
 اگر ملتا نہ اتنا گلِ رخوں سے خواہ کیوں ہوتا
 تری آفت سے مرنا خوش نہیں تھا مجھے ورنہ
 یہ ایسا کارِ آساں اس قدر شوارہ کیوں ہوتا
 یقین اُمید جینے کی نہیں تیری ان آنکھوں سے
 اگر پر ہنر تو کرتا تو یوں بیمار کیوں ہوتا
 گرائیں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ کیا آیا
 مجھے پٹکا زمین پر آسماں کے ہاتھ کیا آیا
 نہ کہتی رازِ دل تو اتنی رسوائی بھلا سہتی
 فصاحت کر کے مجھ کو اس زبان کے ہاتھ کیا آیا
 کیا بدن ہو گا کہ جس کے کھوتے جائے کا بند
 برگِ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا
 دام و نفس سے چھوٹ کے پہنچے جو باغِ تنگ
 دیکھا سو اس زمین میں چمن کا نشان نہ تھا
 اس قدر غرقِ لہو میں یہ دل زار نہ تھا
 حسن کا عشق زلیخا سیتی کچھ چل نہ سکا
 وہ پاک گھر قابلِ بازار نہ تھا
 دل مرا عشق کے دھڑکوں سے مواتا جا رہا
 یہ وہ دل ہے کہ کوئی ایسا جگوار نہ تھا
 دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
 کو چہ یار میں کیا سایہ دیوار نہ تھا
 اتنا کوئی جہاں میں کبھو بے وفا نہ تھا
 مٹے میں تیرے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
 ناصح جو یہ نصیحتِ بیجا ہے میں سنی
 معذور رکھو مجھ کو مراد دل بجا نہ تھا

خفیف مجھ سے ابھ کر عبث ہوا واعظ _____ کہ میں تو مست تھا اُس کو بھی کیا شعور نہ تھا
 تری آنکھوں کی کیفیت کو مے خانہ سے کیا ثبت _____ لنگہ کی گردشوں کو دور یہاں سے کیا ثبت
 بتاں کی مجھ سے خاطر جمع ہے یا تک کہ کہتے ہیں _____ کہاں اس ام سے یہ صید جاسکتا ہی کیا قدرت
 ہمارا شور سن مجنوں کو بھولی طرز نابے کی _____ کوئی تیروں کے ٹھہرنے بجا سکتا ہی کیا قدرت
 شیشہ دل کے تیں اپنے سینھالے رکھ لیں _____ پھر کرے گا کون اُس کے پھوٹ جانے کا علاج
 سو جڑے دل گریباں بھاڑ دیولنے کی طرح _____ زلف کی زنجیریں آخر پھینا شانے کی طرح
 جی نکل جاتا ہے میرا جب کھو آتی ہے یاد _____ وہ قسم کھا کر اسی ساعت کو جانے کی طرح
 خار سے مرگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح _____ رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کھوف پابے طرح
 فصل گل بھی آن پہنچی دیکھتے کیا ہو لقیں _____ اب کے چتا ہی جنوں پر دل ہمارا بے طرح
 گرہ پشیریں شیخ کے ہو جدیں آنے کا شور _____ پر قیامت بانگ ہوتا ہے مے خانہ کا شور
 آہ و نالہ برہنیں موتوں شہرت عشق کی _____ کس قدر ہے اس خموشی سا قدر دلنے کا شور
 دل میں کہہ کر چلا تھا اپنے جانے کی خبر _____ پھر نہ دی ہم کو کسی نے اُس دیوانے کی خبر
 بلبلیں سہم چلی جاتی ہیں باغوں کی طرف _____ کچھ تو اڑتی سی سنی ہر گل کے آنے کی خبر
 میں پہنچتا ضعف سے نالہ مرا صیاد تک _____ کون لے اس ناتواں کی آب دانے کی خبر
 توقع سے کہ مت کہنا آمیدی کے سخن بس کہ _____ جواب تلخ منت سے جھکولے شیریں بہن بس کہ
 جو لوہا جس نے اُس کو لگانا ہاتھ کیا حاصل _____ بہت کی تو نے اس تیشہ کی خدمت کو کہن بس کہ
 خوں گورے منہ کا تیا ہے مرے دل کو چرا _____ اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی عہتے ہیں چور
 گریباں بھاڑتے ہیں دیکھ خوبانِ چن کیوں کر _____ نہ کیجے جاگ ناصح اس ہوا میں بیرین کیوں کر
 کوئی محنت کوئی لذت اٹھا دے یا رے کوئی _____ کہو اپنے تیں ضائع نہ کرتا کوہن کیوں کر

تعجب سخت رہتا ہی لقیں اس بات کا مجھ کو
 کہ اتنا بولتے ہیں یہ شیریں دہن کیوں کر

بعد مرنے کے ہوں میں گور میں غناک ہنوز
 منہ پہ کھاتا ہے اسی طرح سے تلوار کہ بس
 نفع میں دیکھ مجھے یاد جھجک کر بولا
 آپ کو بیچ کے یوسف نے زلیخا کو لیا
 آپ سے ہم نے مقرر کی ہے اپنی جاقفس
 تنگ تو کرتا ہے برہم جو کس جلتے رہیں
 آج دیکھی ہے میں وہ لطف کی بیدا کہ بس
 جی میں آتا ہی تری چھپ کو دکھائی گئے
 کچھ پرو بال میں طاقت نہ رہی جب چھوٹے
 تو نہ تھا جیف لھنس ورنہ دیوانہ ہوتا

آج اس طرح کا دیکھا ہے بری زاد کہ بس

عاقبت تن پروری ہوتی ہے گردن کا وبال
 اہل نور آہن دلوں کو دیکھ شربتے ہیں سخت
 بہ نہیں ہوتا کسی مرہم سے اس سینہ کا داغ
 ہم تو مرنے ہیں گے اور بھٹتا ہے آفت کا چراغ
 خازن درد مجھ سے کیوں نہ ہو روشن لھنس
 ناصح سے مجھ کو غم نے کیا شرمسار حیف
 دل نہیں کھینچتا ہے بن تیرے بیاہن کی طر
 اس ہوا میں رحم کرساتی کہ بے جام شراب
 سحر کے دورے جو جتنے تھے سو دیکھے لھنس
 آئینہ ہوتا ہی اُس سے درختاں کا حریف
 کس قدر پہلوئے چرب اپنے سے دکھ پاتی ہی شمع
 دیکھ کر گل گیری صورت کو ڈرجاتی ہی شمع
 ہو گیا ناسور آخر یاد دیرینہ کا داغ
 دیکھے پھر ہوئے کب روشن محبت کا چراغ
 ہے مرا ہر داغ سینہ میں مصیبت کا چراغ
 سو بار پھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف
 خوش نہیں آتا نظر کرنا عسکر الاں کی طر
 دیکھ کر چھپاتی بھری آتی ہے باران کی طر
 دل گھنپا جاتا ہے اُس لف پریشاں کی طر
 ماہ بن اور کون ہو خورشید تاباں کی طر

بہت جینے کی تدبیر اہل عرفاں کے نہیں لائق — کہ پتیا آب حیواں شانِ نہاں کے نہیں لائق
 رشک لگے پروانے کے عیسیٰ تن کو آگ — لگیوئے فانوس ایسی تیرے پر ہن کو آگ
 جلتے بتوں سے کل ان تیلیاں کپڑوں کے ساتھ — جی دھڑکتا ہے مبادا لگ آئے دامن کو آگ
 چمن میں مجھے دیوانے کو بے جان کیا حاصل — دکھا کر گل جنوں کو شور پر لانے کا کیا حاصل
 جنیں بالوں کی پچاسی بے ہوشے ہرگز نہیں جیتے — جو زخموں میں پھنسا دل اُس کے غم کھانے کا کیا حاصل
 ہمارے درد کی دار و اگر کچھ ہو تو دار و ہے — یہ سب کچھ سن کے ساقی بات پی جانے کا کیا حاصل
 ہم نہ کہتے تھے کہ مت چھڑاں زخموں کے تیں — خط کی صورت میں پڑا آخر نہ آہوں کا وبال
 اس قافل ساتھ میرے سامنے سے درگزر — بے طرح پڑتا ہے حسرت کی نگاہوں کا وبال
 ہاتھ لگتا گر زناںِ مصر کو یہ آفتاب — خواب ہو جاتا اُنھیں اُس ماؤ گناہ کا خیال
 سے ہوئی آخر یہی تدبیر غم کی ناتمام — کس سے دل خالی کریں اب ہو چکا ملنا تمام
 تیری آنکھوں میں نشہ نے اس طرح مارا ہی جوش — ڈالتے ہیں جس طرح بدست نے خانے میں دھوم
 کروں کیوں کریں قید زلف سے چھٹنے کی تدبیریں — پڑیں ہیں میرے ہر نگشت میں جس شانہ زنجیریں
 ہیں بھی بات کہ آتی ہو لیکن دل نہیں حاضر — جیسے دور ہی ناصح خموشی ساتھ تقریریں
 یقیناً اقبال ہاتھ آیا نہیں کچھ جی کے جانے سے

نہیں ہووے گی ہم فرہاد کو سوار سر حیریں

چمن میں شاخ ہل جاتی ہے جیسے گل کے ہلنے سے — بچک جاتا ہے دم تیتے نزاکت اس کو کہتے ہیں
 زخم بن چھو کو کچھ اس لاگ سے مقصود نہیں — عشق پھیکا ہے اگر داغِ نمک سود نہیں
 ہے اُسی تیغ کے زنگار کا مرہم درکار — اور کسی طرح مرے زخم کا بہود نہیں
 کرتا ہے کوئی یار واس وقت میں تدبیریں — مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں
 ناداں ہو جو معنی چھوڑ صورت کی طرف جاوے — لڑکوں کو کتابوں سے منظور ہیں تصویریں
 چہرے سے نکل کر مو پٹے ہیں یقیناً مٹھ پر — اور اوراقِ طلائی پر جوں کھینچی میں تحریریں

کوئی دن اور کرنے دو جنوں مجھ کو بہاراں میں عبث سینے ہو اُس کو کیا رہا چہاں گریباں میں
 چمن کے بیج کلیانی ہے جیسے شاخ بسن کی ہوئے ہیں کس قدر دل جمیع اُس زلف پریشاں میں
 بہار آئی ہے ہم کو کیا کہے گا بغاں دیکھیں چمن میں باندھنے پاؤں گے اب آشاں دیکھیں
 اٹھا اس مٹھ سے اے باد صبا گھونٹ کر آنچل کو توجہ سے تری ہم بھی ٹک اک یگلت دیکھیں
 نہ کر خبل مجھے ہماں مرا نہ ہوئے عشق کہ میری آنکھیں آنسو جاگیاں نہ ہیں
 تو نے ہم پر جو جفا کی ہے سو نہ کر نہیں ترس پہ ہم نے جو وفا کی ہے سو منظور نہیں
 سینہ میرے میں ترے عشق سے جوشاں عسل کون ناسور ہے جو نیش کا معور نہیں
 دین و دنیا کے مجھے کام سے کھوتا یقیں
 چھوڑ دوں عشق نہ بانٹ کہ معذور نہیں

خدا کی بندگی کئے اُسے یا عشق معصوقی وہ نسبت ایک سے سو سو طرح تعبیر کرتے ہیں
 سو سو ہیں التفات توافل میں بار کے بیگانگی سے اُس کی کوئی آشنا نہیں
 نہیں دہن بھی تلخ لگے بولنے یقیں اب چھوڑ دے نظارہ کچھ اس میں فرما نہیں
 وہ کون فل ہی جہاں جلوہ گردہ نور نہیں اُس آفتاب کا کس ذرہ میں ظہور نہیں
 ترے سفر کی خبر سن کے جان دھڑکوں سے جو ہمتوں مرنے کے نزدیک میں دور نہیں
 کوئی بھی دیتا ہے رٹکوں کے ہاتھ تیشہ دل یقیں میں غور سے دیکھا تو کچھ شعور نہیں
 جس محبت میں نہیں ہے شور ہے وہ بے ہنگم کیا مرا ہے عشق کرنے میں جو روائی نہیں
 بن یقیں کے باغ میں جا کرتاں کہتے ہیں سب سیر گل سے جی نہیں لگتا وہ سودا کی نہیں
 شکوہ جفا کا یار سے کرنا وفا نہیں بندہ کو اعتراف خدا پر روائی نہیں

اگر تم ہو عاشق دم نہ مارے یار کے آگے کہ اُس کا جی نکل جاتا ہے اُس کی ایک ٹکین میں
 گالی بھی پی گئے ہیں مایں بھی کھایاں ہیں کیا کیا تری جھٹائیں ہم نے اٹھایاں ہیں
 ایسا دراز دامن میں ہاتھ مار کے آیا بختوں کی عاشقوں کے کیا نارسایاں ہیں

حق کو یقیں کے آخر بربادست و یارو — تم نے سخن کی طرزیں اس کی اڑائیاں ہیں
 قامتِ رعنا سے ترے بن کہ شرماتا ہے سرور — دیکھ کر تجھ کو زمیں کے بیج گر جاتا ہے سرور
 تم ہیں پائیوں کرتے ہو اب خوش قاصد — دیکھتے ہو قمریوں کو سر پہ ٹھلاتا ہے سرور
 کھڑا ہے سر نہیٹ بن بنا کے رعنا ہو — جو یار پر دے سے نکلے تو کیا تماشاً ہو
 نہ لانا تھا مرے گریہ کو شور پر لے عشق — بڑی بلا تو نے چھڑی ہے دیکھتے کیا ہو
 خوں انصاف سے اتنا بھی زباں تر نہ کرو — نعل کو یار کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو
 باز نہ کر مجھ پہ کمر لطف نہیں غیر کا قتل — اپنی بیداد کے مضمون کو مکر نہ کرو
 کوئی یہ جائز سا منہ چھوڑ کر عاشق ہو نہ ملے گا — گزر آتش پستی سے یہ پروانے سے کہہ دیجو
 ستاؤ مت یقیں کا دل کہ یہ خوں کا مسکن ہے — خدا جانے کہ کیا ہو اس مے خانے کو مت چھوڑو
 جفا کے عذر میں اسے ظالم نہ دیر کرو — مری زباں شکایت پر مت دلیر کرو
 خنا کی طرح میں اپنا بھل کیا ہے خوں — تباں شہید کرو خواہ دستگیر کرو
 خدا کرے کہ کہوں حق شتاب ثابت ہو — مت امتحان و فائز یقیں کے دیر کرو
 جو تو شراب پیئے کیونکہ دل کباب نہ ہو — لگے جب آگ کہاں تک یہ نہرہ آب نہ ہو
 خنک گزرتے ہیں اتم عشق داغ بغیر — کہ سرور ہووے ہو جس دن آفتاب نہ ہو
 دیوانے شہرے یہاں آکے جی چھپاتے ہیں — خدا کرے یہ خرابہ کبھی خراب نہ ہو
 تباں کی طرح نہیں حسنِ خلق و دامنِ پاک — وہ کیا فراہ ہے جو معشوق بد شراب نہ ہو

یقیں تباں کا ہوا جب بندہ تبت ہو داغ

جو ہووے کا فراسے کس طرح عذاب نہ ہو

شہر میں تھا نہ ترے حسن کا سا شور کبھو — مصر اس جنس سے اتنا نہ تھا معمور کبھو
 فکرِ مہم کی مرے واسطے مت کر نا صبح — خوب ہوتا نہیں اس عشق کا ناسور کبھو
 گو نہ کر دعدہ و فادے مجھے اس کا تو جواب — مجھ سے ملنا بھی سخن ہے تجھے منظور کبھو

اپنی بیدار کی سو گند ہے تجھ کو لے مرگ تو نے دیکھا ہے یقیں سا کوئی رنج و کھو
 خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بخوابی کے ساتھ جمع آسا میں کہاں ہوتی ہو بیگانے کے ساتھ
 مفت میں لیتے دفا کو شہر خواہاں میں یقیں کس قدر بے قدر ہے یہ جس نے لایا بی کے ساتھ
 بہار آئی ہیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہ چمن میں رہنے پاوے گا ہمارا آیشاں سچ کہ
 نمک ڈالا ہے مجھ میں اے ہا شور محبت نے کبھو کھائی ہیں تو نے اس مئے کی استخوان سچ کہ
 یقیں راتوں کو کر کر شور فنیوں سب کی کھوتا ہے یہ کس بے درد سے سیکھا ہی فریاد و فغاں سچ کہ
 کچھ عمر نہیں باقی پیارے تو شباب جا ڈرتا ہوں چھٹک جاوے بسر بزی ہیما نہ
 منہ اپنے کے گلشن میں رہنے نہ دیا کرتا یہ سبزہ ترے خط کا ہی سبزہ بیگانہ
 روداد محبت کی مت پوچھ یقیں مجھ سے کچھ خوب نہیں سنا انفوس ہو فیما نہ
 عمر میں تو نے تو دیکھے ہیں بہت غم خانے آتو اے حیرت طلبا کہ اس نالشا کو کچھ
 کہاں تاثیر نالوں میں ہے لے مرغ سحر چپ رہے عبت حیا کو ناخوش ہے کیوں کہ رہا میں چپ
 جب ہوا معشوق عاشق دلربا بی کیا کرے بندگی سے جس نے خو کی ہو خدائی کیا کرے
 وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیں دیکھئے مجھ ساتھ خواہاں کی جدائی کیا کرے
 کیا دل ہے اگر جلوہ دیدار نہ ہو دے ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہو دے
 دل جل جو گیا خوب ہوا سوختہ بہ ستر وہ جس کوئی جس کا خیر نہ ہو دے
 دوانے کس طرح ناصح اٹھا دیں ہاتھ طفلان سے کہ ہر کشت جنوں سیرابان کے سنگ باران سے
 یار کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہے کون اس کو چہیں جز تیر گزر کرتا ہے
 اپنی حیرانی کی ہم عرض کریں کس منہ سے کب نہ آئینہ پہ مغرور نظر کرتا ہے
 عمر فریاد میں برباد گئی کچھ نہ ہوا نالہ مشہور غلط ہے کہ اثر کرتا ہے
 جو سراپاؤں پہ رکھ دیجئے تو خوش ہوویں ماں ہے دیکھن ہائے ہو سکتی ہے یہ جرات کہاں ہم سے
 مرے انس وحب ہی مائے ضعف آب چل نہیں سکتے کیا لے عشق مجھ کو ہائے ایسا ناتواں تو نے

خطا ہے مفت مکر مایہ کیوں دیجے رقیباں کو
 اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اُس کا جی چاہے
 ہمارے ہم سے پوچھو کو کہن کی کو کہن جانے
 تو کرنے دو اُسے فریاد جتنا اُس کا جی چاہے
 نہیں ممکن کہ ہم کعبہ کو جاویں چھوڑت خانہ
 کرے واعظ ہیں ارشاد جتنا اُس کا جی چاہے
 نہیں کوئی کہ دشنام اُس کی ہم تک یا دعا لاوے
 گیا ہے اب اُس کو دیکھئے کب تک خدا لاوے
 پڑے پھر الٹی اس محبت پر کہ ہوئے کس
 مرے فریاد اور پرویز شیریں کو اٹھلاوے
 دیا رحمن میں تو خوش ہوا پر یہ پڑی شکل
 کہ لٹ جاتا ہے وہاں جو کارواں حسن و خالاک
 مناسب نہیں ہر شکوہ جو رکا ان خوب دیوے
 یقین کوئی بُری باتوں کو اچھے پر کیا لاوے
 زمیں پر جس طرح گرتا ہے سایہ سرو و غنا کا
 تری قامت کے آگے فرش ہو جاتی ہر عنائی
 نہیں ہونی کھجوا جاب کی خاطر طول اُس سے
 خدا شاہد عجیب بے بد مصاحب ہے یہ تنہائی
 معاوضہ میں وفا کے جو یہ جفا ہووے
 اگر بہ خیر ہیں یاد کر نہیں سکتا
 کبھو کسو سے کوئی کیونکہ آشنا ہووے
 یقین ہوا مجھے قطرے سے اٹک کے معلوم
 کبھو بڑا ہی ہیں کہ ترابھلا ہووے
 خبر کیا پوچھے مرغِ قفس سے آئینے کی
 گئے کڑے شروع گل میں اور رواڑ اول میں
 موزا جانا ہوں مت اتنا بھی کس کرا نہ بالوں
 نہ دی فرصت نہانے نہیں ہوں بچانے کی
 زنجیر میں بالوں کے پھنس جانے کو کیا کہئے
 کیا کیا کیا یہ دل نے دیوانے کو کیا کہئے
 دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیسا
 اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہئے
 دکھ تو دیتا ہے کروں تجھ کو بھی حیراں تو سہی
 باغباں اب کے اجارے لوں گستاں تو سہی
 مفت کب آزاد کرتی ہے گرفتاری مجھے
 جی ہی لے چھوڑے گی آخر کو یہ بیمار جی مجھے
 کب ہوں ہی مجھ کو رسوائی کی لیکن کیا کروں
 کیچ کر لاتی ہے اس کو چمن چاری مجھے
 کیا لگا لیتا ہے خواب کو یقین کہتے ہی داغ
 آئینہ کی سادہ لوحی ساتھ پر کاری مجھے

بے قراری کب ٹھہرنے دے ہے مجھ کو نہ یر تیغ مارنا سیما ب کا مشکل ہے قاتل کیا کرے
 ستم ہے قید کرنا اس طرح کے مریخ ناداں کو کہ جو مارے بھلائی کے نفس کو آئیاں سمجھے
 کرتے ہیں اپنے بال دکھا مبتلا مجھے اس پیچ سے تباہ کے نکالے خدا مجھے
 جو رو بھامیں یار بہت ہو گیا دلیر کرتے تو کی یہ رست نہ آئی و فاب مجھے
 خدا مجھے ترے داغوں سے لالہ زار کرے یہ خار خشک مگر آگ سے بہا کرے
 قیامت آپ پہ اس قدر سے لالچے ہم تو کہاں تک کوئی محشر کا انتظار کرے
 اس سببی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے جی میں ہے اک مصرع موزوں کو نقیس کیجئے
 نگاہ گرم سے کھاؤ بھی تاب مو کی طرح خدا کسی کے تئیں اتنا خوش کر نہ کرے
 یہ دل مملوک ہے خواباں کون اس کو چھپا کرے بغل میں کون مایاں بادشاہی کو دبا کرے
 حق مجھے باطل آشنا نہ کرے میں بتوں سے پھروں خدا نہ کرے
 دوستی بد بلا ہے اس میں خدا کسی دشمن کو مبتلا نہ کرے
 ہے وہ مقتول کا فر نعمت اپنے قاتل کو جو دعا نہ کرے

ناصحوں کی یہ کچھ نصیحت ہے

کہ نقیس یار سے وفانہ کرے

حسن و عشق میں اک طور کی نسبت ہی ضرور چشم بہار تجھے دی ہے دل زار مجھے
 یار آیا پہ مجھے ہوش نہ تھا کیا کیجئے نہ کیا اس دل دشمن نے خبر دار مجھے
 چھتے اس زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچئے وصیت ہماری خوں بہا جلاؤ کو پہنچئے
 نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں مری فریاد بھی شاید مری فریاد کو پہنچئے
 ہم اس غم کے باتوں نہ زندگانی خوش نہیں آتی کوئی بیدار اگر یہ بہ ہماری داد کو پہنچئے
 ہوا میں سرد کے اتنا نہ کر شور و شہلے قمری نہ سے بہاؤ تو اپنی کف خاکستر قمری
 نقیس رکھو کہ شوخی خوب نہیں خدمت میں خواباں تو بجا سرو کے چڑھو بیٹھے سر پر لے قمری

کئے سب ہوں شکوے دیکھو دئے یار کیا کہئے زبان چرب میری مٹے بے کار کیا کہئے
 تبسم میں جو اس کا منہ کھلا جی بندہ گیا اپنا مراد لے گیا ہنستے ہی ہنستے یار کیا کہئے
 اگر اس کی جگہ پہلو میں ہونا چار بہتر تھا بہت دیتلے میرا دل مجھے آزار کیا کہئے
 یقیں کے واقعہ کی سن خبر وہ بدگماں بولا

یہ دیوانہ کچھ ایسا تو نہ تھا یار کیا کہئے
 دو دن ہوں میں جی دینے میں محض کھلیقہ کا منے لے کے مرنے کی طرح فرما دیا جانے
 گلا تو پھٹ گیا نے کی طرح فرما دیکر نے سے قیامت دور ہو کب تک ملے گی داد کیا جانے
 نعل بھاگے کوئی صید کیا اس دم سے کچھ کئی دن میں کہ تیری زلف کی خاطر ریشانی
 اگر زنجیر میرے پاؤں میں لے تو کیا ہوگا ہمارا آنے دو میرا ہاتھ ہے اور یہ گریباں ہے
 یہ وہ آنسو ہیں جن سے دہر آتش ناک ہو جاوے اگر ہوئے کوئی یہ آب جل کر خاک ہو جاوے
 گندگاریوں کو ہے امید اس شگنہ ام سے کہ دامن شاید اس آب سے پاک ہو جاوے
 عجب کیا ہے تری خشکی کی شامت جو توڑا نہال تاک بتلاوے تو وہ مسواک ہو جاوے
 اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے زرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
 یہ کوئی ڈھب ہے سخن خاک میں ملانے کا کسو کا دل کھو پاؤں تلے ملا بھی ہے
 یقیں کا شور جنوں سن کے یار نے پوچھا

کوئی قبیلہ مجنوں میں کیا رہا بھی ہے
 خوش آئی ہے مجھے یہ بات اس مجنوں عیاں سے کیا کیجے کہاں تک چاک گھر سے ہم گریباں سے
 نہیں ہی جام سے بن کچھ ہمارا خونہا ساقی اس آب زندگی سے اپنے یاروں کو جلا ساقی
 ٹک اک تو رحم کر لے مرگ سے کی تمنا میں ہماری جان کو رستے ہیں یہ ابرو ہو ساقی
 وفا کا کیا قیامت ہے کوئی بدلا جفا دیو کے ترحم ان بتوں کو اپنے بندوں پر خدا دیو
 نہیں پرواز قسمت میں میری آڑا خطا ہونہ زندگی سے مر گیا ہوں لیکڑ تہا ہوں

مبادا حشر مجھ کو خوابِ راحت سے جگا دیوے — مجت کا جو ناتا ہے عجب آداب میں اُس کے
 کہ جوں جوں یار دیوے گا یاں عاشق دعا دیوے — نہ دے فرصت ان باتوں سے کہ کچھ کام اور بھی ہے
 ہم آخر ہو گئے دامِ نیگراس چاکِ گریباں کے — رگڑا ہے سراپا پشتِ پارِ متصل ترے
 گریباں بھاڑے اس پر کہ کیا طالع ہیں اماں کے — ملک اک انصاف کر کہتا ہے اتنی بھی خاکوں کی
 کھوڑ صندل کھینچ مانتے پر کیا ہے قتل عام — تیغ ابرو کو دیا ہے سنگ دکھیا چاہیے

۳۱۵۔ یک رنگ۔ دہلوی۔ مصطفیٰ خاں۔ کوئی اضافہ نہیں۔

(۳۲ سطر ۲۲ شعر)

یہ رنگ تنہا مصطفیٰ علی خاں نام، متوطن شاہ جہان آباد کے۔ نواسوں میں خانِ غامی
 خاں لودی کے اور معاصر شاہ نجم الدین آبرو کے تھے منبصاروں میں محمد شاہ بادشاہ اور
 شہرہ آفاق ساتھ عزت و ماہ کے مشہور سخنوروں میں شاہ جہاں آباد کے اور معروف
 زباں آوروں میں اس خجستہ بنیاد کے تھے۔ طور ان کی گویائی کا پروردگار کی گفتگو کے
 اور طرز ان کے کلام کی رویت پر مضمون و آبرو کی ہے۔ لیکن ازبکستانوہ سابق یاران
 حال کے غیر مرغوب ہے، تو آہنگِ قدیم سمعِ خراش و دماغِ کوب ہی۔ بلکہ شاہ جہان آباد
 میں انہوں نے اس سراسے خانی سے سفر کیا اور دلوں پر احباب کے داغِ حرماں کا دیا
 یہ اشعار پر معنی و خوشش بیان ان کے منتخب دیوان میں ہے

مجھے مت بوجھ پیارے اپنا دشمن — کوئی دشمن ہوا ہے اپنی جاں کا
 میں دوزخِ شہاں سے ترے ہون کا میاں — کیوں کر کہوں کہ تجھ سے بہتر ہے آفتاب
 سچ کہ جو کوئی تو مارا جائے — رہتے ہیں گے دار کی صورت
 جگو معلوم یوں ہوا گل سے — پھول جلتے ہیں اس سے دو ہنمد
 کیوں ہوئے ہو تم کو دشمن ہمارے اس قدر — دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے پیارے اس قدر
 نگہاں چاہیے سرشار کے پاس — ترمی آنکھوں سے کیوں کریں جدائی

روٹھا ہوں اس سبب ہر بار میں — تاکے تیرے لگوں لے یا میں
 اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھ — شک میں کیوں پڑتا ہے لے دل جان بوجھ
 کیا جانے وصال ترا ہو کسے نصیب — ہم تو ترے فراق میں لے یا مر چلے
 رونقِ اسلام تیرے رو سے ہے — کفر کا رشتہ ترے گیسو سے ہے
 بے قراروں کے تیں آرام دل — لے مے پیارے ترے پہلو سے ہے
 جدائی سے تری لے صندلی رنگ — مجھے یہ زندگانی دردِ سر ہے
 ہوا معلوم یہ غنچہ سے ہم کچھ — جو کوئی زردار ہے سونگ لے ہے
 نہیں چھوڑیں ہیں سدا زلف تری اپنی مرد — باوجودیکہ کمال ان میں پریشانی ہے
 اب تو سخن ہمیں کو بتا ہی نہیں سے ہے — ہم سب طرف سوں یا تمہارے گلے پڑے
 یکرنگ پاس اور سخن کچھ نہیں باط — رکھتا ہے یہ دونین کہو تو نظر کرے
 زنجی برنگ گل ہیں شہیدان کر بلا — گلزار کی منط ہے بیابان کر بلا
 کھانے چلے ہے زخمِ شامیوں کے — دھو ہاتھ زندگی سستی عمان کر بلا
 اندھیر ہے جہاں میں کہ شامیوں کے — ہے سر بریدہ شمعِ شبتان کر بلا
 ۳۱۶۔ یونس — مشہور حکیم یونس — ظاہر در عہد اکبری بود۔

سو گیا جیسے جگایا تھا مجھے

بخت مرا جاگ اٹھا سو گیا

۳۱۷۔ پیکرو۔ عبد الوہاب۔ از شاگردان شاہ نجم الدین آبرو دست
 کا مشہور طرزِ محاورہ قدما مثل براہِ ماست

(۳ شعر)

۳۱۸- یار دہلوی۔ میر احمد خلیف شاہ اللہ یار۔ جوانی نہایت
زیبا شاگرد تھی میر و محبوب میر ضیا بود۔ گاہے فکر رنجیہ
می نمود۔ در زمان احمد شاہ این فردوس آرا مگاہ جمعے از
شعر اے رنجیہ تعلقے ہوئے داشته اند۔

آفریں اے دست گستاخ محبت آفریں
یہ گریہاں ایکات سے گلے کا ہار تھا
۳۱۹- یاس۔ حسن علی خاں نسب آں علی حسب نواب عقیدت حناں
نعمت الہی پیوندد۔ در این ولایتیندہ شد در گفتو
بہرمی برد۔ واستصلاح رنجیہ از فرزا جعفر علی حسرت
می نماید۔ این اشعار از اں والا تبارست۔

(۲ شعر)

الحسن خسرو دہلوی۔ از اکابر شعراست۔ پدرش سیف الدین
لاچین ترک از ہزارہ پنج۔ مولدش مومن آباد مشہور
ہے سیستانیست۔ رفیق محمد سلطان بود۔ بعد از شہادت او
ندیم سلطان بلبن گشت۔ بہفت باو شاہ را خدمت کرد و از
مردیان در (را) شیخ نظام الدین ادلیا بود در بخن فارسی
نود و نہ کتاب گفتہ و در علم موسیقی مہارت تمام داشت
در آخر عمر خواہش ایجا و شعر ہندی کرد و اکثر بطرز ہایم

ہم فارسی و ہم ہندی تو ان خواند می گفت۔ ازاں ست ۵
 اے ندیمی بہاے جان کسے
 ہمہ سولیک جائے دور بے
 و در غم و فاق حضرت نظام الدین اولیا درگزشت۔
 ازاں ست (الحمد) ؟ شعر ہندی، عربی
 مرکب دراد این گفتہ بود اینست۔
 ز حال سکیں مکن تغافل۔
 (۵ شعر)



اشاریہ

متعلقہ تذکرہ جات گلزار ابراہیم و گلشنِ مہند

(نوٹ) - اس اشاریہ کی ترتیب میں میں نے اپنے دوست اور شاگرد سید اختر حسن سے مدد حاصل کی ہے
(سید محی الدین قادری)

آزاد میر مظفر علی ۲۹	آبرو شاہ نجم الدین ۲۵، ۲۹، ۳۱
آشفۃ مرزا رضا قلی ۵۹، ۶۰	۱۰۲، ۱۰۳، ۱۵۹، ۱۵۶
آشنا (درویشیہ بود) ۳۳	۲۰۴، ۲۰۸، ۲۴۱، ۲۵۳
آشنا میرزین العابدین ۳۳	۲۴۱، ۲۴۲
آصف آصف الدولہ آصف جاہ نواب	آفتی - خواجہ برہان الدین ۳۰، ۴۳
یہ بھی خاں ۲، ۹، ۱۰، ۱۹، ۲۲	آذربائیجان ۱۵۹
۸۹، ۱۰۹، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۵۹	آدزو سراج الدین علی خاں ۲۰، ۲۱
۱۶۰، ۲۱۰، ۲۳۰	۲۵، ۳۳، ۶۴، ۶۵، ۱۶۶، ۱۷۸
آفتاب (شاہ عالم بادشاہ) ۳	۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۱
آگاہ محمد صلاح ۳۲	آزاد خواجہ زین العابدین ۲۹
آگاہ نور خاں ۳۲	آزاد میر غلام علی ۱۹
آہ میر مہدی ۶۲	
ابدالی ۵	

- ابراهیم (حاجی) ۲۵۳
 ابراہیم خاں ۸۱
 ابراہیم (خواجہ) ۱۱۵
 ابوالخیر (مرزا) ۱۰۷
 اٹاوہ ۱۸۷
 اثر میر محمد ۳۶، ۳۷، ۳۸
 اجل شاہ محمد اجل ۴۰
 احسان میثم الدین ۶۲
 احسن احسن اللہ ۳۱
 احسن رضا خاں نواب سرفراز اللہ ۵۷، ۵۸
 احسن مرزا احسن علی ۳۱
 احمد آباد (بجرات) ۱۷
 احمد خاں ۶
 احمد خاں نواب غالب جنگ ۱۳۹
 احمد شاہ ۳۱، ۳۳، ۶۹، ۱۰۶
 ۱۲۹، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۸۳
 ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۲۲، ۲۴۰، ۲۷۳
 احمد شاہ درانی ۲۲۵
 احمد گجراتی ۲۸
 احمدی شیخ احمد دہشت ۳۷
 ارشاد شاہ اسرار اللہ ۲۵۰
 ارکاٹ ۱۸
 اسحق خاں (نواب) ۲۲
 اسد اللہ (شیخ) ۱۸۶
 اسد خاں (وزیر) ۱۶، ۱۹
 اسد میرامانی ۳۶
 "اسرار محبت" ۲۲۹، ۲۳۰
 اسکاٹ (کرنیل اسکاٹ) ۲۰۹
 "اسکندر نامہ" ۲۲
 اسماعیل اعرج ۵۶
 اشتیاق ولی اللہ سرہندی ۲۳
 اشرف خاں (نواب) ۱۳۸، ۲۳۲
 اشرف علی خاں (تذکرہ نویس) ۱۹۰
 اشرف محمد اشرف ۲۹
 اصالت خاں ۵
 اصفہان ۱۵
 اظہر الدین خاں ۲۶۰
 اظہر میر غلام علی ۴۶
 اعتماد الدولہ (نواب وزیر) ۲۱۸
 اعظم ۲۲
 اعظم خاں (نواب) ۱۳۰
 اعظم شاہ (محمی) ۲۷۳

- اعلیٰ علی (میر) ۴۳
افسوس میر شیرعلی ۵۶، ۵۷
افصح شاه نصیح ۳۰
افضل محمد فضل ۲۸
افغان الف خاں ۳۵
افغان (قوم) ۳، ۸۷، ۲۳۶
افکار میر جویں ۳۵
اکبر آباد ۲۰، ۶۰، ۶۵، ۲۰۸
۲۱۶، ۲۱۹
اکبر علی خاں ۴۸
اکرم خاں (میر محمد) ۱۵۹
اکرم خواجه محمد اکرم ۳۶
الله یار خاں (شاه) ۲۷۳
آلم (صاحب میر) ۳۹
الہ آباد ۴، ۴۰، ۵۶، ۱۰۲، ۱۳۶
۱۸۸، ۲۲۱، ۲۵۰
الہام شیخ شرف الدین ۳۳
الہام فضائل بیگ ۳۳، ۳۴
امام بارہ - آغا جعفر کا ۱۳۲
امام جعفر صادق ۵۶
امام حسین علیہ السلام ۲۳، ۶۰، ۲۵۹
- امامی خواجه امام بخش ۴۷
امامی (ہروی) ۱۱۸
امان (حافظ امان) ۹۰
امانی (میرامانی) ۴۳
امجد ۲۹
امروہہ ۱۶۱، ۱۷۲، ۲۲۷
آمید قزلباش خاں ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۱۹
امیر محمد یار خاں ۳۵
امیر معاویہ ۲۴
امین خواجه امین الدین ۴۸
امینی جہانگیری ۱۸۰
انتظار (علی خاں) ۴۸، ۱۳۵
انجام عمدة الملک امیر خاں ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵
انسان اسد یار خاں ۳۱
انشاء میراث برائے خاں ۴۱
انصاف ۲۹
انور غلام علی ۴۰
اوزنگ آباد ۱۷، ۱۸
اولاد میرا ولاد علی ۳۶
ایران ۱۳، ۱۹، ۲۱، ۹۹
ایرج خاں (محمد) ۱۸۳

ب

بار لوصاحب ۵۸

بارہ پورہ (میوات) ۱۶۱

بارہ ماسہ ۲۵۲

باسط (خواجہ باسط) ۱۱۰

باسطی (شیر افغن خان) ۱۰۰

باقر (آغا باقر) ۱۳۲

باقی (میر باقی) ۱۰۳

”بابہر تہ خاندان“ ۴

”بہر نامہ“ ۲۹

”بخشی زندگی“ ۱۱۵

”بدر منیر“ ۱۱۸

برہان الدین (شاہ) ۱۲۹

برہان پورہ ۱۵، ۱۶، ۱۷

”برہان قاطع“ ۲۲

بسمٰ ۷۶

بسمٰ سید جبار علی ۷۷

بسمٰ گدا علی بیگ ۷۶

بقا بقا اللہ ۵۶، ۵۷

بکٹہ ۲۵۲

بکھاری محل ۶۹

بنج ۲۷۳

بگرام ۱۶۹

بنارس ۴، ۳۹، ۷۷، ۸۸، ۹۰

۹۳، ۹۴، ۱۰۷، ۱۳۹، ۱۶۶

۱۷۲، ۱۸۸، ۱۹۱، ۲۳۴، ۲۴۰، ۲۵۳

بنگالہ ۳، ۳۶، ۵۷، ۶۱، ۱۰۶، ۱۲۵

۱۲۹، ۱۳۹، ۱۸۰، ۱۸۸، ۲۱۸، ۲۲۲

۲۳۳

بنگ (صوبہ) ۲۳۸

بنگلا (فیض آباد) ۱۰، ۱۶

”بوستان خیال“ ۲۵۳

بہادر خان ۱۶

بہار ۱۳۲، ۱۳۹، ۲۳۴، ۲۴۵

بہار رائے ٹیک چند ۶۴

”بہارستان جعفری“ ۱۶۸

”بہار عجم“ ۶۴

بھاکا ۲۸

بہرام خاں (بلوچ) ۶

بھوپال ۱۹

بیان احسن اللہ خاں ۶۵

بیتاب سنتو کہ رائے ۷۰

بہار گنج ۱۱۵
پیام شرف الدین علی خاں ۶۸



تاباں میر عبدالحی ۸۲، ۱۰۴، ۱۶۰، ۱۶۳، ۲۱۶

تازی ۱

تانا شاہ (ابو الحسن) ۸۱، ۷۹

تائید خواجہ عبد اللہ ۸۷

تحسین علی خاں ۲۱۰

”تحفہ اشعار عشریہ“ ۲۲

”تذکرہ کاشی“ ۲۳۷

ترکی ۴۱

تصور ۸۶

تصویر شاہ جواد علی ۸۶

تفضیل حسین خاں ۲۲

تقی سید محمد تقی ۸۶

تمکین میر صلاح الدین ۸۶

تمنا خواجہ محمد علی ۸۷

”تبذیر الخافین“ ۲۱

تیر انداز خاں ۲۵۲

تیمور شاہ تیمور سہرانی ۱۰۱

بتیاب شاہ محمد علیم ۷۰

بتیاب محمد اسماعیل ۶۹

بیچھا (شاہ بیچھا) ۶۵

بیدار میر محمد علی ۷۰

بیدل مرزا عبد القادر ۳۰، ۶۳

”برسم دی“ (نالہ) ۱۶۸

بیرنگ دلاور خاں ۶۹

بے قید سید فضائل علی خاں ۶۵، ۲۳۲

بیکل سید عبد الوہاب ۶۹

”بینظیر“ ۱۱۸

بلیو ۶۵

بینی باور (مہاراجہ) ۷۶



پاکستان میر صلاح الدین ۷۶

پانی پت ۸۷

پروانہ راجہ جہونت سنگھ ۷۶

پروانہ سید پروان علی ۷۶

پنجابی ۱۶۲

پنجابیکم ۳۰

پوربی ۱۶۲

جلال بخاری (سید) ۲۳۷

جلال (سید) ۷۰

جمال (سید) ۷۰

جمال میر جمال الدین حنین ۱۳۷

”جنت العالیہ فی مناقب المعاولیہ“ ۲۲

جنون ۱۰۱

جنون شیخ غلام مرتضیٰ ۱۰۱

جوان کاظم علی ۹۳

جوہد بہریرام ۹۹

جوشش شیخ محمد روشن ۱۳۲، ۹۳

جولان میر رمضان علی ۱۰۰

جون پور ۱۸۰

جوہر مرزا احمد علی ۹۹

جہاندار شاہ (مرزا جواں بخت) ۵۷

۸۸، ۱۶۲

جہانگیر نگر ۲۳۲

جیت سنگھ (مہاراجہ) ۷۷

چ

چاند پور ۱۶۶، ۱۹۱

”چراغ ہدایت“ ۲۲

چغتائ (قوم) ۶۳

ط

ٹکیت رائے (مہاراجہ) ۲۳۸

ٹنٹہ ۶۵

ث

ثاقب شہاب الدین ۸۷

ثابت اصالت خاں ۸۷

ثابت شجاعت اللہ ۸۷

ج

”جا جمبو“ ۲۱۹

جانسن (ممتاز الدولہ) ۲۳۰، ۲۳۸، ۲۴۰

جان عالم خاں ۱۰۱

جرات شیخ قلندر بخش ۲۸، ۹۰

۱۰۷، ۱۳۹، ۱۶۶، ۲۲۹

جرات میر شیر علی ۱۰۰

جعفر خاں (نواب میر) ۲۲۲

جعفر (خواجہ) ۲۵۰

جعفر علی خاں ۲

جگنو ۱۰۰

ح

حاتم (دہلوی) ۱۰۲، ۱۸۵، ۲۲۳، ۲۴۵

حالی خواجہ الطاف حسین ۳۸

حبیب اللہ ۱۰۶، ۱۳۷

حزین شیخ محمد علی ۲۱، ۲۱۹

حزین میر محمد باقر ۱۰۲، ۱۶۴

حسرت مرزا جعفر علی ۸۷، ۹۱، ۱۰۷

۱۳۳، ۱۳۹، ۱۹۸، ۲۳۰، ۲۷۳

حسرت میر محمد حیات ۲۵۹

حسرت ہیبت قلی خاں ۱۱۱

حسن الدین خاں (نواب) ۲۳۲

حسن بیگ ۱۶، ۱۹۷

حسن خواجہ حسن ۱۱۵

حسن رضا خاں نواب سرفراز الدولہ ۱۱۵، ۲۳۸

حسن میر غلام حسن ۵۷، ۱۱۸، ۱۷۲، ۱۸۱

حسن میر محمد حسن ۱۱۵

حسین احمد ۱۷۰

حسین علی خاں (سید) ۱۶، ۱۷

حسین قلی خاں (نواب) ۱۸۰

حشمت محمد علی ۱۰۲، ۱۶۳، ۱۶۴

حشمت میر محترم علی خاں ۱۰۳

حضرت اللہ (شاہ) ۲۳۶

حضور (دہلوی) ۱۱۱

حضور شیخ غلام سحیل ۱۲

حفیظ اللہ (شاہ) ۱۲۱

حمزہ (علی میر) ۲۱۹

حیدر آباد ۱۸، ۵۷، ۱۶۳

حیدر بیگ خاں نواب امیر الدولہ ۱۰۹

حیدر غلام حیدر ۱۰۶

حیدر میر حیدر علی شاہ ۱۰۶

حیدری شیخ غلام علی ۱۱۰

حیدران میر حیدر علی ۵۷، ۱۰۹، ۱۳۳

حیوت مراد علی ۱۰۷

جیف موتی لعل ۱۲۳

خ

خادم خادم حسین خاں ۱۲۵

خاف ۵۶

خاکسار محمد یار ۱۲۳

خان جہاں خاں لودی ۲۷۱

وَل: ۱۶، ۱۷، ۱۹، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۴۳،
 ۶۵، ۶۹، ۷۱، ۸۲، ۸۴، ۸۹،
 ۹۹، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۱۱،
 ۱۱۸، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۴۱،
 ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۶،
 ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۸،
 ۲۰۵، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۵، ۲۳۵

۲۴۳، ۲۴۴، ۲۵۹

وَلّی دروازه ۱۶۶
 دلیر خاں (نواب) ۱۸۷
 دوست غلام محمد ۱۳۲
 دولت سادات ۱۸
 دوله رام (راجہ) ۳۹
 دیوانہ لاله سرب سنگھ ۷۶، ۱۰۹
 ۱۳۳، ۱۳۷

ذاکر مراد آبادی ۱۳۴
 ذرّہ مرزا ہجو ۶۰
 ذوالفقار خاں (نواب) ۱۶، ۱۹
 ذوق شیخ ابراہیم ۱۲۸
 ذہین میر مستعد ۱۳۴

خان دوراں ۱۶، ۱۶۶
 خسرو ابوالحسن خسرو دہلوی ۲۷۳
 خلیق مرزا ظہور علی ۱۲۵
 خلیل ۱۰۷، ۱۱۸
 خیاباں ۲۲
 خیال میر محمد تقی ۲۵۳

دانا شیخ فضل علی ۱۲۹
 "داوری" ۲۲۸
 داؤد داؤد بیگ ۱۳۴
 داؤد خاں ۱۷

درد (خواجہ میر) ۳۷، ۳۹، ۷۱،
 ۹۴، ۱۰۱، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۶۴،
 ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۸۸، ۱۹۱، ۲۵۴

دردمند فقیر صاحب ۱۲۹، ۲۲۲
 درد میر کرم اللہ خاں ۱۲۹
 درخشاں منگو بیگ ۱۳۴
 "دریہ عشق" ۲۱۰
 دل شاہ فتح محمد ۱۳۴
 دل شیخ محمد عابد ۱۳۲

رند شاہ حمزہ علی ۱۳۵
 رنگین مرزا امان بیگ ۱۳۸
 روشن الدولہ (نواب) ۱۰۱

زاس مغل بیگ ۱۴۰
 زاس میر مظہر علی ۱۴۰
 زاکر حسین خاں ۱۲۹
 زعفران ۱۳۷
 زکی جعفر علی خاں ۱۴۰
 ”زمانیہ“ ۴۷

زین الدین احمد خاں نواب بہت جنگ ۱۶
 ۴۷، ۴۸
 زینت المساجد ۲۱۹

س

ساقی میر حسین علی ۱۶۱
 سالار جنگ (نواب) ۲۲، ۵۷
 ۱۱۸، ۱۵۹، ۲۲۱
 سامان میر ناصر ۱۶۱

راغب محمد جعفر خاں ۱۳۵

راقم بندر این ۱۳۷

رام پور ۲۲۹

راے بشن ناتھ ۲۳۵

راے میکوعل ۱۰۹

رحمت خاں (حافظ) ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۵

رخشاں محمد چاٹہ ۱۳۷

دخصت میر قدرت اللہ ۱۳۹

”رد ووافض“ ۲۴

رسائی ۱۳۶

رستم رستم علی خاں احتشام الدولہ ۱۳۸
 ۱۳۹، ۲۳۴

رسوا کتاب راے ۱۳۶

رشید ۱۳۸

رضا سید رضا خاں ۱۳۸

رضا مرزا علی رضا ۱۳۷

رضا میر محمد ۱۳۷

رضی (مرزا) ۶۰

دفعہ شیخ محمد رفعت ۱۳۶

نسکرت ۲۸
سودا ۱ مرزا محمد رفیع ۳۱، ۳۶،

۶۹، ۷۰، ۷۱، ۸۲، ۸۴، ۱۰۰،

۱۰۲، ۱۱۵، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۱،

۱۶۵، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۰،

۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۰۹،

۲۱۰، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۵، ۲۳۶،

۲۳۲، ۲۵۲

سودائی راجہ رام ۱۲۰

سورت ۱۴۲

سوزاں نواب احمد علی حسان

شوکت جنگ ۱۵۸، ۱۵۹

سوز میر سید محمد ۶۰، ۶۲، ۱۰۱،

۱۲۳، ۱۳۹، ۱۵۱، ۱۶۵،

۱۹۱، ۲۳۶

سید حسن (خنک سواره) ۱۲۷

سید میر امام الدین ۱۶۱

سید میر یار گار علی ۱۶۱

سیف الدین ۲۷۳

سیف الدوله (نواب) ۵۷

سیلی بجنوں ۱۶۱

سجاد میر سجاد ۱۵۹

سنخین شاعر ۱۳۲

سراج اللغت ۲۲

سراج میر سراج الدین ۱۶۰

سرفراز خاں نواب علاء الدوله ۱۰۶، ۹۹

سرود آزاد ۱۹

سسسی پور ۲۳۰

سراج الدوله (نواب) ۴۷، ۶۹

۱۱۱، ۱۲۹، ۱۶۳

سعادت علی خاں (نواب) ۱۳۹، ۲۱۰

سعادت میر سعادت ۱۶۱

سعد اللہ خاں ۲۰۷

سعد اللہ سورتی (شاہ) ۱۷۴

سید احمد خاں صولت جنگ ۱۰۴

سکندر خلیفہ سکندر ۱۶۲

سلطان بیگ (مرزا) ۲۲۹

سلیمان ۸۲، ۱۶۰

سلیمان شکوہ (مرزا) ۴۱، ۹۱

سلیم میر محمد ۱۶۲

سنام (قصبہ) ۶۵

سندھیل (لالہ) ۱۹۱

ض

ضاحك مير غلام حسين ۱۱۸، ۱۴۲
 "ضريح مقدس" ۶۰
 ضمير بيداريت علي خان نصير الدوله
 بخش الملک اسد جنگ ۱۴۰
 ضيا ميرضياء الدين ۱۱۸، ۱۳۳
 ۱۵۹، ۱۴۱، ۲۰۴، ۲۴۳

ط

طالع شمس الدين ۱۴۲
 طيش دلووی ۱۴۲
 طرز گردهای لعل ۱۴۲
 "طوس" ۳۵

ظ

ظاهر خواجه محمد خان ۱۴۳
 ظهور لاله شمسو شکر ۱۴۳

شوق حسين علي ۱۶۶
 شوق (نواب مرزا) ۳۸
 شوکت جنگ (نواب) ۱۱۱
 شهرت مرزا محمد علي ۱۶۶
 شهيد مولوي غلام حسين ۱۶۶
 شيدا مير فتح علي ۱۶۵، ۱۹۰

ص

صادق علي خان (نواب) ۵۴
 صادق ميرجعفر خان ۱۶۸
 صادق نواب لطف الله خان ۱۳۵
 صانع نظام الدين احمد ۱۶۸، ۱۶۹
 صابر مير محمد علي ۱۶۸
 صفدری حيدر آبادی ۱۶۸
 صمصام الدوله خان ۱۳۸، ۲۳۲
 صنعت لعل خان ۱۶۴
 صولت جنگ (نواب) ۱۱۱
 صهبائي (مولوي امام بخش) ۲۱

ع

عاجز عارف علی خاں ۱۴۹

عادل شاہی ۹

عارف محمد عارف ۱۴۶

عاشق علی اعظم خاں ۱۸۱

عاشق نشی عجائب راے ۱۸۱

عاشق میر بہان الدین ۱۸۱

عاشق مینر بچی ۱۸۱

عاصی نور محمد ۱۴۹

عالمگیر (اوزنگ زیب) ۱۶۰، ۷۹

۲۴۶، ۱۴۴

عالمگیر ثانی ۲۴۲

عبدالغفر (مولوی) ۲۴

عبداللہ خاں (سید) ۱۶

عبدالولی (شاہ) ۳۳

عجم ۶۴

عرب ۶۴، ۵۶

عربی ۲۴۳، ۲۳۶، ۶۴

عزالت میر عبدالولی ۱۴۳، ۱۴۳، ۱۴۳

عزیز بھکاری داس ۱۸۰

عشق شاہ رکن الدین ۱۴۶

عضد الدولہ ۶۰

عضد یزدی (سید) ۲۳۷

”عطیہ کبریٰ“ ۲۲

عظیم آباد ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳

۹۳، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲

۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹

۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵

۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰

۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵

۲۳۵، ۲۳۶

عظیم محمد عظیم ۱۸۰

عقیدت خاں (نواب) ۲۴۳

علی ابراہیم خاں ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹

۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹

۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷

۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴

۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱

۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸

۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴

علی اصغر (میر) ۱۲۹

ف

فاخر ۷۰

فارسی ۲۰، ۲۳، ۳۰، ۳۳، ۴۱

۴۶، ۴۳، ۶۴، ۶۶، ۹۹

۱۰۳، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۶

۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۹۱

۱۹۷، ۱۹۸، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۹

۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۴۳

فادغ ۱۸۵

فخرالدین قدس سره ۲۳۷

فخرالدین (مولوی) ۱۸۵

فخر میر فخرالدین ۱۹۰

فدا سید امام الدین ۱۸۸

فدوی لاہوری ۱۹۰

فدوی مرزا محمد علی ۸۸، ۱۸۹

فراق ثناء اللہ ۱۸۸

فراق مرتضی قلی خاں ۱۸۷، ۱۸۸

فرحت شیخ فرحت اللہ ۱۸۶، ۱۸۷

۲۵۸، ۲۵۹

فرحت مرزا الف بیگ ۱۸۸

علی اکبر خاں ۱۳۵

علی اکبر (میر) ۲۰۷

علی نقی (مرزا) ۱۷۹

علی وردی خاں نواب جمایت جنگ ۴۸

۱۳۰، ۱۷۰، ۱۷۳

۱۷۴، ۱۸۱

عماد سیتارام ۱۷۸

عمر معتبر خاں ۱۷۹

عیش مرزا محمد عسکری ۱۷۹

غ

غازی الدین خاں نواب الملک ۴۱،

۱۶۶، ۲۰۶

غالب اسد اللہ خاں ۱۸۱

غریب میر تقی ۱۸۲

غلام حسین خاں (نواب) ۱۳۰

غلام طاہر ۲۵۳

غلام علی خاں (سید) ۵۶

غیاث الدین ۱۱۵

غیاث الدین (سلطان ملبن) ۲۷۳

ق

- قاسم خاں (میر محمد) ۱۸۲، ۲۴۰
 قاسم علی خاں (محمد) ۱۳۲، ۵۶، ۲۱۹
 قائد شیخ محمد قائم ۳۵، ۲۰، ۱۴۲، ۱۹۱
 قبول عبدالغنی بیگ ۱۹۷
 قدرت شاہ قدرت اللہ ۱۹۸، ۲۰۴، ۲۳۵، ۲۵۳، ۲۵۹
 قدر محمد قدر ۱۹۷
 قراولپور ۱۵۱
 قربان لالہ صاحب رائے ۱۹۱
 قربان میر جیون ۱۹۷
 ”قرۃ العین فی ابطال شہادۃ المحسن“ ۲۳۷
 قسمت ۱۹۷
 ”قصائد عرفی“ ۲۲
 ”قصہ بوم و بقال“ ۱۹۰
 قطب الدین خاں ۱۰۳
 قلندر لالہ بدست ۱۹۷
 قمر الدین (نواب) ۱۶۱
 قلنحت مرزا محمد بیگ ۱۹۷
 ”قول فیصل“ ۲۱
 قیامت حاجی احمد علی ۱۲۶، ۲۳۵

- فرخ آباد ۱۳۹، ۱۹۰، ۲۲۸
 فرخ سیر (محمد) ۱۶۷، ۲۱۶، ۲۲۳
 فرخ میر فرخ علی ۱۸۷
 فروغ میر علی اکبر ۱۹۱
 فریاد لالہ صاحب رائے ۱۹۱
 فرید الدین عطار نیشاپوری ۲۱
 فرید شیخ شکر بیگ ۱۲۷
 ”فصوص الحکم“ ۲۰۵
 فضل شاہ فضل علی ۱۸۶
 فضل علی خاں (نواب) ۱۶۶، ۲۷۷
 فضلی افضل الدین خاں ۱۸۶
 فغان اشرف علی خاں ۱۸۲، ۲۷۷
 ۲۲۳، ۲۲۵
 فقیر میر شمس الدین ۱۸۲، ۱۹۱
 ۱۹۸، ۲۳۷
 فیروز جنگ (امیر الامرا) ۱۷
 فیض آباد ۳۳، ۶۰، ۷۶، ۱۴۲، ۱۹۷
 ۲۰۷، ۲۳۳
 فیض اللہ خاں (نواب) ۲۲۹
 فیض میر فیض علی ۱۹۱
 فیضی ۱۸۳

گ

گجرات ۲۲۶
گرجیاں میر علی امجد ۲۰۴
گلاب رائے (راجہ) ۲۵۲
"گلزار ابراہیم" ۹۳، ۲۳
۲۵۰، ۱۶۴
"گلستان" ۲۳۸، ۵۸، ۲۲
گلشن شاہ گلشن ۲۲۶
گلشن ہند ۱۵۱، ۲۳
گلگٹ ۵۸
گمان نظر علی خاں ۲۰۴
گوالیر ۲۱
گوپال ۲۸

ل

لالہ بت سین ۱۴۳
لسان میر کلم اللہ ۲۱۸
لطف اللہ (حافظ) ۷۰

ک

کافر میر علی نقی ۲۰۴
کاگل شاہ کاگل ۲۰۴
کاپی ۲۱، ۲۰
کایتھ ۱۹۱، ۱۴۲، ۱۲۳
کٹک ۹۹
کربلائے معلیٰ ۷۰، ۷۱
کرناٹک ۱۸
کشمیر ۲۲۹، ۲۲۶، ۱۹۷، ۱۳۸
کشمیری ۲۱
کشنا (ندی) ۱۸
ککٹہ ۲۳۸، ۲۰۹، ۱۶۹، ۶۱، ۵۸
کلیم شیخ محمد حسین ۲۰۵
کمال الدین شیخ ۲۱
کمترین دہلوی ۲۰۶
کوٹلہ فیروز شاہ ۲۳۳، ۲۵، ۲۳
کورس مرزا یوسف ۶۰
کھر ٹکی ۷۷

مائل میر ہدایت علی ۲۲۵
 مبارز خاں ۱۸
 مبارک علی خاں نواب مبارک الدولہ ۶۰
 ۲۵۳، ۱۱۱
 مثنوی در تعریف لاطمی ۲۳۶
 مجدد الف ثانی ۲۶۰
 مجروح نشی کش چندہ ۲۲۹
 مجذوب مرزا غلام حیدر ۲۲۶
 ”مجمع النفائس“ ۲۲
 مجنون حمایت علی ۲۳۵
 مجنون شاہ مجنون ۲۳۵
 محبت نواب محبت خاں ۹۱
 ۲۳۵، ۲۲۹
 محب شیخ ولی اللہ ۲۲۸
 محترم خواجہ محمد محترم ۲۲۷
 محشم علی خاں ۲۵۰
 محزون مولوی سید محمد حسین ۲۲۱
 محسن محمد حسن ۲۲۱
 محشر ۲۲۶
 محقق دکنی ۲۱۸
 محمد آباد (بنارس) ۷۷

لطف (علی لطف) ۳۱، ۵۹
 ۱۴۱، ۱۳۲، ۱۲۹، ۱۱۸، ۸۸، ۶۳
 ۲۰۵، ۱۹۸، ۱۷۶، ۱۷۳، ۱۶۸
 ۲۲۲، ۲۱۹، ۲۱۶، ۲۰۸
 ۲۲۶، ۲۲۳
 لطفی دکنی ۲۰۸
 لکھنؤ ۲۲، ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۴
 ۳۸، ۳۱، ۴۲، ۴۷، ۵۶
 ۶۰، ۷۶، ۸۹، ۹۱، ۹۳
 ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۸
 ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۵۲
 ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۲
 ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸
 ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۹۱، ۱۹۸، ۲۰۹
 ۲۱۰، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۵
 ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۶۳

مارواڑی ۴۱، ۱۶۲
 ماوراءالنہر ۱۸۶
 مائل محمد مائل ۲۲۵

محمد غوث (شیخ) ۱۳۴، ۲۵
 محمد قادری (میر) ۱۶۸
 محمد قاسم خاں (نواب) ۱۶۳، ۲۱۹، ۲۲۷
 محمد کبیر (شیخ) ۲۲۹
 محمد معصوم (میر) ۲۵۸
 محمدی خاں (خواجہ) ۱۷۶، ۲۲۷
 محنت مرزا حسین علی بیگ ۲۲۹
 "مخزن اسرار" ۲۳۶
 مخلص بدیع الزماں خاں ۲۲۶
 مخلص رائے اند رام ۲۱۸
 مخلص مخلص علی خاں ۲۲۲
 مدار مرزا شاہ بدیع الدین ۱۸۶
 مدبر اصفہانی (آقا) ۲۵۳
 مدد اللہ (میر) ۲۱۹
 مدد علی میر عوض علی ۲۳۵
 مدد ہوش میر نی خاں ۲۳۶
 مراد آباد ۱۰۴، ۱۳۴
 مرزا عسکری ۱۸۰، ۱۸۱
 مرزا علی خاں افشار الدولہ ۱۳۸
 ۱۵۸، ۱۶۱
 مرزا مرزا علی رضا ۲۳۴

محمد باسط (خواجہ) ۲۳۶
 محمد باقر (مولوی) ۱۱۴
 محمد برکت (مولوی) ۱۰۱، ۲۲۱
 محمد تفتی خاں ۱۳۵، ۶۰
 محمد جعفر خاں (نواب) ۵۷
 محمد حسین (فرنگی) ۲۳۸
 محمد حسین (مرزا) ۱۳۸، ۲۳۴
 محمد رضا خاں نواب مظفر جنگ ۴۸
 محمد سلطان ۲۷۳
 محمد شاہ فردوس آرام گاہ ۲۶، ۲۹
 ۳۳، ۳۴، ۶۵، ۶۸، ۶۹، ۸۲
 ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۰۶
 ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷
 ۱۴۳، ۱۷۷، ۱۸۷، ۱۹۷، ۲۰۵
 ۲۱۹، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴
 ۲۴۳، ۲۷۱، ۲۷۳
 محمد شریف ۱۱۵
 محمد جام صمصام الدولہ ۱۶۷
 محمد علی خاں (رحیلہ) ۱۳۵، ۱۴۲
 محمد علی خاں (میر) ۶۵، ۱۳۴
 محمد علی خاں نواب مہابت جنگ ۱۸۷، ۱۸۸

مصدر میراشار اللہ خاں ۲۱
 مصیب غلام قطب الدین ۲۳۶، ۲۴۰
 مضمون سید امام الدین ۲۲۷
 مضمون شیخ شرف الدین ۱۱۹
 ۱۷۷، ۲۱۹

منظر علی خاں (سید) ۵۷، ۵۸
 منظر (قاضی) ۱۸۶
 منظر (مرزا جان جاناں) ۶۵
 ۸۲، ۱۰۴، ۱۱۱، ۱۳۰، ۱۶۱
 ۱۷۳، ۲۱۶، ۲۳۸، ۲۶۹، ۲۶۰

معز الدین محمد ۱۶
 معین الدین خاں (سید) ۲۲۷
 معین شیخ معین الدین ۲۳۵
 مغموم رام حسن ۲۲۰
 مفتون کاظم علی ۲۲۶
 "مقدمہ شعرو شاعری" ۳۸
 مکہ مسجد ۸۱

ملول ۳۴، ۲۵۳
 ممتاز حافظ فضل علی ۲۳۶
 منتظر خواجہ بخش اللہ ۲۲۵
 منت میر قمر الدین ۶۲، ۲۳۷، ۲۳۸

مرزا مرزا محمد حسین ۱۳۸
 مرزا ہوش دار ۱۲۵
 مرزائی محمد علی خاں ۲۲۶
 مرزا یوسف ۶۰

مرشد آباد ۲۹، ۳۶، ۳۹، ۴۳

۴۳، ۴۶، ۴۸، ۵۸

۶۰، ۶۱، ۱۲۵، ۱۳۰

۱۳۲، ۱۳۵، ۱۵۲، ۱۶۲

۱۶۳، ۱۶۹، ۱۷۳، ۱۷۴

۱۷۴، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴

۱۸۶، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۰۷

۲۲۲، ۲۲۵، ۲۳۷، ۲۳۵

۲۲۴، ۲۵۰، ۲۵۳، ۲۵۹

مروت نبھلی ۲۲۹

مزل محمد مزل ۲۱۸

مستمند ۲۲۲

مسکین لالہ تخت ۲۲۵

مسنون ۱۳۶

مشتاق میر حسن ۲۳۶

مشہد مقدس ۳۵

مصنعی غلام بہدانی ۲۲۷

ن

ناجی محمد شاکر ۱۶۲، ۲۲۲
 نادر دہلوی ۲۲۳
 نادر شاہ ۱۹
 نارتول ۵۶، ۲۲۸
 ناصر دہلوی ۱۲۶
 نالان محمد عسکر علی خاں ۲۲۵
 نالان میر احمد علی ۲۲۲
 نالان میروارث علی ۲۲۵
 نبی میر غلام نبی ۲۲۳
 نثار سدا سکھ ۲۲۲
 نثار میر عبدالرسول ۲۲۲
 نجات شیخ حسن رضا ۲۲۵
 نجف اشرف ۱
 نجیب خاں نجیب الدولہ ۲۵۲
 نخاس ۱۰۷
 ندیم شیخ علی خاں ۱۸۳
 ندیم شیخ علی قلی ۲۲۲
 نرہدا ۱۷

منشی غلام منشی ۲۲۸
 منعیم ۲۱۹
 منی لک ۱۸
 مومن آباد ۲۷۳
 موزوں ہماراجہ رام نرائن ۲۱۸
 مومن بیگ (مرزا) ۱۲۰
 موہبت عظمیٰ ۲۲
 مہابن ۲۷
 مہا نرائن ۱۳۳
 میر احمد قصہ خواں ۳۲
 میر ارزانی ۲۲۵
 میر باقی خوستی ۲۲۹
 میر حاجی ۳۰
 میر حامد ۱۱۰
 میر رضا ۳۱
 میر سیف اللہ ۱۳۹
 میر عبد الجلیل ۲۲۳
 میلر (محمد تقی) ۱۲۲، ۱۳۰، ۱۶۷، ۱۹۱
 ۲۲۲، ۲۳۵، ۲۲۶، ۲۲۱، ۲۰۸، ۲۰۵
 ۲۷۳، ۲۲۵
 میر نصیر ۱۱۰
 میر وحید (ملا) ۱۶۳

والہ میر مبارک علی ۲۵۳
 وحشت میر ابو الحسن ۲۵۲
 وحشت میر بابر علی ۲۵۲
 وصل مرزا اسحق ۲۵۳
 وفا لالہ نون رائے ۲۵۲
 ولایت ولایت اللہ خاں ۲۳، ۱۰۳
 ۱۰۹، ۲۲۹
 ولی دکنی شاہ ولی اللہ ۲۸
 ۱۰۶، ۲۲۶
 ولی دہلوی مرزا محمد ولی ۲۵۰
 وہب علی ۱۳۸
 وہم میر محمد علی ۲۵۳



ہاتف مرزا محمد ۲۵۹
 ہادی دہلوی ۲۵۸
 ہاشم قلی خاں ۲۳۷
 ہدایت شیخ ہدایت اللہ ۲۵۲
 ہدایت ہدایت علی ۲۵۹
 ہشین جلالت بنگ بہادر ۲۳۸

فزار خواجہ محمد اکرم ۲۲۵
 نساج عبدالغفور ۱۳۲
 نصیر الدین چریغ دہلوی ۲۱
 نظام الدین شیخ نظام الدین لیا ۲۷۳
 ۲۷۲

نظام الدین (ملا) ۱۳۸
 نظام الملک آصف جاہ ۱۸، ۶۳، ۱۶۷
 نظام شاہی ۷۹
 نظام نواب عبدالملک غازی لدین خاں
 فیروز جنگ ۲۲۲
 نعیم نعیم اللہ خاں ۲۲۶، ۲۲۳
 نکتہ مرزا علی خاں ۱۸۲
 نوازش علی خاں مرزا سردار جنگ ۵۷، ۱۱۸
 نوازش محمد خاں شہامت جنگ ۱۲۵
 ۱۳۰، ۲۲۲

نوید میر نور الدین ۲۳۷



وارث محمد وارث ۲۵۰
 واقف شاہ واقف ۲۵۲

6

پار میراجہ ۲۶۳

باس حسن علی خاں ۲۳

لکھنؤ مصطفیٰ خاں ۴۹، ۲۷۱

۲۷۲ عبد الوهاب

یقین العام اللہ خاں ۲۱۴، ۲۵۹

”یوسف زلیخا“ ۱۹۰

یولس حکیم یونس ۲۷۲

مہم غنیمت آبادی ۲۵۹

ہندوستان ۱۹، ۲۱، ۲۵، ۳۳، ۴۱

የጥላ ስላላ ስላላ ስላላ ስላላ

۱۵، ۶، ۳، ۲، ۴، ۳، ۳، ۴، ۶، ۱۵

125, 126, 127, 128

205 '222'222'222

۲۶۳ ۴۲۳

هویدا میر محمد اعظم ۲۵۸

ہنگا میرنگا ۲۵۹



[illegible]

ALIGAREH
MUSLIM
UNIVERSITY

-:RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1/- per volume per day shall be charged for textbooks and 10 P. per vol. per day for general books kept overdue.

Mohd Anwar Khan
Bindery M. A. Library